

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضوی اور شاہ عبدالقادر صاحب کی علمی تحقیق کا تقابلی جائزہ

# فضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

المعروف

# جواہر الحقیق

تحقیقات

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ  
امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و اضافات

شیخ الحدیث علاؤ الدین  
عبدالرزاق بھٹو حطاروی رحمۃ اللہ علیہ  
تتمہ جامعہ جامعہ اسلامیہ کراچی

مکتبہ امام احمد رضا

# خوشخبری

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں

حاصل کرنے کیلئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن

کریں

<https://t.me/tehqiqat>

گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے کے

<https://>

[archive.org/details/](https://archive.org/details/)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)



اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رضوی اور شاہ عبدالقادر صاحب کی  
علمی تحقیق کا تقابلی جائزہ

افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ  
المعروف

# جواہر الحقیق

تعمیرات

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ایشاہ  
امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ

تعمیرات

شیخ الحدیث ملا قاضی  
عبدالرزاق بھٹراوی حطاروی رحمۃ اللہ علیہ  
تمہارے ہمدرد جامعہ اسلامیہ کراچی

مکتبہ اہل بیت رضویا

جملہ حقوق بحق مصنف و ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	جواہر التحقیق
مصنف	:	شیخ الحدیث علاؤ الدین عبد الرزاق بھٹراوی حطاروی عیالہ عالی متم جامعہ جامعہ مدرسہ اسلامیہ شکرپال راولپنڈی
کمپیوٹر ورک	:	حافظ محمد اسحاق ہزاروی
کمپوزر	:	محمد مقرب ستی
ہدیہ	:	450/-

ناشر:

مکتبہ امام احمد رضا

کری روڈ، شکرپال راولپنڈی

051-4907446, 0321-5098812

Website: www.jamia jamtia.com

E.Mail: Mehrul.uloom@yahoo.com

## اجمالی فہرست

صفحہ	مضامین
26	عرض ناشر
28	نگاہ اولین
29	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور شاہ عبدالقادر صاحب کے علم کا اجمالی تقابلی جائزہ
38	و اذ یحکربک الذین کفروا.....سورۃ الانفال آیت 30
47	الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ.....سورۃ التوبہ آیت 40
83	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور شاہ عبدالقادر صاحب کے علم کا تقابلی جائزہ
86	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کی افضلیت پر اجماع احادیث مبارکہ سے
95	اجماع افضلیت ابی بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> پر سلف صالحین کے اقوال
106	آئیے! امر کرام کے اعتقاد و اقوال دیکھئے
231	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کی نبی کریم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> سے مشابہت کی چھ وجوہ
245	آیات قرآنیہ سے استدلال
285	پانچ مقدمات کو پہلے اختصار سے دیکھئے، پھر تفصیل سے
440	جب اصل مقصد (مقیدہ) بیان کر دیا تو اب علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں

صفحہ	مضامین
90	اعلیٰ حضرت <small>عبداللہ</small> کے کلام سے یہ فائدہ حاصل ہوا
91	حضرت عبداللہ بن عمر <small>رضی اللہ عنہما</small> کی حدیث کو یوں رد کیا گیا
92	آئیے! حضرت عبداللہ بن عمر <small>رضی اللہ عنہما</small> کی فقیہ و مجتہد ہونا دیکھئے
92	عبادلہ کی شرح نور الانوار میں دیکھئے
93	نتیجہ واضح ہوا
93	احادیث کے الفاظ میں فرق دیکھئے
94	آئیے! حضرت عبداللہ بن عمر <small>رضی اللہ عنہما</small> کی عمر بھی دیکھئے
95	اجماع افضلیت ابی بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> پر سلف صالحین کے اقوال
98	شرح بدء الامالی پر اعلیٰ حضرت <small>عبداللہ</small> نے یوں وضاحت فرمائی
99	سبع سنابل سے اعلیٰ حضرت <small>عبداللہ</small> نے چند اقتباسات حاصل کئے
102	سبع سنابل کی عبارات سے سمجھ آیا
102	کوئی ولی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا
103	سنیوں اور شیعوں کا فرق سمجھ آ گیا
103	اجماع کے خلاف شاہ عبدالقادر صاحب کی دلیل
104	اعلیٰ حضرت <small>عبداللہ</small> ابن عبدالبر کا پہلے ہی رد کر چکے ہیں
104	زبدۃ التحقیق میں بھی اسی پر عمل کیا گیا
104	رد کی وجہ اول
105	مختصر الفاظ میں مطلب سمجھئے
106	آئیے! ائمہ کرام کے اعتقاد و اقوال دیکھئے
107	صحابی رسول <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا عقیدہ، امام ابوحنیفہ کا عقیدہ

صفحہ	مضامین
107	علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر کی عبارت مذکورہ پر بیان کرتے ہیں
107	امام شافعی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عقیدہ
108	علامہ ابن حجر عسقلانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> امام شافعی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں
108	حضرت امام احمد بن حنبل <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عقیدہ
109	حضرت امام مالک <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عقیدہ
110	دوسری وجہ رد
111	تیسری وجہ رد
112	شرارتی لوگ اسلام کی بنیادیں گرانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں
113	اس پر اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> چند شواہد پیش فرماتے ہیں
116	ابن عبدالبر کی روایت پر قائم ہونے والی عمارت منہدم ہوگئی
117	شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں
117	جب اجماع قطعی ہے تو افضلیت ابو بکر و عمر <small>رضی اللہ عنہما</small> بھی قطعی ہے
117	اگر (بالفرض) تفضیل ثابت ہو تو تفضیلیہ کے لئے کوئی خوشی کا مقام نہیں
118	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا جواب پہلے ہی دے چکے ہیں
118	پہلی قسم کا نام علم یقین ہے
118	دوسرے کا نام علم طمہیت ہے
121	ہمارے مسئلے میں قطعی بمعنی طمہیت ہے
121	تفضیلی کافر نہیں، بدعتی ہیں
122	سلف صالحین کا اجماع آج تک قائم ہے
122	طنز یہ جملہ کا قائم نے مستحسن کر دیکھا یا

صفحہ	مضامین
123	اعلیٰ حضرت مسیح <small>علیہ السلام</small> فصل کلی اور جزئی کو یوں بیان فرماتے ہیں
123	فصل کلی و جزئی کو بعض اہل ہند کی اختراعات کہنے کی ضرورت کیوں ہوئی
123	فصل کلی اور جزئی میں کیا اعلیٰ حضرت <small>علیہ السلام</small> منفرود ہیں؟
125	جزئی فضیلت پر احادیث دیکھئے
125	سب سے پہلا تیر راہ خدا میں سعد بن ابی وقاص <small>رضی اللہ عنہ</small> نے پھینکا
126	حضرت زبیر بن عوام <small>رضی اللہ عنہ</small> کو فداک اپنی وامی سے نوازا
126	حضرت زبیر <small>رضی اللہ عنہ</small> نبی کریم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے حواری ہیں
126	روایت جبریل <small>علیہ السلام</small> سے عبداللہ بن عباس <small>رضی اللہ عنہما</small> ممتاز ہیں
126	اسامہ بن زید <small>رضی اللہ عنہ</small> محبوبیت میں حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> سے آگے
127	ام المؤمنین حضرت خدیجہ <small>رضی اللہ عنہا</small> کو رب تعالیٰ نے سلام کہلا بھیجا
128	تفضیلیہ (تفضیلی شیعہ) کافر نہیں، بدعتی ہیں
130	خدارا! اعلو نہ کیجئے!
130	افضلیت و فضیلت میں فرق
131	ضعیف حدیثوں کا قبول کرنا وہاں ہوگا
131	تفصیل شیخین <small>رضی اللہ عنہما</small> اجماعی و متواتر ہے
132	متواتر و اجماع کے مقابل احاد ہرگز نہ سنے جائیں گے
133	خلافت راشدہ کا انکار کفر نہیں
134	اتنی بات یہاں سمجھ لیں
138	یہ ایک مسئلہ ہے
139	مزید وضاحت علامہ شعرانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اس صفحہ میں یوں فرماتے ہیں



صفحہ	مضامین
140	اسی مسئلہ افضلیت کے مطابق شیخ عبدالحق محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول
140	اسی مسئلہ افضلیت کے مطابق شیخ محی الدین ابن عربی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول
141	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کی افضلیت کا راز ایک ہی راز ہے
142	اصل میں شیخ کا استدلال ایک حدیث پاک سے ہے
142	شیخ تقی الدین بن ابی المصور کا عقیدہ
143	مطلق فضیلت پر امام بخاری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عنوان
144	خلفائے راشدین عمومی قانون خلافت سے بلند و بالا ہیں
145	خلفائے راشدین کی خلافت حق ہونے پر ارشاد مصطفوی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small>
145	علامہ اشعری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> خلافت و ملوکیت کا فرق بیان کرتے ہیں
148	شیخ ابن عربی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عبارت پیش کی گئی
150	سید الاولیاء حضرت ہیر مہر علی شاہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے قول کو بھی سمجھئے
152	آئیے اسیدنا حضرت ہیر مہر علی شاہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عقیدہ آپ کی کتب میں دیکھئے
152	حضرت قبلہ عالم کا اپنے عقیدے کے متعلق بیان
154	آل محمد <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> سے کون مراد ہے؟
155	خلافت ظاہرہ و باطنہ کا فرق بھی باطل ہے
156	زبدۃ التحقیق میں ابن حزم کی کتاب المثل والنخل کی عبارات لی گئیں
158	علائے کرام کے لئے لکھ کر یہاں!
158	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> ابن حزم کی شان بیان کرتے ہیں، آئیے دیکھئے!
161	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے جواب کی وضاحت
163	اعتراض و جواب کی تفصیل

صفحہ	مضامین
168	حدیث پاک سے استدلال پر اعتراض
169	سید کی تعریف سے حضرت ابو بکر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی افضلیت پر دلالت.....
170	حضرت ابراہیم <small>علیہ السلام</small> کو خیر البریہ کہا گیا
171	نتیجہ واضح ہوا
174	علامہ ہنسی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> حاصل کلام بیان کرتے ہیں
175	زبدۃ التحقیق کی سنگین عبارت کو دیکھئے
178	جواب تنزل کے طور پر
178	واضح طور پر حاصل ہوا
179	تفضیل حسنین کریمین <small>رضی اللہ عنہما</small> کی نوعیت کیا ہے؟
179	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے بھی یہی فرمایا
180	ابن عبدالبر کے دوسرے قول کا جواب
181	اجماع پر اور دلیل
181	افضلیت شیخین کے اجماع کے ثبوت میں اختلاف نہیں، قطعیت میں ہے
182	اقوال میں محاکمہ
183	حضرت ابو بکر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی افضلیت کے اجماع کا مخالف نادر و غیر معتبر ہے
184	علامہ ابن حجر کی ہنسی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عجز و اقرار
188	اجماع کی تعریف
188	اجماع کا رکن دو قسم پر ہے
188	اجماع قوی و فعلی کی مثال
189	اجماع کے رکن کی دوسری قسم رخصت ہے

صفحہ	مضامین
191	اجماع کے اہل
191	اجماع کی شرط یہ ہے
191	خصوصی توجہ!!!
191	یہ عبارت نور الانوار کی اپنی ہے، حاشیہ قمر الاقمار کی نہیں
192	حدیث پاک سے حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی تین خلفاء پر افضلیت کا وہم اور ازالہ
193	مختصر مطلب
194	دوسری حدیث میں ہے
194	نتیجہ واضح ہوا
194	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> صدیق اکبر اور حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> صدیق اصغر ہیں
195	شیخ محی الدین ابن عربی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد
196	خلاصہ کلام
197	سیدنا صدیق کی سبقت کی چار وجوہات
197	حضرت ابو بکر صدیق کا تقدم
198	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی مدح افراط و تفریط کے شکار
199	عبداللہ بن حسن <small>رضی اللہ عنہ</small> کا ارشاد
199	شیخین <small>رضی اللہ عنہما</small> کی افضلیت
199	رائسی اور خارجی نظریات
200	رائسی کی سزا الہی بیت کی نظر میں
200	اہل حضرت <small>رضی اللہ عنہ</small> کے مختصر ارشادات
201	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کی افضلیت پر دلالت کرنے والی احادیث

صفحہ	مضامین
201	زبدۃ التحقیق میں یوں بیان کیا گیا
203	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے عنوان قائم کیا
203	احادیث کے بیان کرنے سے پہلے اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> بیان فرماتے ہیں
212	قدیم زمانہ اور موجودہ زمانہ میں لفظ شیعہ کے اطلاق کا فرق
212	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے اسے پہلے ہی بیان کر دیا
213	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کی جان نثاری و پروانہ واری
224	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد مذکورہ بالا احادیث سے پہلے نتیجہ کی حیثیت
225	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد دیکھئے
226	اس حدیث پر یوں تبصرہ کیا گیا
227	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
228	آسان مختصر مطلب
231	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کو نبی کریم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> سے مشابہت کی چھ وجوہ
231	مشابہت 1 تا 6
239	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا عقیدہ
239	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
245	آیات قرآنیہ سے استدلال
48	اختصار مذکور کے بعد تفصیل
48	شان نزول کی وجوہات و اربعہ
52	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی بات یاد رکھنے کے قابل
52	زبدۃ التحقیق ص ۳۵ پر عنوان قائم کیا گیا

صفحہ	مضامین
253	مولانا محمد لطف الرحمن کا فتویٰ
254	یہ فتویٰ اس سوال کے جواب میں دیا گیا
255	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے تفصیل بیان کی ہے
256	تحقیق مقام و مقال بکمال اجمال یہ ہے
256	قریش کی خلافت
257	قریش کی افضلیت
257	قریش عزت دار
258	اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور اس کی پسند
258	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے
258	انچہ چیزوں میں نسب کا لحاظ کیا گیا ہے
259	بچوں کی لغزشوں پر نظر بند کھو
261	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> سے قرابت
262	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور اہل بیت اطہار <small>رضی اللہ عنہم</small> سے محبت کرنے والے جنتی ہیں
263	سیدنا حضرت ہمد مہر علی شاہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد نہ بھولئے!
264	ابن ابی حاتم اور طبرانی کی روایت
264	علامہ بغوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا قول
264	حضرت بلال <small>رضی اللہ عنہ</small> اور چھ غلاموں کو آزاد کیا
265	وہ چھ غلام اور کنیریں یہ تھے
266	حضرت سعید بن مسیب <small>رضی اللہ عنہ</small> فرماتے ہیں
267	علامہ ابوسعود <small>رضی اللہ عنہ</small> فرماتے ہیں

صفحہ	مضامین
268	شاہ ولی اللہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
268	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
271	علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تفسیر کبیر کو دیکھئے
271	اہل سنت کے مفسرین کا اجماع ہے
271	شیعہ سارے متفق ہیں
272	علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> عقلی اور نقلی دلائل سے شیعہ کا رد کرتے ہیں
274	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> پر آیت کو محمول کرنا کیونکر ممکن نہیں
275	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی مزید وضاحت
276	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی تربیت میں تھے
277	نعمت حضرت بتول <small>رضی اللہ عنہا</small> سے مکمل ہوئی
277	حضرت ابو بکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> رسول اللہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> پر مال خرچ کرتے تھے
281	دونوں آیات سے نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت ابو بکر <small>رضی اللہ عنہ</small> سب سے افضل ہیں
281	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی دلیل کا انداز احادیث سے مستنبط ہے
283	صحابی نے کیسے دلیل قائم کی اور نتیجہ نکالا
284	یہ اعتراض نیا نہیں پرانے یاروں کی یاد تازہ کی گئی
285	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اعتراض کی تقریر فرماتے ہیں
285	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے پرانے تفصیلیوں کا جواب دیا
285	پانچ مقدمات کو پہلے اختصار سے دیکھئے، پھر تفصیل سے
286	پانچوں مقدمات کو تفصیل سے دیکھئے
287	بد مذہبوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ الفاظ کو ظاہری معنی سے پھیر دیں

صفحہ	مضامین
287	حقیقت کو چھوڑ کر مجازی معنی لینے کے مواقع
289	اس تفصیل کے بعد واضح ہوا
290	دوسرے مقدمہ کی تفصیل دیکھئے
290	تفاسیر کی ہر بات کو قبول کرنا ضروری نہیں
290	علم تفسیر مشکل اور بہت کم ہے
291	صحابہ اور تابعین کے بعد کثیر اقوال سے حق اور ناحق مل جل جاتا ہے
292	بعض مفسرین کی غلطی کی دو وجہ سے ایک غلطی پائی جاتی ہے
293	ثعلبی، واحدی، زحسری کے متعلق
294	علامہ بغوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی تفسیر کے متعلق
294	چند راویوں کے ضعف کو مد نظر رکھا جائے
295	سدی دو ہیں: ایک صغیر، ایک کبیر
295	بعض تفاسیر میں ایسی باتیں درج ہو گئیں جن کو دیکھ کر روٹکے کھڑے ہوئے
296	صحابہ کرام کے اختلافات بیان کرنے والے جہلاء گمراہ اور گمراہ کرنے والے
296	علمائے اہل سنت نے فریقین کی غلطیوں پر مطلع کر دیا
296	حضرت داؤد <small>علیہ السلام</small> اور اوریہ کا واقعہ جو مفسرین نے لکھا
298	تفسیر جلالین میں علامہ محلی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
302	علامہ نسفی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے مدارک المتزیل میں لکھا
303	حضرت داؤد <small>علیہ السلام</small> کا واقعہ تین طرح بیان کیا گیا
303	پہلے قول والوں نے کہا
304	دوسرا قول یہ ہے

صفحہ	مضامین
304	رائح اور صحیح قول یہ ہے
305	حضرت سلیمان علیہ السلام اور کرسی پر پڑنے جسم کا واقعہ جو بعض مفسرین نے لکھا
306	علامہ جلال الدین محلی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> جلالین میں بیان کرتے ہیں
307	حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر پڑا جسم، حدیث پاک کی رو سے دیکھیں
308	ایک اور صحیح بات علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے بیان کی
309	تفسیر ابی السعود میں بھی تفسیر جلالین کی طرح ذکر کیا گیا
310	الغرائیق العلی کا واقعہ جو بعض مفسرین نے بیان کیا
311	تفسیر ابی السعود میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا
312	معالم التنزیل میں علامہ بغوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے بھی بیان کیا
313	ابن جریر طبری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے بھی یہی بیان کیا
314	علامہ بیضاوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے کچھ اچھا لکھا
314	علامہ رازی ونسفی رحمہما اللہ نے بہت خوب ذکر کیا، ان سے شیخ زاوہ نے بھی
314	قرآن وسنت اور عقل سے یہ قول باطل ہے
315	مذکورہ بالا قصہ سنت کے بھی خلاف ہے
316	شیطان کا القاء نبی کریم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> پر عقلاً بھی منع ہے
317	سب سے بڑی وجہ یہ ہے
317	علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی فیصلہ کن بات
320	آیہ کریمہ کا مطلب بہت واضح ہے
321	تیسرے مقدمہ کی وضاحت
321	احتمالات میں تردد اور چیز ہے، الفاظ میں ابہام اور چیز ہے



صفحہ	مضامین
323	مطالب ایک ہوں عبارات مختلف تو وہ اختلاف نہیں
323	لفظ عام کی کئی مثالیں پیش کرنا بھی حقیقی اختلاف نہیں
324	کم علم کبھی غیر اختلاف کو اختلاف بنا دیتا ہے
325	اگلی اور کچھلی آپ کے مطابق مقصد صحیح ہے تاویل میں اہل علم مختلف کریں صحیح ہے
326	چوتھے مقدمے کی تفصیل سے پہلے
326	تفسیر ابن کثیر کا بیان بہت مختصر، بہت خوب
328	ابن کثیر کے بیان سے ایک مشکل کا حل ہو گیا
328	قاضی ثناء اللہ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> منہوم مخالف کے تردد کا ازالہ فرماتے ہیں
329	منہوم مخالف والوں کی ناکام کوشش کو مان لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے
329	منہوم مخالف کو سمجھتے چلے جائیں
330	التفصیل علی الاشیاء کا نام
330	منہوم کی دو قسمیں ہیں: منہوم موافق، منہوم مخالف
331	منہوم مخالف والوں نے بھی شترے بے مہار کی طرح مطلقاً ذکر نہیں کیا
331	منہوم مخالف والوں کی مثال
332	منہوم مخالف سے کئی مقامات پر کفر لازم آتا ہے
333	انصار کے قول کا جواب
333	نور اللوار کی بحث سے ایک اور سرور دی ختم ہو گئی
333	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتح العزیز (تفسیر عزیزی) میں فرماتے ہیں
334	علامہ جلال الدین سیوطی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد
336	اشقی کے متعلق مفسرین کرام کے ارشادات

صفحہ	مضامین
338	علامہ بیضاوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے بیان کیا
339	علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
339	قاضی ابوبکر باقلانی کے اعتراضات اور ان کے جوابات
341	چوتھے اور پانچویں مقدمے کی تفصیل
342	ضمنی تفسیر مدارک کی بات کو مکمل کرتا چلا جاؤں
343	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اشقی بمعنی شقی لینے والوں کی وضاحت فرماتے ہیں
343	مؤمنین کے متعلق ان حضرات کا متعلق
344	اشقی کو شقی کے معنی میں لینے اور مؤمنین کو شقاوت سے نکالنے پر اعتراض
345	تمہید کے بعد اعتراض سمجھیں
345	ان کی طرف سے جواب
345	ابھی تک اعتراض کی ایک شق باقی ہے
345	تو اس کا جواب واحدی وغیرہ نے یہ دیا
346	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
346	علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے ایک اور توجیہ کی
347	پہلی وجہ قاضی ابوبکر باقلانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے بیان فرمائی
348	دوسری وجہ قاضی ابوبکر باقلانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے یہ بیان فرمائی
348	زحشری نے یہ وجہ بیان کی
349	سب سے پہلے ابو عبیدہ نے اشقی بمعنی شقی اور اتقی بمعنی اتقی لیا
340	حق اور راجح بات کو ماننا کمال ہے
350	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> علامہ رازی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے متعلق بیان فرماتے ہیں

صفحہ	مضامین
350	مفہوم مخالف کے قائلین بھی یہاں دلیل نہیں بنا سکتے
351	بعض مفسرین پر تعجب ہے
351	مقام توجہ!!
353	ابوعبیدہ کے متعلق اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد
353	بعض نے کہا: ابوعبیدہ خارجی ہونے سے متم ہے
354	ابوعبیدہ (تاسے) اور ابوعبیدہ (بغیر تاسے) دو شخص الگ الگ ہیں
354	ہلال کہتے ہیں: چار شخصوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے
355	ابوعبیدہ کی وفات
355	ہذلیہ کے بعض نسخوں میں غلطی واقع ہوئی
356	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
356	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کے تفصیلی بیان کا خلاصہ
358	ہاروت و ماروت کا واقعہ
360	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی اپنی زبان سے مفصل بحث کا نتیجہ سنئے
361	افسوس!! انصاف بہت کم رہ گیا
361	پہلے علمائے کرام ابوعبیدہ کے کلام کو زیادہ جانتے تھے
363	آئیے! پہلے تفسیلیوں کا اعتراض اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی زبان سے سنئے
363	تفسیلیہ نے یہ اعتراض کیا
363	اہل سنت و جماعت کی طرف سے جواب
364	جو ضرورت تفسیلیہ نے ذکر کی وہ مندرج ہے
364	فارسی زبان کا ترجمہ عربی میں کیا گیا

صفحہ	مضامین
365	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا تبصرہ
365	یہ تاویل عسی و رعل میں ایک تاویل کے مطابق ہے
367	آئیے! علامہ محلی کی تفسیر کو دیکھئے
367	علامہ نسفی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں
368	راقم اگر جھگڑا اور فساد ہی ہوتا
369	خدارا!! انصاف کیجئے
369	کیا اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا یہ ارشاد سمجھنے کے لئے کافی نہیں
369	عبداللہ بن عقیل نے دوسری مثال سے اپنے قول کو ضعیف قرار دیا
370	آئیے! تفسیر بیضاوی کو دیکھئے
371	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے دوسری مثال دی
372	دعویٰ کے مطابق نتیجہ نکالا
372	اسم تفصیل کے متعلق نحو کا قانون
373	معرف بلام کا مفضل علیہ مذکور نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟
374	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے اپنے موقف پر جامی کی عبارت بطور دلیل پیش کی
375	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی اس تحقیق سے واضح ہوا
376	مجدد الف ثانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد گرامی
377	حضرت علامہ علی قاری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد
378	علامہ جلال الدین سیوطی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد
379	منطقی دلیل و نتیجہ پر اعتراض
380	نیشاپوری کی عبارت کا دوسرا حصہ دیکھئے

صفحہ	مضامین
381	اعتراض کی دارو مدار صغریٰ اور کبریٰ کے صحیح نہ ہونے پر رکھی گئی
381	صغریٰ کے باطل ہونے پر دلیل قائم کی گئی
382	راقم کے نزدیک
384	کبریٰ کے فاسد ہونے والا اعتراض بنا نہیں.....
385	یہ اعتراض بہت ضعیف ہے جواب کے قابل نہیں
386	اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> نے اپنے زمانے کے تفصیلیوں کو جو جواب دیا
387	شارح حدیث کی وضاحت کرتے ہیں
387	شارح الجامع الصغیر کے آخری الفاظ دیکھئے
388	مذکورہ بالا حدیث سے اعلیٰ حضرت پرانے تفصیلیوں کو جواب دیتے ہیں
389	کیا خوب علماء و محدثین نے فرمایا
389	ذرا بتاؤ تو سہی!!
390	جو حدیث پیش کی گئی اسے بیہقی کی ایک اور حدیث سے تائید حاصل ہے
390	احادیث سے نتیجہ واضح ہے
390	نحو کا ضابطہ مطلق نہیں
391	آئیے اعلیٰ حضرت <small>رحمۃ اللہ علیہا</small> کے جوابات کی ابتداء کی طرف چلیں
392	دعویٰ نے کشاف میں بیان کیا
392	علامہ سبکی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> سوال جواب کی صورت میں یوں بیان فرماتے ہیں
396	تفصیلیوں کے سوال کا جواب ہاندا دنگرنا کا دھورے منطقیوں کا نارٹوٹے
396	کفار نے حضرت بلال <small>رضی اللہ عنہ</small> کی حقارت پر دلیل یوں پیش کی
397	کفار کی دلیل رد کرنے کے لئے ضروری ہے

صفحہ	مضامین
398	مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے
399	چوتھے طریقے سے جواب
401	ایک اور حدیث پاک سے استدلال
402	کشاف اور مدارک سے استدلال
402	جواب کا پانچواں طریقہ یوں بیان فرمایا
404	جواب کی چھٹی تقریر پر احادیث سے استدلال
407	دوسری احادیث سے ہمارا موقف واضح طور پر سمجھ آ رہا ہے
409	تفصیلوں کے منطقی اعتراض مذکور کا جواب رخ بدل کر
413	شیخ عبدالحق محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے اپنی کتاب تکمیل الایمان میں فرمایا
413	فضل صحابہ اربعہ یکدیگر بدو مقام
413	و الخلفاء الاربعہ افضل الاصحاب
414	ترتیب فضیلت و افضلیت کی مراد کا بیان
414	یہاں دو مسائل پر گفتگو کرتے ہیں
414	مندرجہ بالا مسئلہ پر اجماع ہے اور وہ یقینی ہے
415	بعض صحابہ کرام کا تاخیر بیعت سے اجماع میں کوئی فرق لازم نہیں آتا
416	بیعت کرنے کی مدت تاخیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا مختار
417	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> حضرت ابو بکر <small>رضی اللہ عنہ</small> کے مطیع رہے اور غزوہ میں شریک ہوئے
418	عقلمند تو یہی کہتا ہے کہ مرد حق نے خلیفہ حق کی پیچھے نماز ادا کی
419	شیعہ حضرات کا حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کو ڈر پوک سمجھنا
420	تقیہ ڈر پوک کرتے ہیں، بہادر نہیں

صفحہ	مضامین
423	انبیائے کرام نے ظالموں کے ساتھ لکری لیکن تقیہ نہ کیا
425	رافضیوں کی عقل تو سلیمان علیہ السلام کی چوٹی سے بھی کم ہے
426	خلافت صدیق پر عمل علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے
427	آخر کار وہی حکایت سچی آئے گی جو مشہور ہے
427	صحابہ کرام کی تنقیص درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے
428	مقام افسوس یا مقام تعجب
429	تکمیل الایمان میں زید یہ فرقہ کو شیعہ کہا گیا
429	آئیے! شیعہ کے سب سے معتدل فرقہ زید یہ کے ظالمانہ قول کو دیکھئے
430	شیخ عبدالحق محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کو خلفائے راشدین کے متعلق عقیدہ
430	زید یہ فرقہ کو شیخ کا الزامی جواب اور خلافت عامہ کا ذکر
431	حضرت ابو بکر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی خلافت نص سے ثابت ہے یا اجماع سے
432	بعض حضرات نے خلافت کی ایک اور وجہ بیان کی
434	صحبت خلافت صدیق پر صحبت خلافت عمر کا موقوف ہونا
435	حضرت عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small> کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہے
436	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی خلافت میں بھی اہل حل و عقد (مجتہدین) کا اجماع ہے
436	کاش لوگوں کو کافی اور خروج کا معنی سمجھا جاتا تو گمراہ نہ ہوتے
437	شیخ عبدالحق محدث دہلوی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا افضلیت کے متعلق عقیدہ
437	کچھ زیادہ وضاحت اور لیل و قال کا بیان
438	رجحان یعنی فوقیت کی دو قسمیں ہیں: جزئی اور کلی
438	اختلاف علماء کا افضلیت وجہ خاص اور صفت خاص میں ہے

صفحہ	مضامین
440	مکہ شریف میں آپ نے اپنے زور سے..... تبلیغ دین کو جاری کیا
440	جب اصل مقصد (عقیدہ) بیان کر دیا تو اب علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں
441	امام مالک <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> اور کچھ حضرات نے توقف کیا
441	امام الحرمین نے بھی ان دو میں توقف کیا
441	اہل کوفہ اور ابن ابی خزیمہ نے حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کو عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small> پر فضیلت دی
442	امام محی الدین نووی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں
442	امام قسطلانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> فرماتے ہیں: سفیان ثوری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے رجوع کر لیا تھا
443	افضلیت شیخین <small>رحمۃ اللہ علیہما</small> میں کسی اور تابعی نے اختلاف نہیں کیا
444	چار سو سال کے بعد علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں
444	ابن عبدالبر کی روایت پر سہارا لگایا جائے افسوس شیخ اسے بھی گراتے ہیں
445	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی افضلیت کی مطلب تاج الدین سبکی بیان فرماتے ہیں
445	حضرت فاطمہ الزہراء <small>رضی اللہ عنہا</small> اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم کی وجہ افضلیت
446	یہاں تک عبارت نقل کر کے لوگوں کو گمراہ نہ کریں، اگلی عبارت بھی دیکھیں
446	آئیے! مذکورہ بالا عبارات شیخ کی زبانی سنئے
447	علامہ خطابی کی روایت پر سردھننے کے بجائے شیخ <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> سے مطلب پوچھیں
449	ترتیب افضلیت قطعی ہے اور ترتیب خلافت میں اختلاف ہے قطعی یا ظنی
449	امام الحرمین نے بھی مطلقاً خلافت کی بات کی
452	جو سلف سے پڑھا، علمائے کاملین سے پھر، ناقصین اس سے چمٹے رہے
453	قاضی عضد الدین کا اظہارِ عجز اور سلف پر اعتماد
454	لیکن ہم نے مشائخ کو اسی پر پایا



صفحہ	مضامین
455	آمدی کے قاضی کے قول کی وضاحت تو کی لیکن اپنے پاروں.....
459	صاحب نیر اس کی وضاحت
459	علامہ تفتازانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> نے تین چیزوں کو بیان کیا
461	دلائل ظنیہ سے ثابت ہونے والے اعتقادی مسائل
461	دلائل ظنیہ اعتقاد میں کہاں تک معتبر ہیں
461	دلائل ظنیہ جب اعتقادی مسائل کا فائدہ دیں تو ان کو تسلیم کرنا جائز ہے
463	علامہ تفتازانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کی دوسری عبارت جس پر نیر اس میں بحث کی گئی
463	امام مالک <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا توقف و رجوع
464	حق یہی ہے حضرت عثمان <small>رضی اللہ عنہ</small> حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> سے افضل ہیں
465	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی مناقب کا اعتراف رکن ایمان ہے
466	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کے لقب "کرم اللہ وجہہ" کا سبب
466	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> نے نبی کریم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے اعلان نبوت کے ساتھ ایمان قبول کیا
467	حضرت ابو بکر اور حضرت علی <small>رضی اللہ عنہما</small> نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا
469	ضروری یا درکئے کے قابل
470	رافضیوں اور تفسیلیوں کے اعتراض مندرج ہو گئے
471	دونوں حضرات قدیم الاسلام مگر صدیق اکبر <small>رضی اللہ عنہ</small> کا پایا رفق و بلند ہے
471	اسلام توحیدی و اسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایا رفق و بلند ہے
472	اسلام اخص میں یوں
474	حضرت عمر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی فضیلت اس پر دلالت کر رہی ہے تقدیم اسلام دلیل نہیں
475	احادیث مبارکہ سے کلام کا اختتام کیا جا رہا ہے

## عَرَضِ نَاشِر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا رِغَارِ مِزَارِ حَسْرِ رَسُوْلِ، خَلِیْفَہِ بِلَا فَصْلِ بِالتَّحْقِیْقِ، اَمِیْرِ الْمَوْمِنِیْنَ جَنَابِ سَیْدِنَا  
ابُو بَکْرٍ صَدِیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی افضلیت اہل سنت و جماعت کے نزدیک اجماعی، اتفاقی اور قطعی  
ہے۔ اس پر قرآن پاک کی بعض آیات، احادیث مبارکہ اور اجماع صحابہ کرام اور  
تابعین شاہد ہیں۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، شاہ  
امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ شریف میں دلائل قاہرہ سے  
ثابت فرمایا ہے جن کے مطالعے کے بعد منصف مزاج شخص بلا اختیار پکار اٹھتا ہے کہ:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

جس سمت آگئے ہو سکے بیٹھا دیئے ہیں

تاجدارِ فکر و فن، شہنشاہِ سخن، استادِ زمن برادرِ اعلیٰ حضرت مولانا حسن رضا خان

رحمۃ اللہ علیہ افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یوں فرماتے ہیں:

رسل اور انبیاء کے بعد جو افضل ہو عالم سے

یہ عالم میں ہے کس کا مرتبہ، صدیق اکبر کا

مگر ”زبدۃ التحقیق“ نامی کتاب میں اقوالِ مرجوحہ کو دلیل بنایا گیا ہے یا ان

اقوال کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا جن کا رد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے کر چکے تھے۔

چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقاتِ مطلع القمرین کے علاوہ فتاویٰ رضویہ شریف کے

جا بجا مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں اسلئے جواہر التحقیق میں ان کا یکجا کیا گیا ہے۔

تردید لکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ مخالفین کے دجل و فریب و مکر کشائی کے

وقت کیسے کیسے نشیب و فراز آتے ہیں۔ کبھی قلم بے قابو ہو جاتا ہے تو کبھی جذبات زورِ قلم پر حاوی ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں تہذیب و اخلاق کا دامن نہ چھوڑنا بھی استاذِ المکرم کا خاصہ ہے۔ ہاں! کبھی قلم جوش کھاتی ہے تو ”جلتے پتھر“ اور ”رسمی گرج“ کی طرح سب دشم و کذب و افتراء کا پلندہ فقط ذاتیات نہیں بلکہ مقصودِ فتن کی بیخ کنی ہوتی ہے۔ لہذا کتاب میں ایسے الفاظ کے استعمال کے اجتناب سے حتی المقدور کوشش کی گئی ہے تاہم اگر کہیں شامل ہو گئے ہوں تو معذور سمجھیں۔

یاد رہے کہ جواہر التحقیق، زبدۃ التحقیق کی تردید نہیں بلکہ تمسیم و تکمیل ہے کیونکہ اُس میں زیرِ بحث شق واحد تھی مگر جواہر التحقیق میں دونوں شقوں پر بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن حضرات نے تعاون کیا ان کا ذکر نہ کرنا احسان فراموشی ہوگی۔ محمد مقرب ہستی صاحب نے کتاب کی کمپوزنگ کی، مولانا حافظ طارق حسین صاحب، مولانا عطاء المصطفیٰ صاحب، مولانا نثار احمد صاحب مدرسین جامعہ جمالیہ مہر العلوم نے کتاب کی پروف ریڈنگ فرمائی اور عدیم الفرستی کے باوجود اپنا قیمتی وقت دے کر نظر ثانی قبلہ استاذِ المکرم نے خود فرمائی۔ مولانا ظہیر فرید صاحب نے اور مولانا سردار عرفان سجاد صاحب نے بھی ورق گردانی میں تعاون فرمایا۔

استاذِ المکرم نے یہ کتاب 25 جولائی 2011 کو تحریر فرمادی تھی مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے طباعت کے مراحل طے نہ کر سکی، اسکے علاوہ ہدایہ شریف کے چار جلدیں بھی مکمل ہو چکی ہیں جس کو انشاء اللہ اس سال پیش کیا جائے گا۔ ساتھ ہی تفسیر نجوم الفرقان بھی تحریر فرما رہے ہیں پندرہواں پارہ قریب الاختتام ہے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ استاذِ المکرم کی صحت و عافیت کیلئے دعاء فرمائیں تاکہ تفسیر نجوم الفرقان کی تکمیل ہو سکے۔

حافظ محمد اسحاق ہزاروی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### ﴿ نگاہِ اولین ﴾

سورۃ توبہ کی آیت ۴۰ کی توضیحات و تشریحات لکھنے لگا تو خیال آیا کہ ایک دوست نے آٹھ ماہ پہلے ایک کتاب ”زبدۃ التحقیق“ میرے ممدوح سابق شاہ عبدالقادر صاحب (ٹیچ بھائے راولپنڈی) کی تصنیف دی تھی، اس کا کچھ مطالعہ کر لیا جائے۔ تو جب اس میں ایک عنوان یہ دیکھا ”اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نکتہ نگاہ“ (زبدۃ التحقیق ص ۳۰۰) تو یہ سمجھا شاید اس کتاب میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات کو شامل کیا گیا ہے اور اس کے مصنف شاید اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مداح ہیں۔

پھر جب کتاب کے ص ۲۰ میں یہ عبارت دیکھی:

”دور حاضر میں نظریاتی دہشت گردوں نے لفظ سنیت کو ایک دھمکی بنا لیا ہوا ہے اور خوف و ہراس پھیلانے کا ذریعہ تراش لیا ہے اور فضل کلی اور فضلی جزئی، افضلیت مطلقہ کی اصطلاحیں وضع کر لی ہیں اور طریقہ واردات یہ ہے کہ پہلے کوئی نظریہ یا عقیدہ قائم کر لیا جاتا ہے اور وہ عقیدہ کسی شخص کی شخص اختراع ہوتا ہے یا علاقائی یا جماعتی سوچ ہوتی ہے جس کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سنیت کا معیار تو وہ ہوگا جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات، آپ کے اہل بیت اطہار و صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اندر پایا گیا۔ یہ افضلیت مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض متاخرین ہند کی اختراعات ہیں، ان کا سنیت سے

دور کا بھی واسطہ نہیں۔

خط کشیدہ الفاظ کو پڑھتے ہی سمجھا کہ یہ تیر تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر چلایا گیا ہے، جس شخص پر سنی کا دار و مدار ہے اسے ہی سنی سے خارج کیا جا رہا ہے۔ دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم تصنیف ”فتاویٰ رضویہ“ کا مطالعہ کیا جائے۔ اسی سے ”مطلع القمرین“ کو دیکھنے کی راہ نمائی ملی تو عقدہ حل ہو گیا کہ افضلیت مطلقہ، فضیلت کلی اور فضیلت جزئی کی اصطلاحیں تو آپ کی تصنیفات میں موجود ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں آپ نے ”فتاویٰ رضویہ“ کے مختلف مقامات پر جو تحریر فرمایا اور آپ نے اپنی کتاب ”مطلع القمرین“ میں جو تحریر فرمایا ”زبدۃ التحقیق“ اس کا مکمل رد ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ صاحب کی تحقیق کا اجمالی تقابلی جائزہ:

① اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ذکر کیا، اور یہ باقاعدہ حوالہ جات سے ثابت کیا کہ صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ میں ہی اسی پر اجماع ہو چکا اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے۔..... ”زبدۃ التحقیق“ میں آپ کے اجماع کے قول کا رد کیا گیا اور آپ کی قطعیت کے قول کو بھی رد کیا گیا۔

② اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اس زمانے کے تفضیلیوں نے جو اعتراض کئے تھے، وہی..... ”زبدۃ التحقیق“ میں پھر دہرائے گئے۔

③ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جن عبارات کا رد کیا تھا ان کو ہی..... ”زبدۃ التحقیق“ میں دلیل بنایا گیا۔

④ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: کہ صحابہ کرام کے زمانے کے اجماع

کو بعد والے اقوال مرجوحہ رد نہیں کر سکتے..... ”زبدۃ التحقیق“ میں چار سو سال بعد کے یا اقوال مرجوحہ کو شامل کیا گیا یا تفضیلی شیعہ کے اقوال کا سہارا لگایا گیا۔

۵ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بعض تفاسیر میں مفسرین سے بھول واقع ہوئی، ان اقوال کو دلیل بنانا درست نہیں..... ”زبدۃ التحقیق“ میں ان تفاسیر سے اقوال نقل کر کے اوراق سیاہ کر دیئے گئے۔

۶ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اتقان کی عبارت جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع اور قطعیت کو بیان کیا گیا..... ”زبدۃ التحقیق“ میں علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت اعتبار کرتے ہوئے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا رد کیا گیا جب کہ علامہ محلی سے کئی مقام پر عجیب بھول واقع ہوئی، جس سے عصمت انبیاء پر زد آتی ہے۔

۷ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کئی احادیث سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کی..... ”زبدۃ التحقیق“ میں بیان کیا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت صرف ایک حدیث سے ثابت ہے وہ بھی غیر مرفوع۔

۸ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری و ترمذی سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں پیش کی تو..... ”زبدۃ التحقیق“ ص ۲۳۱ میں افضلیت صدیق سے پریشان ہو کر اس حدیث پاک سے یوں انکار کیا گیا ”جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، اس لئے ان کا شمار فقہاء صحابہ میں نہیں ہوتا تھا۔“

۹ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی تو اس کا رد..... ”زبدۃ التحقیق“ ص ۱۰۹ پر یوں

کیا گیا: چونکہ تنخین میں دوستانہ ہے، لہذا اس طرح کے الفاظ دوستی پر مبنی ہو سکتے ہیں۔

⑩ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حزم کو غیر معتبر قرار دیا۔ کشف الظنون میں علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا گیا کہ وہ فسادی شخص تھا، اس کی کتاب ”المسلل والنحل“ فتنہ فساد پھیلانے والی ہے مگر..... ”زبدۃ التحقیق“ میں اسی عبارت کو اپنے موقف پر دلیل بنایا گیا۔

میں نے یہ خیال کیا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان تحقیقات کو فتاویٰ رضویہ کی مختلف جلدوں میں پھیلے ہوئے اور مطلع القمرین سے مضمون کو جمع کر لیا جائے۔ اس خیال کو میں نے عملی صورت میں محنت کر کے پیش کر دیا۔

اصل میں یہ مضمون سورت توبہ کی آیت ۴۰ کا ہے۔ ساتھ ہی سورۃ انفال کی آیت ۳۰ کو بھی شروع میں شامل کیا جا رہا ہے تاکہ واقعہ ہجرت کو کچھ سمجھنا آسان ہو جائے۔

علیحدہ کتابی شکل میں پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آج کل اتنی مصروفیت میں ہر شخص جلاء ہے کہ کتب کی ورق گردانی بہت مشکل کام ہو گیا ہے۔ تو خیال یہی ہوا کہ ایک جگہ مضمون طلباء کرام اور مقررین کو مل سکے تاکہ وہ ”جواہر التحقیق“ اور ”زبدۃ التحقیق“ کا مطالعہ کر کے ایک راہ کا تعین کر لیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک صحیح ہے یا شاہ عبدالقادر صاحب کا۔ ہر انسان مختار ہے جس راہ پر چلنا چاہے اس کی مرضی کی بات ہے۔

میں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو ہی ترجیح دی ہے اسی لئے آپ کی تحقیقات کو ایک جگہ جمع کر لیا ہے۔ جواہر التحقیق، زبدۃ التحقیق کا رد نہیں بلکہ مجموعہ ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کا۔

دوسری وجہ مضامین کو جمع کرنے کی یہ تھی کہ چند عبارات جو زبدۃ التحقیق کی ہیں وہ صحیح نشانہ پر بیٹھیں، بغیر شکار کے متعین ہونے کے تیر چلانا بے فائدہ تھا، کیونکہ جو کام زبدۃ التحقیق میں ادھر وارہ گیا تھا میں نے اس مکمل کیا ہے۔

زبدۃ التحقیق میں نشانہ دو ہی شخصیات کو بنایا گیا ہے: ایک اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اور دوسرے اہل سنت کے عظیم امام علامہ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کو، جن کی وفات ۳۲۳ھ یا کچھ بعد میں ہوئی۔ علامہ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے قبعین ہیں: ابوالحسن باہلی، ابو بکر باقلانی، امام الحرمین اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ۔

علامہ اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی بالا جماع ثابت کی جب کہ زبدۃ التحقیق ص ۲۴ میں یوں رو کیا گیا:

”اوائل اسلام میں دسویں ہجری کے آخری نصف تک تو یہ مسئلہ اجماعی نہیں تھا بلکہ اجتہادی تھا۔ اب کہیں راتوں رات کی تنہائیوں میں یہ مسئلہ اجماعی ہو گیا۔ اجماع کے باب میں قرون اولیٰ کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اسے متاخرین ہند کی کرامات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔“

لیکن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرون اولیٰ سے اجماع ثابت کیا، خود گھڑا نہیں۔ البتہ آپ کی اور آپ کے قبعین کی کرامت ہے کہ تفصیلیوں کی سر توڑ کوشش کے باوجود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع قائم و دائم ہے۔

پندرہویں صدی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اجماع و قطعیت کا یوں انکار کیا جا رہا ہے:

”افضلیت ابو بکر رضی اللہ عنہ مذہب جمہور ہے جو کوئی قانون ساز ادارہ نہیں، لہذا اس پر کسی بھی قطعیت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ (زبدۃ



التحقیق ص ۲۲)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہا کی تصنیفات کو دیکھنے سے کوئی منصف شخص یہ ماننے سے انکار نہیں کر سکتا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں  
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہا کی تصنیفات کی موزونیت اور معنوی عظمت کو دیکھ  
کر چاہیے تو یہ تھا کہ دوسرے حضرات انصاف و دیانت سے کام لیتے ہوئے ان سے  
رہنمائی لیتے اور آپ کی ذات سراپا کمال کی علمی فوقیت و برتری کا اعتراف کرتے مگر برا  
ہو حسد اور تعصب کا وہ کمال و حسن کو بھی نقصان اور قبح بنا دکھاتا ہے اور برا ہو ضد و عناد کا  
وہ حق کو بھی تسلیم نہیں کرنے دیتا۔

مجھے تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہا کی تصنیفات کے متعدد مقامات دیکھنے سے ان کے  
مقابلہ کرنے والوں کی تحقیق کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک طرف ماہر اور تجربہ  
کار شخصیت کی تحریر ہے اور دوسری طرف طلباء کرام کا مشقی انداز تحریر ہے۔ یہ حقیقت ہے  
صرف میرا حسن ظن نہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہا کی چند تحریرات کو جمع کرنے کا مقصد بھی یہ ہے زبدا  
التحقیق ص ۲۰ پر یہ عبارت دیکھ کر:

”جب کوئی حجت شرعیہ ان کے لئے نہیں مل پاتی تو لٹھ لے کر دلائل  
شرعیہ کو توڑتے پھوڑتے ہیں۔ بڑی سر پھٹول کے بعد دلائل کا چہرہ  
مسخ کر لیتے ہیں تو اپنے مقصد پر چسپاں کرتے ہیں جس کے نتیجے  
میں عامۃ المسلمین میں اپنا اعتماد ہی ضائع کر دیتے ہیں۔ اگر لٹش  
فریاد کی زبان رکھتا تو ان کی ستم کوشیوں کے جواب میں سڑکوں  
پر ماتمی جلوس ہوتے۔“

کوئی ان کے ماتمی جلوس پر پتھراؤ شروع نہ کر دے بلکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے اپنا دل مطمئن رکھے۔

① اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصل افضلیت کی دار و مدار ثواب پر ہے نسب پر نہیں۔..... زبدۃ التحقیق ص ۳۵ میں ہے:

دور حاضر میں جو سنی حنفی کہلانے والے کہتے ہیں: نسب کوئی چیز نہیں۔ میں نہایت ادب سے سوال کروں گا یہ عقیدہ تو خارجیوں کا ہے آپ کے ہاتھ کیسے لگا؟

② اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے افضلیت صدیق اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی اور بالا جماع ثابت کیا لیکن..... زبدۃ التحقیق کے ص ۱۸۰ میں ہے:

”مسئلہ افضلیت ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا نہ ہی کوئی قطعی ثبوت ہے اور نہ ہی بحث و تمحیص میں پڑنے کی حاجت ہے۔“

جنگ وجدال کتنا:

کوئی کہہ رہا ہے:

بغضِ علی رضی اللہ عنہ سے باز آ! اے وقت کے یزید

حبِ علی رضی اللہ عنہ کو دخل ہے تیری نجات میں

اور کوئی یوں کہہ رہا ہے:

بغضِ ابی بکر رضی اللہ عنہ سے باز آ! اے وقت کے ابو جہل

حبِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کو دخل ہے تیری نجات میں

میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ ایک ایک شق کو لے کر فتنہ و فساد پھیلانے، اہل سنت

و جماعت کو لڑانے کی کوشش ہے۔ اگر انصاف اور اتفاق کی بات کرنی ہی ہے تو یوں

کریں:

بغض صحابہ و اہل بیت سے باز آئے وقت کے فرعون  
 ان دونوں کی محبت میں حاصل ہونی تجھے نجات ہے  
 کسی ایک سے بغض رکھنا دراصل راہِ جہنم ہے  
 مان یا نہ مان یہی قرآن و حدیث کی بات ہے  
 زید یہ فرقہ کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ  
 کا معتدل فرقہ قرار دیا ہے، جبکہ..... زبدۃ التحقیق میں اسے سنی بنانے  
 پر پوری طاقت لگادی گئی ہے۔

⑬

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ ثابت کی  
 جبکہ..... زبدۃ التحقیق ص ۲۳۲ میں ہے:  
 ”اب افضلیت مطلقہ کے مدعی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے  
 گا جس نے افضلیت کے ساتھ مطلقہ کی قید بڑھائی جو کہ ہمارے  
 اسلاف کے ریکارڈ میں نہیں ملتی۔“

⑭

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بعض آیات قرآنیہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی  
 افضلیت ثابت کی، زبدۃ التحقیق کے ص ۳۶۸، ۳۶۹ میں ذکر ہے:  
 ”اس میں یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ ان آیات میں حضرت  
 ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یہ حکم وصف پر مرتب  
 ہونے کی وجہ سے ہر صاحب وصف کے لئے عام ہے۔ جب بھی  
 کسی میں یہ وصف پایا جائے گا اس کو اسی طرح کا اجر ملے گا۔“

⑮

”وسیحنبہا الاتقی“ پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت تفصیلی گفتگو فرمائی۔  
 حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ کرام سے افضل ثابت کیا اور فرمایا  
 اس میں اجماع ہے۔ جبکہ زبدۃ التحقیق کے ص ۳۷۰، ۳۷۱ میں تحریر کیا گیا:

⑯

”جس جس نے شانِ نزول کا سبب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

بتایا، ان میں سے ہر ایک نے ”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ بتایا ہے۔ اس

کی وجہ کیا ہے کہ سبب نزول برائے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع

تسلیم ہو گیا ہے مگر ”الاتقی“ بمعنی ”تقی“ پر اجماع تسلیم نہ ہوا؟ یہ

تو سراسر آنکھوں پر پٹی باندھنے والی بات ہے۔“

اس آیت کے متعلق زبدۃ التحقیق ص ۳۸۲ میں یہ لکھا ہے:

”اس آیت سے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو گئی

نہ کہ افضلیت۔ افضلیت اس وقت ثابت ہوتی جب ان میں یہ

وصف کمال پایا جاتا اور کسی دوسرے میں نہ پایا جاتا مگر جب

دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہیں تو پھر یہ فضیلت ہی کہلائے

گی، افضلیت نہیں کہلائے گی۔“

اس قسم کی عبارات کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس مسئلہ میں تحقیقات

کو آسان لفظوں میں پیش کیا گیا ہے تاکہ طلباء اور عوام بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ نحوی اور منطقی

مسائل یقیناً طلباء کرام کے لئے ہیں عوام کے لئے نہیں۔

میرا کام جنگ وجدال نہیں:

مجادلہ کے اشتہار چھاپنے نہیں، اہل سنت میں افتراق پیدا کرنا نہیں، بلکہ

اعتدال کی راہ پر چلتے ہوئے اتفاق پیدا کرنا کہ ہو سکتا ہے کسی کا ضمیر جاگ اٹھے وہ

معروف و منکر میں فرق کر سکے۔

ہو سکتا ہے کہ سورۃ یٰسین کی آیت ”انک علی صراط مستقیم“ کا سنہری تمغہ کسی کے

سینے پر سجا رہے، جنگ وجدال میں ضائع نہ ہو جائے۔ چمنستان حسین کا پھول کہیں

فلاقت کے ڈھیر میں بدبودار نہ ہو جائے۔ سادات کا طرہ امتیاز کہیں لڑائیوں میں ٹیڑھا

نہ ہو جائے بلکہ سیدھا لہراتا رہے۔

ہوسکتا ہے غلیظ تقاریر کے سننے سے کچھ لوگ بچ جائیں، مقصد کسی کے گلے

پر چھری چلانا نہیں بلکہ اصلاح ہے۔

مسئلے میں اتنا اختلاف نہیں، جتنا جنگ وجدال ہے:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ظنی کی دو قسمیں بنائی ہیں اور قطعی کی بھی دو قسمیں

قطعی بمعنی طمانیت لیا ہے جس کا منکر کافر ہے، مبتدع نہیں۔ اس قسم کے مطالب اعلیٰ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کے آپ کے سامنے آئیں گے۔

عبدالرزاق محتر الوی، حطاروی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا لِیُضِلُّوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ (سورۃ الانفال ۹: ۱۸)

﴿۱﴾ اور اے محبوب یاد کرو! جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں

بند کر لیں یا شہید کر دیں یا نکال دیں اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی

خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔ (کنز الایمان)

﴿۲﴾ اور آپ یاد فرمائیں جب مکر کر رہے تھے آپ کے ساتھ کافر کہ تمہیں

بند کر لیں، یا شہید کر دیں تمہیں، یا نکال دیں تمہیں اور وہ (اپنا) مکر کر

رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ کی خفیہ تدبیر ہی

سب سے بہتر ہے۔ (نجوم الفرقان)

یہ سورت مدنی ہے، کفار کا یہ مکر مکہ مکرمہ میں تھا۔ رب تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ

کو اس واقعہ کی یاد دلوائی۔ نبی کریم ﷺ کے پاس جب انصار نے مکہ مکرمہ میں آ کر پہلے

سال چھ حضرات نے، دوسرے سال بارہ حضرات نے اسلام قبول کیا تو قریش کو بہت

پریشانی لاحق ہوئی کہ اسلام اگر اس طرح تیزی سے پھیلتا رہا تو ہمارے لئے بڑی

مشکلات پیدا ہوں گی۔ وہ لوگ ”دار الندوة“ (میٹنگ روم) میں جمع ہو گئے۔

جمع ہونے والے قریش کے بڑے لوگ تھے۔ عقبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ

، ابو جہل بن ہشام، ابوسفیان، طعیمہ بن عدی، شیبہ بن ربیعہ، نضر بن حارث، ابوالنضر

بن ہشام، زمعہ بن الاسود، حکیم بن حزام، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور امیہ بن خلف

۔ تو ان کے پاس شیطان لعین بھی ایک بزرگ کی شکل میں آ گیا۔ جب انہوں نے اسے

دیکھا تو اس سے پوچھا: تو کون ہے؟

”قال نشہ من نجد سمعت باجماعکم فاردت ان احضرکم ولن تعدوا من رأیہا ونصحا“  
 اس نے کہا: میں شیخ نجدی ہوں۔ میں نے تمہارے اجتماع اور میٹنگ کے بارے میں سنا تو میں تمہارے پاس آ گیا ہوں تاکہ تم میری نصیحت اور میرے رائے سے محروم نہ رہو۔

انہوں نے کہا: ٹھیک ہے، تم اندر آ جاؤ۔

سب سے پہلے ابوالہتری نے رائے پیش کی۔ اس نے کہا: میرے رائے یہ ہے کہ تم محمد (ﷺ) کو پکڑ کر ایک گھر میں بند کر دو، مضبوطی سے باندھ دو، دروازے بند کر دو، روشن دان سے اندر کھانے پینے کی چیزیں ڈال دیا کرو، اس طرح وہ خود بخود ہلاک ہو جائیں گے۔ ”فصرح عدو اللہ الشیخ النجدی وقال بشس الرأی رأیتہم“ ابوالہتری کی رائے سن کر اللہ کا دشمن شیخ نجدی (ابلیس) چلا کر بولا: یہ رائے تمہاری بہت بری ہے۔ اسلئے کہ جب یہ خبر محمد (ﷺ) کے خاندان والوں کو ملے گی تو ہو سکتا ہے وہ تمہیں قید کر لیں، یا تمہارے ساتھ جگ کر کے اسے چھڑالیں۔ ”قالوا صدق الشیخ النجدی“ سب نے کہا: شیخ نجدی نے ٹھیک کہا ہے۔

اس کے بعد بنی یامر بن لوی قبیلہ کے عامر بن ہشام نے اپنے رائے پیش کی کہ میری رائے یہ ہے کہ محمد کو پکڑ کر ایک اونٹ پر سوار کر کے شہر سے باہر نکال دو۔ جب وہ تم میں موجود نہیں ہوں گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے جو چاہیں کرتے رہیں۔ جہاں چاہیں رہیں، تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جب وہ تم سے غائب ہوں گے تو تمہیں راحت حاصل ہو جائے گی۔

”فقال ابلیس لعنہ اللہ ما ہذا لک برأی تعمدون علیہ“ یہ کیا رائے ہے؟ جس پر تم اعتماد کر رہے ہو۔ کیا تم اس شخص پر اعتماد کرتے ہو جس نے تمہاری عقلوں

کو گم کر دیا ہے۔ اگر تم اس کو اپنے شہر سے باہر نکال دو گے تو وہ دوسرے لوگوں میں فساد پھیلانے گا۔

”الم تر والی حلاوة منطبه و حلاوة لسانه و اخذ القلوب بما تسمع من حدیثه“  
 ”کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس شخص کی کتھی میٹھی کلام ہے اور کتھی میٹھی زبان ہے اور کس طرح اس کی طرف دل میلان کر جاتے ہیں، جو بھی اس کی بات کو سنتے ہیں۔“

اگر تم اس کو اپنے شہر سے نکال دو گے تو وہ دوسری جگہ جا کر لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف اپنے میٹھے کلام سے کھینچ لے گا ”قالوا صدق الشیخ النجدی“ سب کہنے لگے: شیخ نجدی نے سچ کہا ہے۔

ابو جہل بن ہشام نے کہا: میں تمہیں اپنی رائے سے ایک مشورہ دیتا ہوں، اس رائے کے بغیر میں کوئی اور رائے بہتر نہیں دیکھ رہا۔ وہ یہ ہے: تم قریش کے ہر قبیلے سے بہادر جوان جمع کرو، سب کو تلواریں دے دو۔ وہ اس کے گھر کا محاصرہ کریں، سب مل کر ایک ہی مرتبہ حملہ کر کے اس شخص کو ہلاک کر دیں۔ اس طرح خون مختلف قبائل میں بکھر جائے گا۔ بنو ہاشم تمام قبائل سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے، زیادہ سے زیادہ دیت دینی لازم آئے گی، وہ سب قریش مل کر ادا کر دیں گے، اس میں کوئی مشکل درپوش نہیں آئے گی۔

”فقال ابلمس صدق هذا الفتی وهو اجود رأیا القول ما قال لا اری رأیا غیره“  
 ”شیطان نے کہا: اس جوان نے سچ کہا ہے، اس کا مشورہ بہت عمدہ ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس نے جو کہا کہ اس کی رائے سے بہتر کوئی رائے نہیں۔“

”ففتروا علی قول ابی جہل وہ مجعون“  
 ”سب نے ابو جہل کے مشورہ پر اتفاق کیا،“



اسی کے مشورہ کو شیخ نجدی اہلبیس کی  
تائید حاصل تھی۔ اسی پر اتفاق کرتے ہوئے  
ان کی مجلس برخواست ہو گئی۔ اٹھ کر گھروں  
کو چلے گئے۔

قریش نے ہر قبیلے سے بہادر جوان جمع کر لئے کہ آج رات تم نے اپنی اپنی  
تکواریں لے کر محمد کے گھر کا محاصرہ کر کے ان کو ہلاک کر دینا ہے۔

”فاتی جہیل النبی ﷺ و أخبرہ بذلك  
و أمرہ ان لا یبیت فی مضجعہ الذی کان  
یبیت فیہ فاذن اللہ لہ عند ذلک بالخروج  
الی المدینة

”تو جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس  
آئے، ان کو کفار کے نوجوانوں کے تلواریں لے  
کر آپ کے گھر کا محاصرہ کی خبر دی اور رب  
تعالیٰ کا حکم پہنچایا کہ اب آپ اپنی چار پائی  
پر نہ لیٹیں جس پر آپ پہلے رات کو سوتے تھے  
، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجازت دے دی  
کہ آپ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں

”تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی  
طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم میری چار پائی  
پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ بے شک کفار  
تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے۔

فامر رسول اللہ ﷺ علی ابن ابی طالب  
ان ینام فی مضجعہ وقال لہ انکم بہر دی  
ہذہ فانہ لن یخلصک الیک منهم امر  
تکرہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ میں چھوڑنے کی وجہ یہ تھی:

”نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ  
میں اسلئے چھوڑا تھا کہ تم وہ امانتیں لوگوں  
کو واپس دے کر آنا جو میرے پاس لوگوں  
نے رکھی ہوئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے بیچ

”و خلف علیا بمکہ حتی یؤدی عنہ  
الودائع العی کانت عنده و کانت الودائع  
تودع عنده لصدقہ و امانتہ

بولنے اور آپ کے امین ہونے کی وجہ سے لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھتے تھے۔

تنبیہ:

کفار کی مخالفت اسلام سے اور نبی کریم ﷺ سے تھی۔ ان کی مخالفت نہ ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے تھی اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم کی چار پائی پر لیٹنا اتنا زیادہ خطرناک نہ تھا جتنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ کے ساتھ ہجرت کے وقت چلنا تھا۔

رب تعالیٰ کے حکم سے نبی کریم ﷺ کس شان سے نکلے؟

قریش کے نوجوان تلواریں لے کر آپ کے گھر کے ارد گرد جمع ہیں۔ اس وقت رب تعالیٰ کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ہجرت کی اجازت نہ دینا اس پر دلیل ہے کفار یہ نہ کہہ سکیں کہ مسلمانوں کے نبی چھپ کر بھاگ گئے، بلکہ وہ اپنی ناکامی، اپنے مکر و فریب، اپنے حیلہ میں کامیاب نہ ہونے پر افسوس کے ہاتھ ملتے رہے۔

”ثم خرج النبي ﷺ فاعل قبضة من تراب فاعل الله ابصارهم عنه فجعل ينشر التراب على رؤوسهم وهو يقرأ (انا جعلنا في اعناقهم اغلالا فهي الى اللذقان فهم مقمحون وجعلنا من بين ايديهم سدا ومن خلفهم سدا فاغشىناهم لهم لا يبصرون)

نبی کریم ﷺ گھر سے جب نکلے تو آپ نے مٹی کی مٹھی لی اور ان کی طرف پھینک دی تو ان کے قریش کے نوجوانوں کو کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نظروں کو کچھ دیر کے لئے بے کار کر دیا۔ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑنے لگ گئے۔ نبی کریم ﷺ سورۃ یسین کی آیات (ترجمہ) ہم نے

ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھا تک

دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا (کنز الایمان) تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔

شرکین نے تمام رات نبی کریم ﷺ کے گھر کا پہرہ رکھا کہ وہ انہیں تو ان کو شہید کر دیا جائے۔

”فلما أصبحوا ثاروا الیہ فراوا علیہا رضی اللہ عنہ فقالوا این صاحبک؟ قال لا ادری غافقنصوا الثرہ وارسلوا فی طلبہ فلما بلغوا الغار راوا علی بابہ نسج العنکبوت فقالوا لو دخلہ لم یکن نسج العنکبوت علی بابہ فمکت فیہ ثلاثا لدم المدینة

”جب صبح ہوئی تو وہ محاصرہ کرنے والے شرکین آگے بڑھے تو دیکھا کہ یہ تو علی (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (وہ تو ان کو قتل کرنا ہی نہیں چاہتے تھے اور نبی کریم ﷺ بھی فرما گئے تھے کہ یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہنے لگے: تمہارے

صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے پتہ نہیں (آپ کا یہ کہنا صحیح تھا کہ مجھے پتہ نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہیں) تو وہ شرکین انہی قدموں پر پیچھے ہٹ آئے۔ نبی کریم ﷺ کی تلاش کرنے کے لئے نکل پڑے۔ آپ کو تلاش کرتے ہوئے یہ بھی فائر فور پر پہنچ گئے، جس میں حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما موجود تھے، لیکن جب یہ دونوں حضرات غار میں داخل ہوئے تو غار کے منہ پر کڑی نے تانا (جالا) تن دیا۔ اب یہ لوگ کڑی کے جالے کو دیکھ کر وہاں سے لوٹ پڑے کہ اس غار میں اگر کوئی داخل ہوتا تو جالا ٹوٹ چکا ہوتا۔ (ماخوذ از معالم التنزیل للسخوی ج ۲، ص ۲۳۳، ۲۳۴)

اس طرح رب تعالیٰ کا ارشاد..... ”و یحکمر اللہ و اللہ خیر الما کرین“ اور اللہ خفیہ تدبیر فرما رہا تھا، اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے..... جگمگانے لگا۔ نہ نبی کریم ﷺ کو قریش شہید کر سکے اور نہ ہی آپ کو تلاش کر سکے۔

ہجرت کا کچھ مزید واقعہ سورۃ توبہ کی آیہ ۴۰ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

وَاذِیْنُکُمْ بِالذِّہْنِ کُفَرُوا اور یاد کرو جب مکر کر رہے تھے آپ سے کفار یُؤْمِنُوکُمْ تاکہ تمہیں بند کریں اَوْ یَقْتُلُوکُمْ یا شہید کر دیں تمہیں اَوْ یُخْرِجُوکُمْ بِالْکَالِ دین تمہیں۔

”لِيُقْبِتُوكَ“ کے کئی معانی ہیں: مطلب سب کا ایک ہی ہے تاکہ تمہیں مضبوطی سے باندھ دیں ”کل من شد فقد اثبت“ جسے باندھ دیا جاتا ہے، اسے روک لیا جاتا ہے کہ وہ حرکت پر قادر نہیں ہوتا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ ”تاکہ وہ تمہیں قید کر لیں“ اور معنی یہ ہے تاکہ تمہیں محبوس کر دیں، کسی مکان وغیرہ میں بند کر دیں۔ یہ رائے ابوالختری نے دی تھی۔

”او يقتلوك“ یا تمہیں شہید کر دیں۔ یہ رائے ابو جہل لعین نے دی تھی۔ ”او یخرجوك“ یا تمہیں مکہ سے نکال دیں، یہ رائے عامر بن ہشام نے پیش کی تھی۔  
 وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ O  
 وہ مکر کر رہے تھے اور خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اللہ، اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔  
 یہ ماضی کے حال کی حکایت ہے اسلئے ترجمہ میں ماضی اور حال دونوں کا لحاظ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہی ترجمہ راقم نے بھی نقل کیا۔

”والحاصل انہم احتالوا علی ابطال امر محمد و اللہ تعالیٰ نصرة و قواہ فضاء فعلہم و ظہر صنع اللہ تعالیٰ“  
 ”حاصل کلام یہ ہے کہ کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ یعنی اسلام پیش کرنے کو باطل کرنے کا حیلہ کیا، مگر فریب سے کام لیا۔ رب تعالیٰ نے آپ کی امداد فرمائی اور آپ کو طاقت عطا فرمائی، کافروں کا تمام کام ضائع ہو گیا اور رب تعالیٰ کا کام یعنی اس کی خفیہ تدبیر غالب ہو گئی۔“  
 (تفسیر کبیر، امام رازی رحمہ اللہ، ج 5، ص 155)  
 (ص 155)

تنبیہ:

آیہ کریمہ میں مکر کی نسبت مخلوق کی طرف کی گئی ہے اور رب تعالیٰ کی طرف بھی، ان میں فرق یہ ہے:

”مکر الخلق من العیلة و العجز و مکر الخالق من العکمة و القدرة فمکر الخلق مع مکر الحق باطل و مکر الحق حق ثابت“

”مکر کی نسبت جب مخلوق کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے حیلہ کرنا، عاجز آجانا، اور جب مکر کی نسبت خالق کی طرف کی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے حکمت، یعنی خفیہ تدبیر اور اس کی قدرت رکھنا۔ مخلوق کا مکر رب تعالیٰ کی حکمت اور خفیہ تدبیر کے مقابل مٹ جانے والا ہے اور رب تعالیٰ کی حکمت حق اور ثابت ہے۔“

### تراجم کا تقابلی جائزہ:

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝

محمود الحسن صاحب	اور وہ داد کرتے تھے اور اللہ بھی داد کرتا تھا اور اللہ کا داد سب سے بہتر ہے
شاہ عبدالقادر صاحب	اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے
مودودی صاحب	وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا
فتح محمد صاحب	ادھر وہ چال چل رہے تھے اور ادھر خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے
شاہ رفیع الدین صاحب	اور مکر کرتے تھے وہ اور مکر کرتا تھا اور اللہ نیک مکر کرنے والا ہے
اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب	اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے

اگرچہ اس قسم کی بحث پارہ تین میں گزر گئی تاہم زیادتی وضاحت کے لئے  
اعادہ کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف داؤ کی نسبت کرنا یا فریب کی اور یہ ترجمہ کرنا کہ اللہ بھی داؤ  
کرتا تھا یا یہ کہنا کہ اللہ بھی فریب کرتا تھا یہ معانی یقیناً تفاسیر کے خلاف ہیں۔ جلالین  
میں یوں ذکر کیا گیا:

”ویمکر اللہ بہم بتدبیر امرک بان اوحی الیک ما دبروہ و امرک بالخروج“

جلالین میں تفسیر کی وضاحت صاوی میں یوں کی گئی ہے۔

”جواب عما یقال ان حلیۃ المکر محالۃ علی اللہ تعالیٰ لانه الاحتمال علی الشیء من اجل حصول العجز عنہ واجیب ایضا ان المراد بمکر اللہ معاملۃ لہم معاملۃ الماکر حیث غیب سعیرہم وضعہم املہم او المراد جازاہم علی مکرہم فسمی الجراء مکرا لانه فی مقابلتہ

”یہ اصل میں ایک سوال کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ مکر کی نسبت حقیقت میں رب تعالیٰ کی طرف محال ہے کیونکہ کسی چیز پر حیلہ و مکر اس سے عاجزی کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا محال ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں مکر کا حقیقی معنی مراد نہیں لیا گیا بلکہ اس کا مجازی معنی مراد ہے ”تدبیر“ اور دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں مکر سے مراد ان سے مکر والوں کی طرح معاملہ کرنا ہے ان کی کوشش کو رسوا کیا ان کی امیدوں کو ضائع کیا، یا مکر سے مراد ان کو جزاء دینا، جزائے مکر کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان)



إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَالِثِ الثَّنِينَ إِذْ هُمَا فِي  
الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَ  
أَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ  
الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٥﴾ (سورة التوبة، ١٠: ١٢)

①: اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب  
کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا تو اللہ نے  
اس پر اپنا سکینہ اتارا اور فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں  
اور کافروں کی بات نیچے ڈالی اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب  
حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

②: اگر تم نہ مدد کرو آپ کی تو تحقیق امداد فرمادی آپ کی اللہ نے، جب باہر  
تشریف لے جانا ہوا آپ کا کافروں کی شرارت سے، دو میں سے  
ایک ”جب وہ دونوں غار میں تھے“ جب کہہ رہے تھے اپنے صاحب کو نہ  
غم کرو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اتاری اللہ نے اپنی سکینت  
(تسلی) ان پر، اور امداد کی آپ کی ایسے لشکروں سے جن کو تم نے نہ  
دیکھا، اور کیا کافروں کی بات کو نیچے، اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے، اور اللہ  
غالب (اور) حکمت والا ہے۔ (نجوم الفرقان)

پہلی آیات سے تعلق:

پہلی آیات میں جہاد کا ذکر آ رہا ہے۔ اس آیت کریمہ میں بھی جہاد کی رخصت

ولائی گئی ہے کہ اگر تم نے آپ کی امداد نہ کی تو اللہ تعالیٰ آپ کی امداد کرے گا۔ رب تعالیٰ آپ کی اس وقت بھی امداد کر چکا ہے جبکہ آپ اکیلے تھے، اس وقت بھی کفار آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، اب بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ آپ کی امداد فرما رہا ہے۔

{الَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ}

”اگر تم نہ مدد کرو آپ کی تو تحقیق امداد فرمادی آپ کی اللہ نے“  
دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

”الَّا“ مرکب ہے، ان شرطیہ اور ”لا“ نافیہ سے۔ یہ ”الَّا“ استثنائیہ نہیں، اس شرط کی جزاء محذوف ہے۔ تقدیر عبارت کی یہ ہے ”الَّا تَنْصُرُوهُ فَيَنْصُرُهُ اللّٰهُ“ اگر تم آپ کی مدد نہیں کرو تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔

”فقد نصره الله“ جواب شرط کی علت ہے، جواب نہیں کیونکہ یہ ماضی ہے۔  
 ”اذا اخرجہ“ یہ ظرف ہے ”فقد نصره الله“ کی۔ یہ خطاب ان لوگوں کو ہے جن پر غزوہ تبوک میں جانا بھاری ہوا۔

(صاوی ج 1 جزء 2 ص 128، روح البیان ج 3 ص 340)

لیکن یہ خیال رہے کہ غزوہ تبوک میں بھاری سمجھ کر نہ جانے والے منافقین تھے، مخلص صحابہ کرام صرف تین تھے جو حاضر نہیں ہو سکے تھے لیکن صرف چلنے میں سستی ہو گئی۔ تفصیلی ذکر ان شاء اللہ گیارہویں پارہ میں آئے گا۔

{اِذَا اُخْرِجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا}

”جب باہر تشریف لے جانا ہوا کافروں کی شرارت سے آپ کو۔“

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے یہ ترجمہ با محاورہ ادب و احترام کو مد نظر رکھتے ہوئے کیا۔ راقم نے بھی وہی نقل کیا، ورنہ لغوی لحاظ پر لفظوں کو دیکھ کر ترجمہ اتنا ہی ہے (جب



نکالا آپ کو کافروں نے) اسی ادب و احترام کی وجہ سے روح البیان میں تفصیل بیان کی گئی۔

”ہی تسبیوا الخروج بان ہتوا بعتلہ و الا  
 فہو علیہ السلام انما خرج بان اللہ تعالیٰ  
 وامرہ لا باخرج الکفرة لہا“

”نبی کریم ﷺ کے ہجرت کرنے، مکہ مکرمہ  
 سے نکلنے کا بظاہر سبب کفار تھے کہ انہوں نے  
 آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر لیا تھا ورنہ آپ  
 ﷺ کا ہجرت کرنا اور مکہ مکرمہ سے باہر نکلنا  
 اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی اجازت سے تھا نہ  
 کہ کافروں کے نکلنے کی وجہ سے۔“

(روح البیان ج 3 ص 430)

{ثانی الثنین لہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا}  
 دو میں سے ایک جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ کہہ رہے تھے اپنے صاحب  
 کو غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

”ثانی الثنین“ حال ہے ”اذ اخرجہ“ کی ضمیر منصوب سے جو رسول اللہ ﷺ  
 کی طرف لوٹ رہی ہے ”ای احد الثنین من غیر اعتبار کونہ علیہ السلام  
 ثانیاً“۔ دو میں سے ایک مراد ہے ”ثانی الثنین“ سے بغیر اعتبار کرنے نبی کریم ﷺ کو  
 ثانی۔ یا ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے ”ثالث ثلثہ“ تین میں سے ایک۔ اس میں  
 تیسرا مراد نہیں، اسی طرح ”رابع اربعہ“ چار میں سے ایک۔ اس میں چوتھا اعتبار  
 نہیں۔ وہ دو (رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہما) تھے۔ (روح البیان حوالہ مذکور)

اور جب کہا جائے ”ہو اخو متہ و غلام سبعة“ اس وقت مطلب یہ ہوگا  
 وہ چھکا بھائی ہے، یعنی ساتواں ہے اور وہ سات کا غلام ہے یعنی غلام آٹھواں ہے، مالک  
 سات ہیں۔

تفاسیر کی بعض عبارات کو اردو میں ڈھالنے کیلئے بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی

ہے:

(ثانی اشئین) کی تفسیر میں طبری کہتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ و ابابکر رضی اللہ عنہ اس کا ظاہری معنی یہ کہ دو سے مراد یہ دو  
 لأنہا کان الذین خرجا ہارین من قریش حضرات تھے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ  
 اذ ہما بقتل رسول اللہ ﷺ واحتفما فی پیشک یہ دونوں قریش سے بھاگ کر نکل گئے  
 الفار“ تھے جبکہ انہوں نے ان دونوں کو شہید کرنے کا  
 ارادہ کیا اور دونوں غار میں چھپ گئے۔“

اگر طبری کے الفاظ مذکورہ کا یہی ظاہری ترجمہ کیا جائے تو یہ مردود ہوگا۔ اگر کہا  
 جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے دونوں حضرات قریش سے بچ کر گھر سے باہر تشریف لے  
 گئے، وہ اگرچہ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن آپ کا ہجرت کرنا اور غار میں  
 پناہ لینا رب تعالیٰ کے حکم سے تھا، یہ ترجمہ ادب و احترام کے مطابق ہوگا۔  
 راقم کا یہی طریقہ ہے کہ جو عبارت کسی تفسیر کی راجح نظر آتی ہے، اسے لے لیا  
 جاتا ہے مرجوح کو بغیر کسی تبصرہ کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

یہ ایک مثال صرف اس لئے دی ہے کہ آجکل علماء کرام، مشائخ عظام ایک  
 دوسرے کی ضد کی وجہ سے مرجوح عبارات کا سہارا لے کر اوراق سیاہ کئے جا رہے ہیں اور  
 راجح عبارات کو چھوڑ کر اہل سنت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے ”ثانی“ سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لئے ہیں:

اگرچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اسے کلف قرار دیا ہے، لیکن راقم تفسیر کبیر کی  
 رائے کبیر کا بھی احترام کرتا ہے، اسے بھی رو نہیں کیا جاسکتا بلکہ اسے تسلیم کرنے میں  
 کوئی حرج نظر نہیں آتی۔ علامہ رازی رحمہ اللہ نے ترکیب تو ذکر نہیں کی لیکن مسئلہ واضح

ہے "اخرجہ" کی ضمیر منصوب پر عطف ہے "ثانی" کا، حرف عطف محذوف ہے۔  
جیسے کہا جاتا ہے "رأيت حامدا محمودا" میں نے حامد اور محمود کو دیکھا۔ اور "اشنین" بیان  
ہے ضمیر منصوب اور ثانی کا۔

"يقول" کی ضمیر فاعل "ثانی" کی طرف نہیں لوٹ رہی بلکہ رسول اللہ ﷺ  
کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اب اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا "جب آپ اور آپ کے  
ثانی دونوں کو باہر تشریف لے جانا ہوا کافروں کی شرارت سے، جب کہ وہ دونوں غار  
میں تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنے صاحب کو کہہ رہے تھے غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے  
ساتھ ہے۔ (راقم)

{ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ }

تو اتاری اللہ نے سکینت (تسلی) ان پر۔

"سکینہ" کا معنی ہے "طمینان" یعنی اطمینان اور تسلی اللہ تعالیٰ نے ان پر  
اتاری "علیہ" کی ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ ہی ہو سکتے ہیں اس وقت مطلب یہ ہوگا:  
"ہی فہکون المراد زانہ سکینة وطمینة" کہ نبی کریم ﷺ کا اطمینان پہلے سے اور  
حتی عمت اہلکمر والا فرسول اللہ ﷺ زیادہ ہوگا آپ کے اطمینان کی زیادتی کی وجہ  
سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو بھی اطمینان حاصل  
ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کو پہلے بھی کوئی پریشانی  
نہیں تھی اپنے رب تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا۔"

اور "علیہ" کی ضمیر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ [الآنہ  
هو المنزع] "اسلئے کہ آپ پریشان تھے۔"  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو کس کا غم تھا:

"وكان حزن الصديق على رسول الله ﷺ" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ

لا علی نفسه ورد أنه قال له لانت أنا فانا  
رجل واحد وانما انت هلكت الأمة  
والنہن“  
رسول اکرم کا غم تھا، اپنی جان کا کوئی غم نہ تھا۔ آپ  
کا قول خوب جگمگا رہا ہے: یا رسول اللہ اگر میرا  
وصال ہو جائے تو میں تو ایک شخص ہوں۔ اگر  
آپ کو یہ لوگ شہید کر دیں تو ساری امت  
(ماخوذ از جلائین و صاوی ج 1 ج 2 ص 129) اور دین پر موت طاری ہو جائے گی۔“

{وَأَيُّدُهُمْ يَبْجُودُكُمْ تَرَوْهَا}

”اور امداد کی آپ کی ایسے لشکروں سے جن کو تم نے نہ دیکھا“

لشکروں سے مراد ملائکہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی فرشتوں کے  
ذریعے امداد کی اور آپ کو تقویت پہنچائی۔

{وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ}

”اور کیا کافروں کی بات کو نیچے اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے۔“

کافروں کا کلمہ نیچے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان کا کلمہ شرک اور کفر کی طرف  
دعوت قیامت میں ختم ہو جائیں گے۔ ان کا مٹ جانا، پستی میں چلا جانا ہے، اور اللہ کا  
کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ قیامت تک بلند و بالا رہے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے:

”کلمة الذين كفروا ما قلدها بينهم في  
الكميد به ليقتلوه وكلمة الله وعد الله ان  
ناصره“

”کافروں کے کلمہ سے مراد ان کا وہ مشورہ  
اور وہ فریب کہ نبی کریم ﷺ کو شہید کر  
دو، رب تعالیٰ نے اسے پست کر دیا ان کے  
مکر و فریب کو رب تعالیٰ نے مٹا دیا اور رب  
تعالیٰ نے آپ سے جو امداد کا وعدہ فرمایا تھا  
اسے ہی بلندی حاصل رہی۔“

(معالم التنزیل للبخاری ج 2 ص 294)

{ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ }

”اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ غالب ہے، بلند شان والا ہے، ایمان والوں کو بھی عزت عطا فرماتا ہے، اور اپنے امور اور اپنی تدبیر اور اپنے حکم میں حکمت والا ہے۔

(روح البیان ج 3 ص 436)

### آیہ کریمہ کا قدرے تفصیلی بیان:

کفار نے جمع ہو کر ”دار الندوة“ میں مشورہ کیا کہ کیا حیلہ کیا جائے کہ ”محمد“ کو اپنی راہ سے ہٹایا جائے تاکہ اسلام نہ پھیلے۔ کسی نے کہا: ان کو مکان میں بند کر دو۔ کسی نے کہا: شہر سے باہر نکال دو۔ کسی نے کہا: قتل (شہید) کر دو۔ سورۃ انفال کی آیہ نمبر ۳۰ میں کافروں کے مشورہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ جب کافروں نے نبی کریم ﷺ کے گھر کا نکواریں لے کر محاصرہ کر لیا تو رب تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

{ اَلَا تَنْصُرُوۡنَا۟ فَقَدْ نَصَرَنَا اللّٰهُ }

”اگر تم نہ مدد کرو آپ کی تو تحقیق امداد فرمادی آپ کی اللہ نے“

یعنی اگر تم نے نبی کریم ﷺ کی غزوات میں امداد نہ کی تو اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے گا، تحقیق رب تعالیٰ آپ کی پہلے بھی امداد فرما چکا ہے۔ جب آپ اکیلے تھے اور اس کے بعد آپ کے ساتھ کم تعداد میں ایمان لانے والے تھے، کفار کثیر تعداد میں تھے اور کثیر اسباب اور مال و دولت کے مالک تھے۔ رب تعالیٰ نے اس وقت بھی آپ کی امداد فرمائی، کفار آپ کو نقصان نہ پہنچا سکے۔

اب غزوہ تبوک میں تم نے آپ کی امداد نہ کی تو اللہ تعالیٰ آپ کی امداد فرمائے گا۔ غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والوں کا ذکر ان شاء اللہ گیارہویں پارہ کی ابتداء میں

آئے گا۔ پیچھے رہنے والے اسی کے قریب منافقین تھے، اور تین تخلصین صحابہ کرام تھے جو سستی کی وجہ سے رہ گئے تھے۔

{إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا}

”جب باہر تشریف لے جانا ہوا کافروں کی شرارت سے آپ کو۔“

کافروں نے حضور ﷺ کے خلاف سازش کا منصوبہ کیوں بنایا؟

نبوت کے تقریباً گیارہ سال بعد نبی اشہل کے کچھ لوگ قریش سے معاہدہ کرنے اور ان کے حلیف بننے کیلئے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں دعوتِ اسلام دی تو ان میں سے ایک جوان ایاس بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو کہا: اس شخص کی بیعت کر لو اور ایمان لے آؤ۔ اس شخص کی بیعت کرنا قریش کے حلیف بننے سے بہتر ہے لیکن ان میں ایک اور شخص جو اس وفد کا سردار تھا اس نے ایمان لانے سے اپنے لوگوں کو روک دیا کہ ابھی انتظار کرو کہ کیا ہوتا ہے۔ لوگ اس کے ڈر کی وجہ سے خاموش رہے۔

اسی سال حج کے موسم میں مدینہ طیبہ سے خزرج قبیلہ کے کچھ لوگ آئے، نبی کریم ﷺ نے ان کو بھی دعوتِ ایمان، دی وہ کہنے لگے: یہ تو وہی شخص معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں یہود کے علماء بتاتے تھے کہ آخر الزمان نبی آنے والے ہیں، جن کے یہ اوصاف ہوں گے۔ وہ چھ حضرات تھے جن میں اسد بن زرارہ اور جابر بن عبد اللہ بھی تھے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کر لی۔ یہ بیعت منیٰ کے مقام میں ایک گھاٹی پر ہوئی۔ گھاٹی کو عقبہ کہا جاتا ہے اس لئے بیعت کا نام ہی ”عقبہ اولیٰ“ پڑھا گیا۔

آئندہ سال حج کے موسم میں قبیلہ اوس و خزرج کے بارہ حضرات عقبہ اولیٰ کی بیعت والے چھ یا پانچ حضرات سے مل کر آئے۔ ان میں حضرت بن عبادہ بن صامت

اور عویم بن ساعدہ بھی شامل تھے۔ تو اسی عقبہ (گھائی) کے پاس مقام منیٰ میں ان حضرات نے بھی بیعت کی اسے ”عقبہ ثانیہ“ کی بیعت کا نام دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ ان کو قرآن پاک اور دین کے مسائل سکھائیں۔ وہ مدینہ طیبہ کے مسلمان ہونے والے حضرات کو نماز پڑھاتے، اسی سال وہاں جمعہ بھی ادا کیا گیا۔ پھر آئندہ سال یعنی نبوت کے تیسویں سال ہجرت سے تین ماہ پہلے اوس اور خزرج کے لوگ کثیر تعداد میں آئے۔ ان واقعات کو دیکھ کر قریش پریشان ہونے لگے کہ اسلام تو بہت ترقی کر رہا ہے۔ انہوں نے حیلہ اور مکر و فریب کرنا شروع کیا تا کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی راہ سے ہٹا دیں لیکن رب تعالیٰ نے ان کو ناکام کر دیا اور نبی کریم ﷺ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔

### حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہجرت میں ساتھ لینا:

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ صبح یا شام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے تھے لیکن ہجرت کی تیاری کی خبر دینے کیلئے دن کو تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ اللہ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا مجھے بھی آپ کے ساتھ جانے کی اجازت ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! تم میرے ساتھ ہی چلو گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کیلئے ہی دو اونٹ خرید رکھے تھے، ان میں ایک انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کیا لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں! میں یہ تم سے خریدتا ہوں۔ آپ نے خرید کر اونٹ اپنی سواری کیلئے حاصل کر لیا۔ اس طرح مکہ مکرمہ سے آپ نے کوچ فرما لیا۔ ہجرت کے تفصیلی واقعات ”مدارج النبوت“ اور ”ضیاء النبی“ میں دیکھیں جائیں۔

## سراقہ کا پیچھا کرنا اور اس کی گھوڑی کا زمین میں دھنس جانا:

”عن المرء بن عازب عن ابيه انه قال لابي بكر يا ابا بكر حدثني كيف صنعتما حين سریت مع رسول الله ﷺ قال اسرینا لیلتنا ومن الغد حتی قام الظہورہ وعلی الطریق لا یمر فہ أحد فرفعت لنا صخرة طویلة لها ظل لم یأت علیها الشمس فنزلنا ما عندها وسویت للنبی ﷺ مکانا یبدی ینام و بسطت علیہ فرودا وقلت لم یا رسول الله وانا انقض ما حولک فنام و خرجت انقض ما حولہ فاننا انا براء معہ قلت افسی غنمک لمن قبل نعم قلت افتحلب؟ قال نعم فاعذ شاة فحلب فی قعب کعبة من لبن ومعی انا و حملها للنبی ﷺ یرتوی فیها یشرب ویعوضا فأنبت النبی ﷺ فکرت ان اوقفه فوافقتہ حتی استمظظ فصببت من الماء علی اللبن حتی برد اسفله قلت اشرب یا رسول الله ثم قال المر یان للرحیل قلت بلی قال فارتحلنا بعد ما مالت الشمس واتبعنا سراقہ بن مالک فقلت اتینا یرسول الله فقال لا تحزن ان الله معنا فدعا علیہ

”براء بن عازب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو کہا: اے ابو بکر! مجھے حدیث بیان کرو تم نے کیا کیا (یعنی تمہارے ساتھ کیا واقعات درپیش آئے) جب تم رات کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے؟ آپ نے فرمایا: ہم رات کو چلتے رہے اور دوسرے دن صبح بھی سورج ڈھلے تک چلے، راستہ خالی تھا۔ کوئی اس میں چل نہیں رہا تھا، ایک لمبی چٹان ہمارے سامنے آئی جس کا سایہ تھا۔ دھوپ اس کے پاس نہیں تھی۔ ہم اس کے پاس اتر گئے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کیلئے اپنے ہاتھوں سے جگہ ہموار کی تاکہ آپ سو جائیں اور میں نے اس پر چڑھے کا ٹکڑا بچھا دیا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ آپ سو جائیں۔ میں آپ کے ارد گرد کو دیکھ رکھتا ہوں، میں ارد گرد کو دیکھنے کیلئے (حالات کا جائزہ لینے کیلئے) نکلا۔ مجھے ایک چرواہا نظر آیا۔ میں نے کہا: کیا تمہاری کوئی بکری دودھ والی بھی ہے، اس نے کہا: ہاں! ہے۔ میں نے کہا: کیا تم اس کا دودھ دودھ دووے دووے؟ اس



النبي ﷺ فلرطمت به فرسه الى بطنها في جلد من الأرض فقال انى اراكما دعوتما على فادعوا الى فقله لكما ان ارد عنكما الطلب فدعا النبي ﷺ فنجما فجعل لا يلقى احدا الا قال كفىتم ما ههنا فلا يلقى احد الارء-

نے کہا: ہاں! تو اس نے بکری کو پکڑا اور میرے پاس جو لکڑی کا پیالہ (برتن) تھا جو میں نے آپ کے پانی پینے اور وضوہ کرنے کیلئے ساتھ لیا تھا اس میں اس نے دودھ دہ کر دیا۔ تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو میں ناپسندیدہ سمجھا کہ میں آپ کو بیدار کروں تو میں انتظار میں رہا کہ آپ خود ہی جاگ جائیں

یہاں تک کہ آپ جاگے تو میں نے دودھ میں پانی ملا کر اسے ٹھنڈا کیا۔ تو میں نے عرض کیا آپ نہیں یا رسول اللہ! تو آپ نے پیا یہاں تک کہ میں راضی (خوش) ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا کوچ کا وقت ابھی نہیں آیا۔ میں نے عرض کیا: ہاں! آ گیا ہے۔ تو ہم نے سورج کے زیادہ ڈھل جانے (وقت کے ٹھنڈا ہونے) پر وہاں سے کوچ کیا۔ تو ہمارے پیچھے سراقہ بن مالک پہنچ گیا۔ میں نے عرض کیا: اب تو ہم پالنے گئے یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: غم نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ تو آپ نے اس کے خلاف دعا کر دی تو اس کی گھوڑی پیٹ تک زمین میں دھنس گئی۔ حالانکہ زمین بڑی سخت تھی تو اس نے کہا: بیشک میں جانتا ہوں کہ تم دونوں نے میرے خلاف دعاء کر دی۔ اب تم میرے حق میں دعاء کر دو، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے۔ تمہارا پیچھا کرتے ہوئے جو بھی مجھے ملے گا میں اسے واپس لوٹا دوں گا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس کے حق میں دعا کر دی، تو اسے نہات مل گئی یعنی وہ زمین سے باہر آ گیا۔ اس کی گھوڑی بھی زمین سے باہر نکل آئی۔ (تو اس نے بھی اپنے وعدہ کو پورا کیا) اسے جو بھی ملتا یا سے واپس لوٹا دیتا کہ تمہیں (میرا دیکھ کر آ جانا) کافی ہے، وہ ادھر نہیں ہیں۔

حدیث پاک کے چند الفاظ مبارکہ کی وضاحت:

[کیف صنعتما حین سریت] سری سری رات کو چلنا، کبھی مطلقاً چلنا

مراد ہوتا ہے۔ سوال کرنے والے کا مطلب یہ تھا کہ جب تم نے سفر ہجرت کیا تو اس وقت تم نے کیا کیا؟ یعنی تمہارا حال کیا گزرا۔

[حتی قام قائم الظہیرة] قام بمعنی وقف ہے۔ رک جانا، ٹھہر جانا، ظہیرة بمعنی نصف النہار سورج ڈھل جانا، یعنی ظہر کی ابتداء، اس وقت سورج کی حرکت کم محسوس ہوتی ہے، اس لئے اسے ٹھہر جانے سے تعبیر کیا۔

[فرضت لنا صخرة طويلة] رفع کا معنی بلند ہونا، مراد یہاں "اظہرت" ہے یعنی چٹان، ہمیں نظر آئی، ہمارے سامنے ظاہر ہوئی۔

[انا انفض ما حولك] انفض ینفض (ن) کا معنی مکان سے تمام چیزوں کو باہر نکال کر جھاڑنا، پھر یہ بھی کہا جاتا ہے "جماعة نفضة" ایک جماعت کا زمین میں پھیل جانا دیکھنا کہ دشمن کہیں چھپا ہوا تو نہیں۔ یا کہیں سے دشمن آ تو نہیں رہا۔ یہاں بھی مطلب یہ ہے: "احفظ ما حولك واحرسك واتحسس الأخبار من جهة" میں آپ کے ارد گرد کی نگہبانی کرتا ہوں۔ اور ارد گرد کی خبروں اور واقعات کا انداز لگاتا ہوں۔

### اعتراض:

[أفتحلب] حضرت ابو بکر نے چرواہے کو کہا: "کیا تو دودھ دودھ کر دے گا؟ وہ چرواہا مالک نہیں تھا بلکہ غلام تھا تو مالک کی اجازت کے بغیر دودھ دونے کے متعلق کہنا پھر وہ دودھ نبی کریم ﷺ کا استعمال کرنا کس طرح درست تھا؟

### جواب:

"قال كان الفهم لصدیق لابی بکر و" اس کی وجہ یہ تھی کہ بکریاں حضرت ابو بکر  
 یجوز لدلالة الرضاء وقيل كان من صدیق ﷺ کے ایک دوست کی تھیں،  
 عافتهم ان يادوا الرعاتهم ان يحلبوا لمن با اعتماد دوست کی چیز استعمال کرنے کی

مر بالطریق و یحتاج الی اللبن“  
اجازت ہوتی ہے جس کا تعلق کھانے سے  
(لمعات)  
ہو اور وہ بھی ضرورت کے مطابق استعمال

کی جائے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عرب حضرات کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہوں کو  
اجازت دے دیتے تھے کہ جو بھی مسافر راستے سے گزر رہا ہو اور اسے دودھ کی ضرورت ہو تو  
بکریوں کا دودھ اسے دودھ کر دے دیا کرو۔“

[یرتوی فیہا ای یستقی فیہا] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس  
لکڑی کا برتن اٹھایا ہوا تاکہ اس میں پانی ڈالا جائے۔

[فوافقتہ] کو دو طرح پڑھا گیا: ایک صورت میں فاء پہلے قاف بعد میں اس  
صورت میں مطلب یہ ہے:

”فوافقتہ (بتقدیم الفاء علی القاف) ای لم  
میں نے آپ کی نیند کی موافقت کی یعنی آپ  
کو جگایا نہیں یہاں تک کہ آپ خود ہی بیدار  
اوقفہ حتی استویظ ہو بنفسہ“  
ہو گئے۔

دوسری صورت یہ ہے:

”ویروی بتقدیم القاف من الوقوف ای  
توقفت فی المعنی الیہ للایفاظ  
’قاف پہلے ہو، فاء بعد میں، جس کا معنی ہے  
ٹھہرنا۔“

یعنی میں دودھ لاکر ٹھہر گیا آپ کے جاگنے کی انتظار کرنے لگا۔

[الم یسأن للرحیل] آنسی ہانسی کا معنی ہے چلنے کا وقت داخل  
ہونا۔ والمعنی ”الم یدخل وقت الرحیل“ کیا کوچ کا وقت داخل نہیں ہوا، جیسے رب  
تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

”الم یأن للذین آمنوا ان نعشم قلوبہم  
لذکر اللہ“  
”کیا ابھی وقت نہیں آیا، ایمان والوں کیلئے کہ  
ان کے دل جھک جائیں اللہ کے ذکر کیلئے۔“

[فارتطعت بہ فرسہ الی بطنہا] فرس، مذکر و مؤنث دونوں کیلئے آتا

ہے۔ یہاں مَوْنِث کی ضمیروں سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ سراقہ گھوڑی تھی۔ ”ارتعظ“ کا معنی دھنس جانا۔ یعنی اس کی گھوڑی ”فی جلد من الارض“ سخت زمین میں اس طرح دھنس گئی جیسے کچھڑ میں کوئی چیز دھنس جائے۔

[فَاللّٰهُ لَكُمَاۤی فَاَللّٰهُ كَفِیْلٌ لِّكُمَا] اللہ تعالیٰ کفیل (ذمہ دار، محافظ) ہے۔

(ماخوذ از حواشی مشکوٰۃ)

ثانی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہوں تو مطلب یہ ہوگا:

جب آپ کو اور آپ کے ثانی (دوسرے) کو باہر تشریف لانا ہوا کافروں کی شرارت سے یعنی دونوں کو باہر تشریف لے جانا ہوا جب وہ دونوں غار میں تھے، جب رسول اللہ فرما رہے تھے: غم نہ کرو! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کبیر میں ثانی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لئے ہیں، قاضی شام اللہ مظہری رحمۃ اللہ علیہ بھی یوں بیان فرماتے ہیں:

”یعنی نصرہ حال کو نہ بہت لم یکن“ یعنی آپ کی اللہ تعالیٰ نے امداد فرمائی اس معہ الارجل واحد وهو ابو بکر وهو ثانیہما ”مرد وہ ابوبکر تھے، وہ ان دونوں میں ثانی تھے۔“

آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر چند وجوہ سے دلالت کر

رہی ہے:

①: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو غار کی طرف لے گئے، جب کہ کفار آپ کو شہید کرنے کے درپے تھے، اس خطرناک موقع پر۔

”لو لا انہ علمہ السلام کان قاطعاً علی باطن ابی بکر ہانہ من المؤمنین المحققین الصادقین الصدیقین و الالما اصعبہ نفسہ“

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر کے باطن یعنی دل کا یقینی علم تھا کہ وہ مخلص ایمان والوں سے ہیں، جو حق پر قائم ہیں، سچے ہیں اور

فی تلك الموضع“  
تصدیق کرنے والے ہیں۔ آپ کو یہ یقینی علم  
نہ ہوتا تو آپ حضرت صدیق ؓ کو اس خطرناک سفر میں اپنے ساتھ نہ لیتے کیونکہ اگر ان کا  
باطن ظاہر کے خلاف ہوتا تو آپ کو خوف ہوتا کہ یہ کہیں دشمنوں کو نہ بتا دیں، یا خود ہی مجھے  
اکیلے پا کر شہید کر دے۔

”فلما استخلصه لنفسه في تلك الحالة دل  
على أنه عليه السلام كان قاطعاً بأن  
باطنه على وفق ظاهره“  
”جب آپ نے ان کو اس حال اپنے لئے  
جن لیا اور مخلص پایا تو واضح ہو گیا کہ آپ کو  
یقینی علم حاصل تھا کہ ان کا ظاہر باطن کے  
مطابق ہے۔“

”ان الهجرة كانت بأذن الله تعالى  
وكان في عبدة رسول الله ﷺ جماعة  
من المخلصين“  
پیشک ہجرت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت  
سے تھی، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں مخلص  
ایمان والوں کی ایک جماعت موجود تھی اور  
نبی کریم ﷺ کے نسب میں حضرت ابو بکر  
ؓ سے زیادہ قریبی موجود تھے۔

اگر اللہ تعالیٰ کا اس خطرناک واقعہ میں ان کو ساتھ لے جانے کا حکم نہ ہوتا تو  
ظاہر بات ہے کہ آپ ان کو اپنے ساتھ نہ لے جاتے۔

”وتخصيص الله أياه بهذا العشر في دل  
هلي منصب عال له في الدين“  
واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو خاص یہ  
شرف عطا فرمایا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے نبی  
کریم ﷺ نے آپ کو ساتھ لیا جو آپ کے  
دین میں بلند منصب پر دلالت کر رہا ہے۔

”ان كل من سوى ابي بكر  
فارقوا رسول الله ﷺ اما هو فما سبق  
رسول الله ﷺ كغيره“  
پیشک حضرت ابو بکر ؓ کے سوا دوسرے  
صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے جدا ہو چکے  
تھے یعنی وہ پہلے ہجرت کر چکے تھے لیکن

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ سے پہلے ہجرت نہیں کی بلکہ آپ کی محبت و انس اور آپ کے ساتھ ہی رہنے اور آپ کی خدمت گزاری پر ہی صابر رہے۔ جبکہ اس شدید خطرناک موقع پر ان کے بغیر آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا ”وذلك يوجب الفضل العظيم“ اسی سے آپ کی بہت بڑی فضیلت سمجھ آگئی۔

(خیال رہے صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پہلے ہجرت کی اس لئے کسی کے منصب میں کمی نہ آئی، سب کو فضیلت حاصل رہی لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطرناک حالات میں ہجرت کی، اس لئے افضلیت آپ کو حاصل ہے۔)

◊ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ”ثانی اشئین“ نام رکھا، غارِ ثور میں بھی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

”والعلماء اثبتوا انه رضى الله عنه كان  
ثاني محمد صلی اللہ علیہ وسلم في اكثر المناصب  
الدمية“  
علماء حق نے یہ ثابت کیا ہے بیشک آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مناسب و نیکہ میں ثانی یعنی نائب رہے۔

بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مخلوق کی طرف بھیجے گئے یعنی آپ نے جب اعلان نبوت فرمایا: [و عرض الاسلام على ابي بكر آمن ابوبكر] ”تو آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔“

پھر وہ گئے حضرت طلحہ اور زبیر اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اور کچھ صحابہ کی ایک جلیل القدر جماعت پر اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، پھر چند دنوں کے بعد ان تمام کو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔

”فكان هو رضى الله عنه (ثاني اثنين) في  
الدعوة الى الله“  
”اللہ تعالیٰ کی طرف اسلام قبول کرنے کی دعوت دینے میں آپ کو ”ثانی اشئین“ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔“

نبی کریم ﷺ جب بھی کسی غزوہ (جنگ) میں ٹھہرے تو آپ حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے۔ [فکان ثانی اشین فی مجلسہ] ”تو ہر مجلس میں آپ کو ہی ”ثانی اشین“ کا منصب حاصل رہا۔“

”ولما مرض رسول اللہ ﷺ قادم مقامہ فی امامۃ الناس فی الصلوٰۃ فکان ثانی اشین“  
 ”جب رسول اللہ ﷺ مرض وصل میں تھے تو لوگوں کو نماز پڑھانے کیلئے وہ آپ کے قائم مقام ہوئے تو ان کو نماز کی امامت میں نبی کریم ﷺ کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے ”ثانی اشین“ کا مقام حاصل ہو گیا۔“

”ولما توفی دفن بجبہ“  
 ”جب آپ کا وصال ہوا تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دفن ہونے کی وجہ سے مقبرہ میں بھی ”ثانی اشین“ کا بلند درجہ بھی آپ کو حاصل ہوا۔“

### اعتراض:

[و طعن بعض الحمقى من الروافض فی هذا الوجه] بعض بے وقوف رافضیوں نے اس وجہ پر اعتراض کیا ہے۔ ”کہ اللہ کا ساتھ ہونا، اس میں کوئی بلند مرتبہ نہیں، یہ مسلمانوں اور کافروں سب کو حاصل ہے۔ آئیے! رب تعالیٰ کا ارشاد دیکھئے:  
 ”ما یکون من نجوى ثلاثة الا هو رابعهم ولا خمسة الا هو سادسهم“  
 ”جہاں کہیں تین مخصوصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے اور پانچ کی تو چھٹا وہ۔“  
 (پ 28 سورۃ الجاثیہ آیت نمبر 7)  
 (کنز الایمان)

### جواب:

دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ کی معیت میں بہت بڑا فرق موجود ہے۔

معرضین نے جو آیت پیش کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے سے مراد یہ ہے:

”لأن المراد هناك كونه تعالى مع الكل بالعلم والتدبير و كونه مطلقا على ضمير كل أحد“

اس لئے کہ وہاں مراد یہ ہے کہ جب تمہیں آدمی مل کر سرگوشی کریں تو چوتھا وہ موجود ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ علم اور اس کی تدبیر ان کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک آدمی کے دل کی باتوں پر مطلع ہوتا ہے۔“

اور اس آیت کریمہ میں اللہ کا ساتھ ہونا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی ہونا [دلیل قاطع علی أنه ﷺ كان قاطعا بان باطنه كظاہره ]

”یہ قطعی دلیل ہے اس پر کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقینی علم حاصل تھا کہ ان کا باطن ظاہر کی طرح ہے۔“

(بلکہ راقم کو تو وہ یہ سمجھ آ رہا ہے کہ معرضین نے جو آیت کریمہ پیش کی ہے ”اس میں اللہ کے ساتھ ہونے“ سے دھمکی دی گئی ہے کہ سرگوشی کرتے ہوئے یہ نہ سمجھا جائے کہ تمہاری باتوں کو کوئی نہیں جانتا، ہاں! رب تعالیٰ جانتا ہے اور اس آیت میں کہ رحمت کا ذکر ہے کہ تم غم نہ کرو! اللہ کی رحمت تمہارے ساتھ ہے)۔

اس آیت کریمہ میں خبر دی گئی ہے کہ بیشک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غمناک ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ما ظنك بالذين آمنوا ولا شك ان هذا منصب علي ودرجة رفيعة“

(تمہارا کیا گمان ہے کہ جہاں دو ہوں) اور اللہ ان کا تیسرا ہو) اس میں کوئی شک نہیں کہ بیشک یہ بلند منصب ہے اور بلند درجہ ہے۔“

رافضیوں کی قسم:

او حق خمسة سادسہم جبریل [پانچ کے حق کی قسم کہ ان کے ساتھ



چھٹا جبریل تھا۔ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مباہلہ کے دن رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی اور فاطمہ اور حضرت حسن اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) جو چادر کے نیچے تھے ان کے ساتھ چھٹے جبریل تھے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب لوگوں نے یہ خبر میرے والد رحمۃ اللہ علیہ کو دی کہ رافضی یہ کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:  
 ”لکم ما ہو غیر منہ بقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ظنک بائین اللہ ثالثہما“  
 رسول اللہ ﷺ کا قول مبارک ہے کہ تمہارا کیا گمان ہے ان دو کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔“

ابو عبد اللہ محمد بن حسین قرشی المعروف بالامام فخر الدین رازی رحمہ اللہ متوفی ۶۰۶ھ کا فیصلہ:

”ومن العلوم بالضروریۃ ان هذا افضل“  
 ”یہ بدیہی طور پر معلوم (یعنی اس میں علم یقین حاصل) ہے کہ بیشک یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل اور اکمل ہیں۔“

سبحان اللہ!! علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب بیان فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل بھی ہیں اور اکمل بھی، ابھی تک کسی کو آپ کی افضلیت میں شک ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کفر ہے:

بیشک اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا وصف بیان کیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے صاحب ہیں۔

”وذلك يدل على كمال الفضل“  
 ”یہ آپ کے کامل فضل پر دلالت کرتا ہے۔“

حسین بن فضیل بجلی فرماتے ہیں:

”من انکر ان یکون ابو بکر صاحب رسول“ جو شخص بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صحابی  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کافرا“ ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔“

اس لئے کہ امت کا اس میں اجماع ہے کہ رب تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”اذ  
 يقول لصاحبه“ میں ”صاحب“ سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

”وذلك يدل على ان الله تعالى وصفه“ یہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ کو رسول  
 بكونه صاحبا له“ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔“

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صحابیت کے منکر کے کافر ہونے پر مفسرین کرام  
 کا اتفاق ہے:

”من قال ان ابا بکر لم يكن صاحب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم“ جس نے کہا: بیشک ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فهو كافر لانكاره نص القرآن وفي سائر الصحابة اذا انكر يكون  
 كافرًا“ کے صحابی نہیں تو وہ کافر ہے اس لئے کہ وہ نص قرآن کا منکر ہے اور کسی صحابی کی صحابیت کا  
 انکار کرنے والا کافر نہیں بلکہ مبتدع ہے۔“

(معالم التنزيل للبعثی ج 2 ص 293)

خیال رہے کہ صاحب کا لفظ ہر کسی کے دوست پر بولا جاتا ہے لیکن نبی  
 کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب صحابی ہی ہوتا ہے۔

رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی حکایت بیان کی۔ [لا تحزن ان الله  
 معنا] ”غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ اس معیت سے مراد حفاظت  
 و امداد ہے۔ پھر اللہ کی معیت بھی حاصل ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اس میں  
 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت۔

”ان الله مع الذين اتقوا و الذين هم  
 تقویٰ اختیار کیا اور ان کے ساتھ جو احسان  
 محسنون“

کرنے والے ہیں۔“

[لا تحزن ان اللہ معنا] سے واضح ہوا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے تو تقویٰ و احسان بھی اعلیٰ درجہ کا آپ کو ہی حاصل ہے۔

☆ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن اور آپ کی بیٹی اسماء غارثور میں کھانا لاتے تھے۔ یہ خصوصی شرف بھی آپ کو حاصل ہوا کہ مشکل گھڑی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بھی آپ کے بیٹے اور بیٹی نے سرانجام دی۔

کیا ہی خصوصی درجہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے:

”ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حين دخل المدينة فما كان معه الا ابو بكر و الانصار ما راوا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم احدا الا ابا بكر، وذلك يدل على انه كان يصطفيه لنفسه من بين اصحابه في السفر والحضر“

”بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے، اور انصار نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی دیکھا۔ اسی سے واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ میں سے سفر اور حضر کا ساتھی صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی منتخب فرمایا۔

”لما لم يحضر معه في تلك السفر أحد الا أبو بكر فلو قدرنا أنه توفي رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في تلك السفر لزم ان لا يقوم بأمره الا أبو بكر وأن لا يكون وصيه علي أمته الا أبو بكر وان لا يبلغ ما حدث من الوحي والعزيم في تلك الطريق الي أمته الا أبو بكر وكل ذلك يدل على الفضائل

”جب اس سفر ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوائے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کوئی نہ تھا، اگر بالفرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سفر میں وصال ہو جاتا تو لازم آتا کہ آپ کے امر کو قائم کرنے والا سوائے حضرت ابو بکر کے اور کوئی نہ ہوتا اور آپ کی وصیت امت کیلئے جاری کرنے والا بھی کوئی نہ ہوتا

العالمۃ والدرجات الرفیعة لأبی بکر“ سوائے ابوبکر کے اور راستے میں نازل ہونے والی وحی (جس طرح یہ آیت کریمہ جو زیر بحث ہے) امت تک پہنچانے والا اور کوئی نہ تھا سوائے حضرت ابوبکر کے۔ یہ تمام چیزیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بلند فضائل اور رفیع الشان درجات پر دلالت کر رہی ہیں۔

رافضیوں نے چمکتے سورج کو مٹی کی ایک مٹھی سے دبانے کی ناکام کوشش کی:

راقم کا عنوان علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ میں دیکھئے:

”واعلم ان الروافض احتجوا بهذه الآیة وبهذه الواقعة علی الطعن فی أبی بکر من وجوه ضعيفة حليلة جاریة مجری اخفاء الشمس بكف من الطین“  
ان کے کمزور اور حقیر اعتراضات دیکھئے:

اعتراض نمبر ۱:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا: ”لا تحزن“ تم غم نہ کرو۔ یہ غم اگر حق تھا تو اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں منع کیا؟ اگر اس غم میں خطا تھی۔ [الزم ان یکون ابوبکر مذنباً وعاصباً فی ذلك الحزن] ”تو لازم آئے گا کہ ابوبکر اس غم میں گنہگار اور نافرمان تھے۔“

جواب:

اگر تمہارا یہ اعتراض صحیح ہو جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: [لا تعف انک انت الاعلیٰ] ”تم خوف نہ کرو بیشک بلند تم ہی ہو“ کہ موسیٰ علیہ السلام بھی خوف میں نافرمان تھے۔ (معاذ اللہ) [و ذلك طعن فی الانبیاء] ”یہ انبیاء کرام پر طعن لازم آئے گا“ (جو باعث کفر ہے)  
پھر یہی اعتراض حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لازم آئے گا جب آپ نے بھونا ہوا پھڑا انسانی شکل میں آئے ہوئے فرشتوں کے سامنے پیش کیا، تو فرشتوں کے نہ کھانے

پر آپ پریشان ہوئے تو فرشتوں نے کہا: ”لا تخف“ (آپ خوف نہ کریں)  
پھر یہی اعتراض حضرت لوط علیہ السلام پر لازم آئے گا جب ان کو فرشتوں نے  
کہا ”لا تخف ولا تحزن“ تم نہ خوف کرو نہ غم۔

اگر وہ اس کا جواب یہ دیں کہ انبیاء کرام کا خوف تقاضائے بشریت کی وجہ  
سے تھا، اس لئے وہ حق تھا، باطل نہیں تھا تو ہم کہیں گے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی  
جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غم تھا کہ کافر آپ کو کہیں شہید نہ کر دیں یہ بھی بشریت کے تقاضا  
کے مطابق تھا، یہ بھی پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ کو اپنا کوئی ڈر نہیں تھا۔

اعتراض نمبر ۲:

روافض کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو اس لئے  
ساتھ لیا ہو کہ آپ کو خوف ہو کہ اگر مکہ میں انہیں چھوڑا تو کہیں کافروں کو بتا نہ دیں اور راز  
ظاہر نہ کر دیں۔ [فأخذہ مع نفسه دفعا لهذا الشر] تو اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اس شر سے بچنے کیلئے انہیں ساتھ لے لیا ہو۔

جواب:

یہ اعتراض بہت کمزور ہے، من گھڑت مفروضے قائم کرنے والے سوسطائے  
فرقہ کے اعتراضات سے بھی گھٹیا اعتراض ہے۔ اس لئے کہ جب کافر غار پر پہنچے تھے تو  
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زور زور سے چلا کر بھی ان کو مطلع کر سکتے تھے، اور آپ کو کھانا  
پہنچانے والے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبدالرحمن اور بیٹی اسماء تھے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے  
۔ [نحن نعرف مکان محمد فنذکم علیہ] ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو جانتے ہیں کہ  
وہ کہاں ہیں؟ آؤ! ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

دشمنی کی وجہ سے اس طرح کے گھٹیا اعتراضوں سے اللہ تعالیٰ بچائے۔

## اعتراض نمبر ۳:

اگرچہ اس واقعہ میں بظاہر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت نظر آتی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ اس سے تو یہ پتہ چلا کہ تاریک رات میں جب کفار آپ کو شہید کرنا چاہتے تھے تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گویا کہ اپنی جان کو قربان کرنے کیلئے پیش کر دیا۔

فہذا العمل من علی اعلیٰ واعظم من  
کون ابی بکر صاحباً للرسول  
تو دونوں صحابیوں میں سے یہ عمل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمل سے اعلیٰ اور اعظم ہے۔ (یہ اعتراض تفضیلیوں کا ہے)

## جواب:

انا لا ننکر ان اضطجاع علی بن ابی طالب  
فی تلك اللیلة المظلمة علی فراش رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاعة عظیمة ومنصب رفیعہ  
ہم اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹنا رات کی تاریکی میں عظیم طاعت تھی اور بہت بڑا منصب تھا۔

ہاں! مگر ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مشکل سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ساتھ نہ تھے۔ [والسحاضر اعلیٰ حالاً من الغائب] حاضر کی شان بلند ہوتی ہے غائب سے۔

راقم کے نزدیک دونوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت میں تھے، دونوں کی شان بلند تھی، کوئی زمین کی طرح پست نہیں تھا بلکہ دونوں آسمان رشد کے ستارے تھے، البتہ ایک کو زیادہ روشنی حاصل تھی، پھر اور وجہ یہ ہے کہ:

ان علیا ما تحمل المحنة الا في تلك الليلة  
 اما بعدها لما عرفوا ان محمدا غاب تركوه  
 ولم يتعرضوا له اما ابو بكر فانه بسبب  
 كونه مع محمد ﷺ ثلاثة ايام في الغار  
 كان في اشد اسباب المحنة فكان بلاؤه  
 اشد

بیشک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف ایک رات  
 مشکل برداشت کی، صبح صادق ہوتے ہی  
 جب کفار کو پتہ چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو موجود نہیں تو  
 انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا، ان  
 کے درپے نہ ہوئے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش  
 کرنے کیلئے مختلف اطراف میں پھرنا شروع  
 کر دیا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے  
 ساتھ تین دن غار میں رہے یہ بہت بڑی  
 مشکل گھڑیاں آپ کیلئے تھیں، شدید  
 مشکلات کے برداشت کرنے کی وجہ سے  
 انہیں افضلیت حاصل رہی۔

پھر اور وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے متعلق کفار کو معلوم تھا کہ یہ لوگوں کو  
 دعوت اسلام دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان نبوت فرمایا تو اسی وقت انہوں  
 نے ایمان قبول کر کے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی۔

کئی اکابر صحابہ کرام نے آپ کی دعوت سے اسلام قبول کیا جبکہ ابتدائے  
 اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بچے تھے، وہ یہ کام نہ کر سکے۔ اس وجہ سے کفار حضرت ابو بکر  
 رضی اللہ عنہ سے جتنی دشمنی رکھتے اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ  
 تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہچان کر انہوں نے چھوڑ دیا تھا، ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی۔

تو ہمیں یقین ہو گیا بیشک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ  
 کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی خدمت  
 گزاری میں اپنے کی وجہ سے جان کا زیادہ  
 خوف تھا بسبب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرم اللہ وجہہ  
 فعلمنا ان عوف ابي بكر علي نفسه في  
 خدمة محمد ﷺ اشد من عوف علي  
 كرم الله وجهه فكانت تلك الدرجة الضل  
 واكمل۔

الکریم کے۔ یہ آپ کے درجہ کے افضل اور اکمل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (ماخوذ از کبیر ج 15 ص 63 تا ص 68)

[لا تحزن ان الله معنا] کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ مظہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس معیت سے مراد وہ معیت ہے جس کی کیفیت نہیں بیان کی جاسکتی، اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے، آپ نے مختصر طور پر یوں فرمایا: (معیتہ غیر متکیفہ)۔

### مرزا جان جانان رحمہ اللہ کا عقیدہ:

قال الشيخ الأجل الشہید مظهر فہوضی الرحمن مرزا جان جانان رحمہ اللہ رحمة واسعة كفى لأبي بكر فضلا ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اثبت لأبي بكر معية الله سبحانه التی اثبتھا لنفسه بلا تفاوت فمن أنكر فضل أبي بكر أنكر هذه الآية الكريمة و كفر۔

مرزا جان جانان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کیلئے یہی کافی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کیلئے اللہ تعالیٰ کی معیت ثابت فرمائی وہی جو اپنے لئے ثابت فرمائی، اس میں کوئی فرق نہیں رکھا تو جس نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا انکار کیا اس نے اس آیت کریمہ کا انکار کیا، کافر ہو گیا۔

(تفسیر مظہری ج 3 ص 208-207)

”روی الترمذی والہفوی عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لأبي بكر انت صاحبی فی الفار و صاحبی علی الحوض“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو فرمایا: تم میرے فار کے ساتھی ہو اور حوض (کوثر) کے ساتھی بھی تم ہو گے۔

(مکتوٰۃ باب مناقب ابي بكر مظہری ج 3 ص

(207



”وفيه ايماء الى انه صاحبه في الدارين كما انه صاحبه الآن في البرزخ“  
 اس حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دنیا میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی جیسے اب برزخ میں (یعنی قبر میں) آپ کے ساتھی ہیں۔

(مرقاۃ ج 11 ص 287)

”عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لو كنت متخذنا عليلاً لاتخذت ابا بكر عليلاً ولكنه اعمى وصاحبي ولكن اتخذ الله صاحبه عليلاً“  
 حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کوئی خلیل بناتا تو میں ابو بکر کو خلیل بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور صاحب ہیں لیکن اللہ نے تمہارے صاحب کو خلیل بنا لیا ہے۔

(رواه مسلم، مشکوٰۃ باب مناقب ابی بکر، مظہری ج 3 ص 207 ورواه احمد و البخاری عن ابن الزبیر)

”هذا الحديث دليل ظاهر على ان ابا بكر افضل الصحابة“  
 یہ حدیث ظاہر دلیل ہے اس پر کہ بیشک حضرت ابو بکر سب صحابہ سے افضل ہیں۔

(مرقاۃ ج 11 ص 283)

مسلم شریف کی ایک روایت حضرت جناب سے ہے جس میں یوں ذکر ہے:  
 ”فان الله عزوجل قد اتخذني عليلاً كما اتخذ ابراهيم عليلاً ولو كنت متخذاً من اعمى عليلاً لاتخذت ابا بكر عليلاً“  
 اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بناتا، اگر میں اپنی امت سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔

بخاری کی ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لو كنت متخذاً من اعمى عليلاً دوني لاتيخذت ابا بكر عليلاً ولكن اعمى و“  
 اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا سوائے اپنے رب کے تو البتہ میں ابو بکر کو

خلیل بناتا ، لیکن وہ میرے بھائی اور  
صاحب ہیں۔

صاحبی

تنبیہ:

ان مذکورہ بالا روایات میں اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور سے غلت کی نفی پائی گئی ہے، اور بعض روایات میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی غلت کا ثبوت بھی ہے، ان میں ترجیح و تطبیق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

واحدی نے اپنی تفسیر میں حضرت امامہ سے روایت نقل کی ہے:

① "قال رسول الله ﷺ ان الله اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا وانه لم يكن نبيا الا له في امته خليل الا وان خليلي ابو بكر"

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا بیشک ہر نبی کا امت میں کوئی خلیل ہوا۔ خبر دار! بیشک میرا خلیل ابو بکر ہے۔"

② "اخرج حافظ ابو الحسن علي بن عمر الحرابي العسكري عن ابي بن كعب انه قال انه احدث عهدي نبيكم ﷺ قبل وفاته بعمس ليل دخلت عليه وهو يقرب يديه وهو يقول انه لم يكن نبيا الا وقد اتخذ من امته خليلا وان خليلي من امتي ابو بكر بن ابي قحافة الا وان الله تعالى قد اتخذني خليلا كما اتخذ ابراهيم خليلا"

ابی بن کعب فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پانچ روز قبل ملاقات کے بارے میں بتاتا ہوں بیشک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اپنے ہاتھوں کو پھیرتے ہوئے فرما رہے تھے بیشک کوئی نبی بھی نہیں گزرے مگر انہوں نے اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بنایا، بیشک میری امت میں سے میرا خلیل ابو بکر بن ابی قحافہ ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جیسے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔

وجہ ترجیح:

”والأحاديث العاقية للاتخاذ أصح وأثبت“ ”نفسی والی احادیث زیادہ صحیح اور زیادہ درست ہیں اس لئے ان کو ترجیح دی جائے۔“

وجہ تطبیق:

”وان صحت هذه الرواية فيكون قد اذن الله له عند تبرئه من حلة غير الله مع تشوقه لحلة أبي بكر لولا حلة الله في اتخذه خليلاً مراعاة لجنوحه إليه و تعظيماً لشان أبي بكر ولا يكون ذلك انصرافاً عن حلة الله عز وجل بل الخلعان ثابتان كما تضمنه الحديث احدهما تشریف للمصطفى ﷺ والأخرى تشریف لأبي بكر رضي الله عنه والله اعلم“

اگر خلتہ کے ثابت ہونے والی روایات صحیح ہوں تو پھر وجہ تطبیق یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے اللہ کے بغیر سب کی خلتہ سے بری ہونا اختیار کر لیا لیکن دل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف شوق بھی تھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو حضرت ابو بکر سے خلتہ کی اجازت دے دی لیکن شرط یہی تھی کہ کامل توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف میلان اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے پھیرنے کا ذریعہ نہ بنے تو دونوں خلتہ ہی ثابت ہو جائیں گی۔

(مرقاۃ ج 11 ص 382)

اس طرح ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کی بزرگی ثابت ہوگی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل نہیں بنایا اور دوسری حدیث میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بزرگی ثابت ہو رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کو اپنا خلیل بنانے کا شوق رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اجازت دے دی۔ واللہ اعلم

”عن انس بن مالك ان ابا بكر الصديق قال نظرت الى اقدم المشركين“ ”حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں: بیشک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے

علی رؤسنا ونحن فی الغار فقلت یا رسول  
 اللہ لو أن أحدهم نظر الی قدمه أبصرنا  
 فقال یا أبا بکر ما ظنک بالثمن اللہ  
 ثالثهما۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ باب المعجزات)

مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں پر دیکھا  
 جبکہ ہم غار میں تھے تو میں نے عرض کیا:  
 یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے  
 قدموں کو دیکھ لے تو ہمیں بھی دیکھ لے گا تو  
 آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! تمہارا کیا گمان  
 ہے ان دو کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ  
 ہے۔“

### وضاحت حدیث:

(مشرکین کے قدم ہمارے سروں پر تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ غار کا منہ  
 بلند تھا اور غار میں بیٹھنے کی جگہ نیچے تھی۔ ”اللہ ثالثهما“ کا معنی علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ  
 بیان کیا ہے: ”جاء علیہما ثلاثہ بضم نفسه تعالیٰ فی المعیة المعنویة الی اشار  
 الیہا بقوله سبحانہ ان اللہ معنا“ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ان دونوں کے ساتھ  
 ملا کر ان کو تین بنا دیا۔ رب تعالیٰ کی ان دونوں کو معیت معنوی حاصل تھی، اسی کا ذکر رب  
 تعالیٰ کے ارشاد ”ان اللہ معنا“ میں ہے۔

### فائدہ:

ابھی جو ”اللہ ثالثهما“ کا معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ان  
 دونوں سے ملا کر تین بنا دیا، اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ پہلے ان کے  
 ساتھ ہوتا ہے، جیسے بھی اس کی شان کے لائق ہے، پھر وہ اپنے ذمہ کرم پر ان دونوں کی  
 امداد اور کفار کی رسوائی کے لیے لیتا ہے لیکن رب تعالیٰ نے جو حضرت ہارون اور حضرت  
 موسیٰ علیہما السلام کو فرمایا ”لا تعافا انی معكما“ تم دونوں خوف نہ کر بیٹھک میں تمہارے  
 ساتھ ہوں۔ اس معیت سے مراد صرف یہ ہے ”انی ناصرکما وحافظکما من

مضرة فرعون“ فرعون کے ضرر سے بچانے کیلئے میں تمہارا مددگار اور محافظ ہوں۔  
 اسی سے اور ”اللہ ثالثہما“ اور ”ثالثہما اللہ“ میں فرق واضح ہو گیا کہ پہلے  
 میں حصر سمجھا آ رہی ہے یعنی ”انہما مختصان بان اللہ ثالثہما وليس بثالث  
 غیرہما“ بیشک ان دونوں کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ ان کا تیسرا ہے۔ اللہ کے بغیر  
 ان کا تیسرا کوئی نہیں لیکن اگر دوسرا لفظ ”ثالثہما اللہ“ ہوتا تو اس میں حصر نہ ہوتی بلکہ  
 صرف اتنا ہوتا ”تیسرا ان دونوں کا اللہ ہے“۔

دینی طلباء کرام کی توجہ کیلئے:

”اللہ ثالثہما“ میں ”ہما“ ضمیر ”انین“ کی طرف لوٹ رہی ہے، معنوی طور  
 پر عبارت یہ ہو گئی ”ثالث انین“ ثالث کی وضاحت عدد ناقص یعنی ”انین“ کی طرف  
 ہے جس میں تیسرا پائی گئی، جس کا معنی ہے اللہ نے دونوں کے ساتھ مل کر ان کو تین بنا  
 دیتا ہے اور آیہ کریمہ ”لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ“ میں اضافت عدد  
 مثل کی طرف ہے، اس لئے اس کا معنی ہے ”تین سے ایک“ یہ بیان حال ہے۔

(ماخوذ از مرقاة ج 11 ص 160)

بیہقی، ابن عساکر، ابو نعیم نے ابو مصعب مکی سے روایت بیان کی کہ میں نے  
 انس بن مالک، زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو حدیث بیان کرتے  
 ہوئے سنا ”بیشک جب نبی کریم ﷺ غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے  
 غار کے منہ پر ایک پودا اگا دیا۔

”نبعث اللہ العنکبوت فנסجت ما بینہما“ ”اللہ تعالیٰ نے مکڑی ”عنکبوت“ کو بھیج دیا  
 فسخرت وجہ رسول اللہ ﷺ وأمر اللہ  
 حمامین وحشہتمین فونقنا فی فم الغار“ جس نے جالاتن دیا اور اللہ تعالیٰ نے دو جنگلی  
 کیوتر (جوڑا) بھیج دیا جو غار کے منہ پر آگئے  
 اور کیوتری نے اٹھ سے دے دیئے۔“

کافر تلواریں، ڈنڈے لے کر پھر رہے تھے۔ جب غار کے پاس آئے تو عنکبوت کے جالے اور کیوتروں کے جوڑے کے دیکھ کر واپس آگئے، کہ اس غار میں کوئی داخل نہیں ہوا، ورنہ یہ جالاٹوٹ چکا ہوتا اور انڈے بھی ٹوٹ چکے ہوتے۔

کیوتروں کے جوڑے کو نبی کریم ﷺ کی خدمت گزاروں کی کا عظیم فائدہ حاصل ہوا:

اللہ تعالیٰ نے ان کو حرم شریف میں جگہ عطاء کر دی۔ آج کل کثیر تعداد میں کیوتروں کے حرم شریف میں آپ کو نظر آئیں گے، یہ اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔

زرین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث بیان کی جو مشکوٰۃ شریف میں ”مناقب ابوبکر“ میں ہیں، جسے راقم نے نجوم التحقیق میں ذکر کیا، اس کا ایک حصہ یہاں بھی دیکھتے چلے جائیں:

”جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر غار پر پہنچے تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی آپ غار میں نہ داخل ہوں یہاں تک کہ پہلے میں داخل ہوں۔ اگر اس میں کوئی چیز ہو تو مجھے پہنچے، تو وہ پہلے داخل ہوئے غار کو صاف کیا اور اس میں ایک جانب کچھ سوراخ پائے تو اپنی چادر کو پھاڑ کر سوراخ بند کئے۔ دو سوراخ باقی رہ گئے آپ نے ان میں اپنے پاؤں رکھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کی آپ اندر آجائیں، رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے اور اپنا سر ان کی گود میں رکھا تو سو گئے تو حضرت ابوبکر سوراخ سے

”فلما اتھما الہ قال واللہ لا تدخلہ حتی ادخل قبلک فان کان فیہ شی اصابنی دونک فدخل فکسحہ ووجد فی جانبہ ثلثا فشق ازارہ وسدھا بہ فبقی فیہا النمان فالقمہما رجلہ ثم قال لرسول اللہ ﷺ ادخل فدخل رسول اللہ ﷺ ووضع راسہ فی حجرہ ونام فلدغ ابوبکر فی رجلہ من الحجر ولم يتحرك مخافة ان ينتبه رسول اللہ ﷺ فسقطت دموعہ علی وجہ رسول اللہ ﷺ فقال مالک یا ابا بکر قال لدغت فداک اہی وامی فتفعل رسول اللہ ﷺ فذهب ما یجدہ ثم اتعض علیہ وکان

سبب موتہ۔  
پاؤں میں ڈس لئے گئے لیکن انہوں نے

(منظری) رسول اللہ ﷺ کے بیدار ہونے کے خوف سے

پاؤں کو حرکت نہ دی (لیکن درد کی وجہ سے) آپ کے آنسو گرے اور رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر پڑے تو آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! تمہیں کیا ہو گیا۔ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں تو ڈس لیا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا لعاب لگایا تو آپ جو تکلیف پا رہے تھے وہ چلی گئی لیکن پھر اس کا اثر لوٹ کر آیا جو آپ کے وصال کا سبب بنا (یعنی آپ کو شہادت کا درجہ حاصل ہو گیا)۔“

{ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ }

تو اتاری اللہ نے سکینت (تسلی) ان پر۔

”علیہ“ کی ضمیر میں تین احتمال آتے کر یہ کہ وضاحت کے ابتداء میں بیان کر

دیئے گئے۔

{ وَأَيُّهَا بَجُنُودٌ لَّمْ تَرَوْهَا }

”اور امدادگی آپ کی ایسے لشکروں سے جن کو تم نے نہ دیکھا“

لشکروں سے مراد فرشتے ہیں، جو کافروں کے چہروں اور نظروں کو نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو دیکھنے سے پھیر رہے تھے۔

”روی ابو نعیم عن اسماء بنت ابی بکر“ ابو نعیم نے اسماء بنت ابی بکر سے روایت کی کہ بیشک ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو غار کے سامنے دیکھا تو عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں! بیشک ابھی فرشتے اپنے پروں سے اس کے آگے حجاب بن جائیں گے۔“

”روی ابو نعیم عن اسماء بنت ابی بکر ان ابی بکر رأى رجلا مواجہ الغار فقال یا رسول اللہ ﷺ انه یرانا قال کلا ان الملائکة یستره الآن باجنحتها۔“

(منظری)





نبی کریم ﷺ دن کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے ان کو یہ بتا آئے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی پھر رات کو اپنے گھر سے ہی نکلے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے لیا۔

”حضرت انس فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ مدینہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے (یعنی جب آپ نے ہجرت کی) تو آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھے، حضرت ابو بکر کو دیکھنے والا پہچان لیتا تھا اور نبی کریم ﷺ کو نہیں پہچانا جا رہا تھا۔ لوگ آپ سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ یہ غلام کون ہے تو آپ نے فرمایا: میرے ساتھ راہنما ہے جو مجھے راہ دکھاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں: جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سنگریزوں والی زمین (جس کا نام ہی حرہ ہے) میں اترے اور انصار کی طرف پیغام بھیجا تو وہ آگئے۔

”وأخبرنا ابن أبي شعبة وأحمد و البخاري عن انس رضي الله عنه قال أقبل النبي ﷺ إلى المدينة وهو يردف أبا بكر رضي الله عنه وهو شيخ يعرف والنبي ﷺ لا يعرف فكانوا يقولون يا أبا بكر من هذا الغلام بمن يدريك؟ فيقول هاد يهديني السبيل قال فلما دنونا من المدينة نزلنا الحرّة وبعث إلى الأنصار فجاءوا قال فشهدته يوم دخل المدينة فما رأيت يوماً كان أحسن منه وما رأيت يوماً كان أقبح ولا أظلم من يوم مات فيه النبي ﷺ۔“

(صحیح البخاری کتاب المناقب باب ہجرت النبی ﷺ إلى المدينة رقم الحدیث: 3699 و مسند احمد کتاب باقی السکونین باب مسند انس بن مالک رقم الحدیث: 12793 در منشور ج 4 ص 189)

فرماتے ہیں: جب ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو اس دن جیسا میں نے کوئی دن حسین نہیں دیکھا اور جس دن نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا اس دن جیسا قبیح اور تاریک دن میں نہیں دیکھا۔“

نبی کریم ﷺ تین دن فارثور میں رہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

بھی تین دن چھپے رہے، اگرچہ غار میں نہیں تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ پر قرآن کو حادث اور مخلوق نہ کہنے کی وجہ سے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۱۲۴ میں، میں بھی بعض اپنے احباب کے پاس تین دن تہ خانہ میں چھپا رہا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بغداد محاصرہ کے بعد فتح کر لیا گیا۔ مجھے عام لوگوں کا بھی خوف تھا اور خواص کا بھی جو بعض امور میری طرف منسوب کر رہے تھے اور منافقین کا بھی جو مجھ پر افتراء باندھ رہے تھے۔

(روح المعانی ج 6 ص 176 ص 97)

{ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ }

”اور کیا کافروں کی بات کو نیچے اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے۔“

کچھ آیہ کریمہ کے بیان کے شروع میں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف ایک چیز کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ کافروں کی بات سے مراد شرک ہے کہ رب تعالیٰ نے شرک کو پست کر دیا اور رب تعالیٰ کے کلمہ سے مراد ”لا الہ الا اللہ“ ہے۔

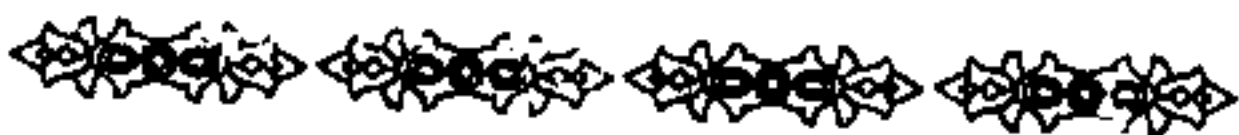
”عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال الرجل یقاتل شجاعة، ویقاتل حمیة، ویقاتل ریاء، فأی ذلک فی سبیل اللہ؟ قال من قاتل لعلکون کلمة اللہ ہی العلیا فهو فی سبیل اللہ۔“

”ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے پوچھا کہ ایک شخص جہاد کرتا ہے بہادری کیلئے اور ایک شخص جہاد کرتا ہے خاندانی حیثیت کی وجہ سے اور ایک شخص جہاد کرتا ہے ریاء (دکھلاوے) کے لئے اس میں سے کون سا اللہ کی راہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے جہاد کیا اللہ کے کلمہ کو بلند

(بخاری، کتاب العلم و مسلم کتاب الامارۃ، ترمذی والتسائی و ابوداؤد کتاب الجہاد اور منشور

ج 4 ص 190)

کرنے کیلئے وہی اللہ کی راہ میں ہے۔“



اعلیٰ حضرت محمد ﷺ

اور

شاہ عبدالقادر صاحب

کے علم کا

تفصیلی جائزہ

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ و شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ بھاشہ

راولپنڈی کے علم کا تقابلی جائزہ:

ایک کتاب ”زبدۃ التحقیق“ نظر سے گزری جس کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ کتاب دراصل اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رو ہے۔ ”زبدۃ التحقیق“ تصنیف ہے شاہ عبدالقادر صاحب کی۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا ثبوت قطعی ہے اور آپ کی افضلیت پر اجماع امت ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں:

”حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ظنی ہے اور اس پر کوئی اجماع نہیں۔“

ان دو مسئلہ پر شاہ صاحب نے بہت زور دیا ہے، ضمنی طور پر بھی بعض چیزوں کا ذکر کیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا نام لینے کے بغیر اشارۃً کنایۃً آپ کو خارجی کہا۔ آئیے! اس اجمال کی تفصیل دیکھئے:

قطعییت پر ارشاد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ:

آپ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث

”عرض علی عمر بن خطاب وعلمہ قمیص یجرہ قالوا لما اولت فلك يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال اللعن“

مجھ پر عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا اور وہ اپنی قمیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں۔ صحابہ کرم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے

اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا: دین۔ (ت) فرماتے ہیں:

”لئن سلمنا التخصیص به (ابی بالفاروق رضی اللہ عنہ) فهو معارض بالأحادیث الكثيرة البالغة درجة التواتر المعنوی الدالة علی افضلیة الصدوق رضی اللہ عنہ فلا تعارضها الاحاد ولنن سلمنا التساوی بین الدلیلین لکن اجماع السنة والجماعة علی افضلیة وهو قطعی فلا يعارضه ظنی (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب تفاضل اهل الايمان فی الاعمال، مطبوعہ دار الکتاب العربیة بیروت ج 1 ص 106)

”اگر ہم یہ تخصیص ان (یعنی فاروق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے، جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر دال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماع اہل سنت وجماعت افضلیت صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے؟“ (ت)

(نماوی رضویہ ج 5 ص 581 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اجماع کے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہما کا اجمالی قول:

تفصیل ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

”و زائدنا نوراً الی نور و رشاداً الی رشاد اجماع الصحابة الكرام والتابعین العظام كما نقله جمهور الائمة الاعلام، منهم مهدينا عبد الله بن عمر و ابو هريرة من الصحابة وميمون بن مهران من التابعین والأئمة الشافعی من الاتباع وغيرهم من لا يحصون لكثرتهم وحكاية ابن عبد البر لا معقولة فی الداربية ولا مقبولة فی

”اور ہمارے لئے نور پر نور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اجماع نے۔ جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے، جمہور ائمہ اعلام نے، ان میں عبد اللہ بن عمر اور ابو ہریرہ صحابہ میں سے میمون ابن مهران تابعین میں سے، امام شافعی تابعین میں سے، اور ان کے سوا جن کی گنتی نہیں ہو جہ ان کے کثرت کے اور ابن عبد البر کی حکایت

الروایۃ۔ نہ تو ازراہِ درایت معقول ہے اور نہ رولیت

مقبول ہے۔“

اس کی تفصیل ان شاء اللہ راقم نقل کرے گا، جیسا کہ آپ نے خود بھی فرمایا: ”کما حققناه فی مطلع القمرین“ ”جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی مطلع القمرین میں۔“ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۶۹، ص ۶۷۰، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع احادیث مبارکہ سے:

”حدثنا عبد العزيز بن عبد الله حدثنا سليمان عن يحيى بن سعيد عن نافع عن ابن عمر قال كنا نخبر من الناس في زمان رسول الله ﷺ فنخبر أبا بكر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان۔“

”سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم گروہ صحابہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں ابو بکر پھر عمر پھر عثمان کے برابر کسی کو نہ کہتے۔“ (اعلیٰ حضرت ﷺ) (صحیح بخاری باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ جلد اول ص 516، مطبوعہ مکتبہ خورشید کراچی)

وضاحت:

سب سے پہلے تو محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۵۶ھ کا عنوان دیکھئے جس کے تحت آپ نے یہ حدیث درج کی ہے وہ ہے ”باب فضل اہی بکر بعد النبی ﷺ“ علامہ قسطلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”قوله بعد النبي ﷺ المراد بالبعديۃ هنا الزمانية واما البعديۃ في المرتبة فيقال فيها الافضل بعد الانبياء ابوبكر، وقد اطبق على انه افضل الأمة حكي الشافعي وغيره اجماع الصحابة والتابعين على ذلك۔“ (قس، حاشیہ بخاری)

”امام بخاری رضی اللہ عنہ نے جو عنوان قائم کیا ہے یہ باب اس کے بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد فضیلت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے اس بعدیت (بعد ہونے) سے مراد بعدیت زمانی ہے یعنی نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کو سب لوگوں پر فضیلت حاصل

ہے۔ لیکن بعدیت رتی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سب انبیاء کرام کے بعد آپ ہی افضل ہیں۔ تحقیق اس پر اتفاق ہے کہ بیشک امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق ہیں امام شافعی وغیرہ نے بیان فرمایا ہے کہ اس پر صحابہ کرام اور تابعین کا اجماع ہے۔“

”وزاد طبرانی فسمع النبی ﷺ ولا یکرہ۔“ (توشیح بین السطور) کریم ﷺ نے اسے سنا لیکن ناپسند نہیں فرمایا۔“

(سبحان اللہ!! کیا ہی خوب بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سن کر خاموشی اختیار کی، ناپسند نہیں فرمایا۔ لہذا یہ حدیث تقریری مرفوع ہے۔ نبی کریم ﷺ کا حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کو حدیث تقریری سے ثابت کر دینا تمام شکوک و شبہات کے زائل کر دینے کیلئے کافی ہے بشرطیکہ دل رخص سے پاک ہو۔)

”حدثنا عثمان بن ابي شيبة حدثنا اسود بن عامر حدثنا عبد العزيز بن ابي سلمة عن عبيد الله عن نافع عن ابن عمر قال كنا نقول في زمن النبي ﷺ لا نعدل بابي بكر احدا ثم عمر ثم عثمان ثم نترك اصحاب النبي ﷺ لا نفاضل بينهم۔“ (البرداء و جلد ثانی باب فی التفصیل)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہی کسی ایک کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں کرتے تھے۔ پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم کے برابر نہیں کرتے تھے، اس کے بعد اسی طرح ہم چھوڑ دیتے کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔“

”حدثنا احمد بن صالح حدثنا عبيدة حدثنا يونس عن ابن شهاب قال قال سالم بن عبد الله ان ابن عمر قال كنا نقول وبسول الله ﷺ حتى افضل امة النبي ﷺ بعده ابو بكر ثم عمر ثم عثمان (رضی اللہ عنہم)۔“

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کی (ظاہری) حیات میں کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد آپ کی امت میں افضل ہیں ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان (رضی اللہ عنہم)۔“

عثمان۔

(ابوداؤد باب التفصیل)

(ماخوذ من مطلع القمرین)

حدیث میمون بن مهران تابعی:

”ومنہم میمون بن مهران من فقہاء التابعین سنل ابوبکر وعمر افضل امر لا فلف شعرة وارتعدت فرائضه حتى سقطت عصاه من یدہ وقال ما كنت اظن ان اعش الی زمان یفضل العاس احدا علی ابی بکر وعمر او کما قال رواہ ابو نعیم عن فرات بن السائب“

اور ان میں سے (جن سے اجماع ثابت ہے) حضرت میمون ابن مهران جو کہ فقہاء تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر و عمر افضل ہیں یا علی؟ تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ جیوں گا جس میں لوگ ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت دیں گے یا جیسا کہ انہوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابو نعیم نے فرات بن سائب سے۔“

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 676 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اعلیٰ حضرت رسول اللہ کی اور دلیل:

”فان رأیت شہنا من کلمات المتأخرین تأہی هذا النور المبہن فاعلم ان تغطية هذا البعض غیر من تغطية احد الفريقین من ائمة الدین لاسیما العائلین بالتطم فہم العمد الکبار للہن الحنیف وہم تشہد ارکان الشرع المنیف فمنہم من ہو

”تم اگر دیکھو کلمات متاخرین میں کوئی عبارت اس نور مبہن (اجماع افضلیت صدیق) سے اباء (انکار) کرتی ہے تو جان لو اس بعض کو خاطمی جاننا بہتر ہے اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطمی ٹھہرایا جائے، خصوصاً وہ ائمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی



اولہم وأولہم سیدہم ومولہم واكثرہم  
 للتفضیل تفصیلاً واشدہم علی المخالف  
 تنکیلاً سیدنا المرتضیٰ اسد اللہ العلی  
 الاعلیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اذ قد  
 تواتر عنہ فی ایام امامتہ وکرمی زعامتہ  
 تفضیل الشیخین علی نفسہ وعلی سائر  
 الامۃ ورمی بہا بین اکتاف الناس و  
 ظہورہم حتی جلی ظلام شکوک مدلہمة  
 روی الدار قطنی عنہ رضی اللہ عنہ قال لا  
 اجد احداً فضلی علی ابی ہکر وعمر الا  
 جلدتہ حد المفتوی۔

کہتے ہیں: اس لئے کہ وہی دین حنیف  
 کے بڑے ستون ہیں اور انہیں سے شرع بلند  
 و برتر کے ستون قائم ہیں تو ان میں سے ایک  
 وہ ہیں جو سب سے اول و اولیٰ اور ان سب  
 کے سید و مولیٰ اور مسئلہ تفصیل کو سب سے  
 زیادہ بیان کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا  
 کا خوف دلانے والے "سیدنا علی المرتضیٰ  
 رضی اللہ عنہ" بلند و بالا کے شیر کرم اللہ وجہہ الکریم اس  
 لئے کہ ان کے ایام خلافت اور کرسی  
 زعامت (حاکمیت) میں ان کا شیخین ابو بکر  
 و عمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا  
 تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں  
 اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے  
 سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں  
 تک کہ تیرہ و تار (سخت تاریک) شبہات کی  
 اندھیری کو دور کر دیا، دار قطنی نے اسی جناب  
 سے روایت کیا، فرمایا: میں کسی کو نہ پاؤں گا جو  
 مجھے ابو بکر و عمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس  
 کو مفتوی کی حد ماروں گا۔

(الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی، الباب  
 الثالث، الفصل الاول)

اعلیٰ حضرت محمد ﷺ حدیث کی صحت کے متعلق یوں فرماتے ہیں:

”اس فن کے سلطان حضرت ابو عبد اللہ ذہبی  
 نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔“

”قال سلطان الشأن ابو عبد اللہ الذہبی  
 حدیث صحیحہ“

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اس پر مزید تبصرہ یوں فرماتے ہیں:

”قلت انظر الى هذا الوعيد الشديد افتراه معاذ الله مجتراً على الله تعالى في اجراء الحدود مع تعارض الظنون وهو الراوى عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم ادرفا الحدود“  
 (اخرجه عن الدارقطني كتاب الحدود الديات) (وابن عثيمين) ابي سنن الكبري لبيهي، كتاب الحدود باب ما جاء في درء الحدود بالشبهات دار صادر بيروت 238/8)  
 ”میں کہتا ہوں اس وعید شدید کو دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کرو گے پناہ خدا اللہ تبارک و تعالیٰ پر جرأت کرنے والا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا حدود کو دفع کرو۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے بیہتی اور دارقطنی نے روایت کیا۔“

اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مسلمانوں کے لئے کوئی راہِ خلاص پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لئے کہ امام کا درگزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ام المؤمنین (حضرت عائشہ) صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔“

”وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم ادرفا الحدود عن المسلمين ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجاً فخلوا سبيله فان الامام ان يخطى في العفو عمن ان يخطى في العقوبة  
 رواه ابن ابي شيبة كتاب الحدود باب في درء الحدود بالشبهات، رواه الترمذی باب ما جاء في درء الحدود والحاكم، والمستدرک للحاكم كتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مخرجاً والبيهقي في السنن كتاب الحدود باب ما جاء في درء الحدود بالشبهات عن أم المؤمنين الصديقة رضي الله عنها“

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے کلام سے فائدہ یہ حاصل ہوا:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا انکار کرنے والوں کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے لگانے کا عزم فرمایا۔

یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اجماع کی مخالفت لازم آرہی ہو۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جہاں تک ہو سکے حد ساقط کی جائے۔ (ہاں! کوئی شبہ نہ ہو تو حد نافذ کر دی جائے۔)

اجماع کے خلاف کچھ متاخرین کی عبارات ملتی ہیں، وہ تین چار سو سال بعد میں پیدا ہونے والوں کی۔ اگر متاخرین کی کچھ عبارات اجماع کے خلاف ملیں تو ان کو چھوڑ دینا آسان ہے لیکن صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین کی مخالفت کرنی مشکل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو یوں رد کیا گیا:

بخاری اور ابوداؤد کی روایت جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں جو حدیث ابھی پیچھے گزری اس کے متعلق یوں کہا گیا:

”دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے تھے، اس لئے ان کا شمار فقہاء صحابہ میں نہیں ہوتا تھا مگر اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن مسعود جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مدتوں پہلے پہلے مسلمان ہوئے تھے، آپ تاریخ اسلام میں چھٹے مسلمان تھے۔“

اس پر حوالہ اکمال فی اسماء الرجال، ولی الدین تمیزی رحمہ اللہ کا دیا گیا۔ اصل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعارض روایت مذکورہ کتاب سے لی گئی:

”روی شعبۂ عن ابن اسحاق عن عبد الرحمن بن یزید عن علقمة عن عبد اللہ بن مسعود قال ما کنا نتحدث ان افضل اهل المدينة علی ابن ابی طالب۔“

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سے افضل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔“

(زبدۃ التحقیق ص 241-242)

آئیے! حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فقیہ و مجتہد ہونا دیکھئے:

”منار“ میں ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود نسفی فرماتے ہیں:

”والراوی ان عرف بالفقه والتقدم فی الاجتهاد كالخلفاء الراشدين والعبادة كان حدیثه حجة یترک به القیاس“

”راوی اگر فقہ میں معروف و مشہور ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی اس کے مقابل و معارض قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔“

”عبادۃ“ کی شرح نور الانوار میں دیکھئے:

”العبادة وهو جمع عبد مراد عبد الله والمراد بهم عبد الله بن مسعود وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس وقيل عبد الله بن زبير“

”عبادۃ جمع ہے عبد کی جو مرخم ہے عبد اللہ کا۔ ان سے مراد عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمر، اور عبد اللہ بن عباس ہیں۔“

(نور الانوار، کتاب السنہ بیان احوال الراوی ص 182)

شرح کے قول عبد اللہ بن زبیر پر حاشیہ ”قمر الاقمار“ دیکھئے:

”بعض حضرات نے کہا: ”عبد اللہ بن زبیر“ عبد اللہ بن مسعود کی جگہ ہیں۔ بیشک عبد اللہ بن مسعود فقہاء و مجتہدین میں سے نہیں اسی طرح فیروز آبادی نے قاموس میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن ہمام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ

وقيل عبد الله بن زبير ابي بدل عبد الله بن مسعود فان عبد الله بن مسعود ليس منهم“ کذا قال الفيروز آبادی فی القاموس وقال ابن الهمام انه ايضا مشهور بالفقه والتقدم“ والفتوى فهو اولی بالدخول

تحت العبادة وقال الكرمانی الهم اربعة  
عبد الله بن زبير و عبد الله بن عباس  
و عبد الله بن عمرو و عبد الله بن عمرو بن  
العاص۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود فقہ اور تقدم فی  
الاجتهاد اور فتویٰ میں مشہور تھے، اس لئے ان  
کا عبادہ میں داخل ہونا بہتر ہیں۔ کرمانی  
فرماتے ہیں: عبادہ چار ہیں: عبد اللہ بن  
زبير، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو اور عبد  
اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم۔“

(حاشیہ قمر الاقمار)

نتیجہ واضح ہے:

کہ حضرت عبد اللہ بن عمر بالاتفاق فقیہ و مجتہد ہیں لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود  
کے فقیہ و مجتہد ہونے میں اختلاف ہے، اگرچہ معتبر قول ابن ہمام رضی اللہ عنہ کا ہی ہے۔  
احادیث کے الفاظ میں فرق دیکھئے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے:

”کنا نقول ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم حتى افضل امة  
النبي صلی اللہ علیہ وسلم بعده ابوبکر ثم عمر ثم  
عثمان۔“  
سب سے افضل حضرات ابوبکر پھر عمر پھر  
عثمان۔“ (بخاری)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

”کنا نحدث ان افضل اهل المدينة على  
ابن ابي طالب“  
”ہم بیان کرتے تھے کہ اہل مدینہ سے افضل  
علی ابن ابی طالب ہیں۔“

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی ذکر نہیں، طبرانی کی عبد اللہ بن  
عمر کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں روکتے نہیں تھے لیکن حضرت عبد اللہ  
بن مسعود کی روایت میں یہ کوئی ذکر نہیں جس میں قوی احتمال یہی ہے کہ یہ تینوں اصحاب

کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں خلفشار کے وقت کی بات ہے کہ اس وقت ہم اہل مدینہ میں سب سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے تھے۔ پھر اہل مدینہ کی قید اور حضرت ابن عمر کی حدیث مطلق مدینہ کی قید کے بغیر بھی نمایاں فرق کو بیان کر رہی ہیں۔

آئیے! عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عمر بھی دیکھئے:

”قال الزبير هاجر وهو ابن عشر سنين“  
 (تہذیب التہذیب)

”حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت عبداللہ بن عمر نے ہجرت کی تو اس

وقت ان کی عمر دس سال تھی۔“

تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی عمر بیس سال تھی۔

”شرط الاجتهاد ان يحوى علم الكتاب  
 بمعانيه اللغوية والشرعية ووجوه العي  
 من الخاص والعام وعلم السنة بطرقها  
 وان يعرف وجوه القياس بطرقها۔“  
 (منار ونور الانوار بالاختصار)

”اجتہاد کی شرط یہ ہے قرآن پاک کا علم ہو اس کے معانی لغویہ اور شرعیہ خاص و عام کو جانتا ہو اور حدیث پاک کے طریقوں کو جانتا ہو اور قیاس کو جانتا ہے۔“

کیا بیس سال کی عمر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی ان چیزوں کو نہیں سمجھتے تھے؟ کیا ہی عجیب بات ہے اس سے بھی بڑھ کر عجیب سے عجیب تر بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیس سال تک درجہ اجتہاد کو نہ پہنچے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا امام مالک تین سال میں یاد کیا ہوگا اور آپ کی عمر شریف دس (۱۰) سال ہوگئی اور آپ کے شعور پر بلوغت کا دور آ گیا ہوگا۔ اور جب آپ فتویٰ دینے کے اہل بھی ہو گئے ہوں عمر شریف ۱۵ سال ہوگئی ہوگی۔ (زبدۃ التحقیق ص ۳۰۶، ص ۳۰۷)

یعنی جی چاہے تو پندرہ سال کا مفتی (فقہ) مان لیا جائے اور نہ جی چاہے تو بیس سال کے صحابی کو فقہ و مجتہد نہ مانا جائے جیسے اصولیین خواہ اصول حدیث والے

ہوں یا اصول حدیث والے ہوں یا اصول فقہ والے ہوں مجتہد مان چکے ہوں کسی اور کے ماننے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں۔

اجماع افضلیت ابی بکر پر سلف صالحین کے اقوال:

کتب اصول میں اس مسئلہ پر بتصریح اجماع نقل کیا یا بلا ذکر خلاف اسے

مذہب اہل سنت قرار دیا۔

(۱) امام علام ابوزکریا محی السنۃ والدین نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح صحیح مسلم شریف جلد ثانی کتاب فضائل صحابہ میں فرماتے ہیں:

”اتفق اہل السنۃ علی ان افضلہم ابو بکر  
ثم عمر“  
اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ بیشک سب صحابہ سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں۔

(۲) اور فرماتے ہیں:

”قال ابو منصور البغدادی اصحابنا ابو منصور بغدادی فرماتے ہیں: ہمارے  
مجمعون علی ان افضلہم الخلفاء الاربعة اصحاب کا اجماع ہے اس پر کہ بیشک سب  
علی الترتیب المذكور“ صحابہ سے افضل چار خلفاء (چار یار) ہیں۔

ترتیب مذکور پر (نووی شرح مسلم کتاب فضائل الصحابہ) ترتیب مذکور واضح  
کہ سب سے افضل حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی  
(رضی اللہ عنہم) ہیں۔

(۳) تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں:

اجمع اہل السنۃ علی افضلہم علی ”اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ بے شک  
الاطلاق ابو بکر ثم عمر سب صحابہ سے افضل مطلقاً حضرت  
(نووی شرح مسلم کتاب فضائل الصحابہ) ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر (رضی اللہ عنہما)۔

(۴) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

”الافضل بعد الانبياء عليهم الصلوة و السلام ابو بكر رضی اللہ عنہ وقد اطبق السلف علی انه افضل الامة حکى الشافعى وغيره اجماع الصحابة والتابعين على ذلك“  
 ارشاد الساری شرح صحیح بخاری باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ حدیث 3655 دار الفکر بیروت

سب انبیاء کرام کے بعد افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اس پر سلف صالحین کا اتفاق ہے کہ بیشک آپ سب امت سے افضل ہیں، امام شافعی وغیرہ نے صحابہ اور تابعین کا اس پر اجماع بیان کیا ہے۔

(430/6)

سبحان اللہ! صحابہ کرام اور تابعین کا تو اجماع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے پر لیکن ابھی تک لوگ شک میں ہیں بلکہ اجماع کی نفی کا یقین کئے بیٹھے ہیں۔

(5) مواہب لدنیہ و فتح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

افضلهم عند اهل السنة اجماعا ابو بكر ثم عمر  
 اہل سنت کا اجماع اس پر کہ سب صحابہ سے افضل حضرت ابو بکر ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہما۔

(المواہب للذنیہ المقصد السابع الفصل الثالث فی ذکر عہد اصحابہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2/545)

دلائل الخیرات کی شرح میں فرماتے ہیں:

”الاجماع علی فضیلة سیدنا ابی بکر ”سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت الصدیق رضی اللہ عنہ علی سائر الصحابة پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔“  
 رضی اللہ عنہم“

(مطالع السمرات شرح دلائل الخیرات مکتبہ نوریہ رضویہ لائل پور (فیصل آباد) پاکستان ص 147)

محشی حضرات نے لکھا: نوٹ کتاب میں اس طرح ہے ”والاجماع علی

افضلیتہ علی سائر الصحاب“



(۶) علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ زواج میں فرماتے ہیں:

”اجمع اهل السنة والجماعة على ان افضلهم العشرة المشهود لهم بالجنة على لسان النبي صلی اللہ علیہ وسلم في سياق واحد و افضل هولاء ابو بكر فعمرو“

(الزواج عن اقتراف الكبار الكبيرة الرابعة والخامسة والستون بعد الاربعة مائة 334/3)

(۷) بستان فقیہ ابواللیث میں ہے:

”قال محمد بن الفضل اجمعوا على ان عمر هذه الامة بعد نبينا صلی اللہ علیہ وسلم ابو بكر ثم عمر الخ“

(بستان العارفين الباب السادس والعشرون بعد المائة في القول في الصحابة دار الكتاب العلمية بيروت ص 129)

(۸) فضلی کفایۃ العوام میں فرماتے ہیں:

”يجب اعتقاد ان اصحابه صلی اللہ علیہ وسلم افضل القرون ثم التابعون و افضل الصحابة ابو بكر فعمرو فعثمان فعلى على هذا الترتيب“

(کفایۃ العوام دار کتب العلمیہ بیروت ص 185)

(۹) علامہ باجوری شرح میں فرماتے ہیں:

اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ سب صحابہ کرام سے افضل دس صحابہ کرام ہیں جن کے جنتی ہونے کی شہادت دی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ایک سیاق (ایک ارشاد میں) اور ان دس (یعنی العشرة المبشرة) سے افضل حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

امام محمد بن فضل فرماتے ہیں (اہل سنت) کا اس پر اجماع ہے کہ بیشک اس امت کے بہتر (افضل) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

واجب ہے اعتقاد رکھنا کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام امتوں سے افضل پھر تابعین اور سب صحابہ سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان اسی ترتیب پر یعنی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم

قوله وفضل الصحابة ابوبكر الخ هذا ما عليه اهل سنة " ابو بكر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم ہیں، اسی پر

(تحقیق المقام شرح کفایۃ العوام دار الکتب اہل سنت کا اجماع ہے۔"  
العلمیۃ بیروت ص 185)

(۱۰) سید شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ سرہ الشریف "تکمیل

الایمان" میں فرماتے ہیں:

جمہور ائمہ دین دریں باب اجماع نقل "تمام ائمہ دین نے اس باب (ترتیب  
افضلیت خلفائے راشدین میں) اجماع نقل

کنند (تکمیل الایمان باب فضل الصحابۃ اربعہ یکدیگر  
بدر مقام الرحیم اکیڈمی کراچی ص 135)

(۱۱) قصیدہ بدء الامالی میں ہے:

وللصدیق رجحان جلی علی الاصحاب  
من غیر احتمال

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ پر  
افضلیت بہت واضح ہے، اس میں کوئی شک  
و شبہ نہیں۔

(قصیدہ بدء الامالی بیت 34 ص 9 مکتبہ حقیقت  
کتابوی استنبول ۲۰۰۰)

(۱۲) شرح میں ہے:

"حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی واضح  
افضلیت دلائل سمعیہ (یعنی قرآن و حدیث)  
اور اجماع امت سے ثابت ہے تو جس شخص  
نے انکار کیا تو قریب ہے کہ اس کا ایمان  
خطرے میں ہو۔"

"رجحان جلی ہی فضل واضح ثابت  
بالدلائل السمعیۃ واجماع الامۃ فمن انکرہ  
یوشک ان فی ایمانہ خطرا"

(شرح بدء الامالی بیت 34 کے تحت)

شرح بدء الامالی پر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں وضاحت کی:

میں بیان کرتا ہوں کہ شارح رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ جس نے (افضلیت کا) انکار کیا اس کا ایمان خطرہ میں ہے، اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تینوں حضرات یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم پر فضیلت دی اس کا ایمان خطرہ میں ہے۔ اگر کسی نے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی تو اس کا یہ حکم نہیں اس لئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اتفاق نہیں کہ اس کے رد کرنے یا نہ کرنے پر اتفاق ہوا ہو بلکہ اس میں اختلاف ہے بعض نے توقف کیا اور بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی اور بعض نے اس کے برعکس (اسکے خلاف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دی، اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہی صحیح مذہب ہے جس میں کامیابی کی راہ ہے اور وہی جمہور کا مسلک ہے۔“

اقول اراد بذلك تفضيلهم امير المؤمنين عليا علي هولاء الثلاثة الكرام جميعا لا علي سبيل الانفراد اذ تفضيل علي عثمان ليس مما اتفق علي رده و طرده كلمات اهل السنة بل منهم من وقف ومنهم من فضل ومنهم من عكس وان كان تفضيل عثمان هو المذهب المنصور ومشرى الجمهور والله اعلم منه“

(ماخوذ از مطلع القمرین فی اہل بیت سبقتہ عمرین ص 160 تا ص 164 بح حواشی مطبوعہ مکتبہ بہار شریعت لاہور)

سبع سائل سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے چند اقتباسات حاصل کئے:

①: واجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام بعد از انبیاء ابو بکر صدیق است و بعد از دے انسانوں میں افضل ابو بکر صدیق ان کے بعد

عمر فاروق است و بعد از وہ عثمان ذی النورین اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ہیں اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو۔“

(سبع شامل سنبلہ اول در عقائد و مذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص 7)

۲: فضل ختمین از فضل شیخین کمتر است  
بے نقصان و قصور  
(سبع شامل ص 10)

ختمین (عثمان غنی و علی المرتضیٰ) کی فضیلت  
شیخین (صدیق و فاروق) سے کم ہے مگر اس  
میں کوئی نقص اور خامی نہیں (ت)

۳: اجماع اصحاب و تابعین و تبع تابعین  
و سایر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ  
است (سبع شامل ص ۱۰)

صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اور تمام علمائے  
امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے۔

۴: مخدوم قاضی شہاب الدین در تیسیر  
الاحکام بنوشت کہ بیچ ولی بدرجہ بیچ پیغمبرے  
نرسید زیرا کہ امیر المؤمنین ابو بکر بحکم حدیث  
بعد پیغمبران از ہمہ اولیاء برتر است و او بدرجہ  
بیچ پیغمبرے نرسید و بعد او امیر المؤمنین عمر بن  
خطاب است و بعد او امیر المؤمنین عثمان بن  
عفان است و بعد او امیر المؤمنین علی ابن  
طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین کسیکہ امیر  
المؤمنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج است  
و کسیکہ او را بر امیر المؤمنین ابو بکر و عمر تفصیل  
کند او از روافض است۔“

مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الاحکام  
میں لکھا: کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ  
سکتا کیونکہ حدیث کی رو سے صدیق اکبر کے  
بعد امیر المؤمنین عمر بن خطاب ان کے بعد  
امیر المؤمنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد  
امیر المؤمنین علی ابن طالب کا مقام ہے، اللہ  
تعالیٰ ان سب پر راضی ہو جو شخص  
امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کو خلیفہ نہ مانے  
وہ خارجیوں میں سے ہے اور جو آپ کو  
ابو بکر و عمر کے بعد سے افضل جانے وہ رافضیوں  
میں سے ہے۔“

ازینجا باید دانست کہ در جہاں نہ ہجو مصطفیٰ  
 علیہ السلام پیرے پیدا شدونہ ہجو ابو بکر مرید سے  
 ہویدا گشت۔ اے عزیز! اگرچہ کمالیت  
 فضائل شیخین بر حمتین مفرط و فائق اعتقاد باید  
 کردامانہ برو جہی کہ در کمالیت فضائل حمتین  
 قصورے و نقصانے بخاطر تورسد بلکہ فضائل  
 ایساں و فضائل جملہ اصحاب از عقول بشریہ  
 و افکار انسانیہ بالاتراست  
 (سبع شامل ص 14-15)

پس اجماع صحابہ کہ انبیاء صفت  
 بر تفصیل شیخین واقع شدہ و مرتضیٰ نیز دریں  
 اجماع متفق و شریک بود مفعلہ در اعتقاد خود  
 غلط کردہ است اے خان و مان مائدائے نام  
 مرتضیٰ بادو الے دل و جان ماٹار اقدام بر ترضی  
 در دلش نباشد و کدام راندہ در گاہ مولیٰ کہ  
 اہانت اور ادارہ، مفعلہ گمان بردہ است کہ  
 نتیجہ محبت با مرتضیٰ تفصیل اوست بر شیخین  
 و امید اند کہ ثمرہ محبت موافقت ست با او نہ  
 مخالفت کہ چوں مرتضیٰ فضل شیخین و ذی  
 النورین را بر خود ردا داشت و اقتداء با ایساں  
 کرد و حکمائے عہد خلافت ایساں را احتمال  
 فرمود شرط محبت با او آں باشد کہ در راہ و روش  
 جب انبیاء جیسی صفات کے حامل صحابہ کرام  
 کا اجماع واقع ہو گیا کہ شیخین کریمین افضل  
 ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس اجماع  
 میں شامل اور متفق تھے فرقہ تفضیلیہ نے خود  
 اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔ میرا گھر  
 بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر فدا اور میری  
 جان و دل آپ کے قدموں پر قربان  
 ہوں، کون ازلی بد بخت ہے جس کے دل  
 میں محبت مرتضیٰ نہیں ہے اور کون ہے ہار گاہ  
 خداوندی کا دھکارا ہوا جو توہین مرتضیٰ کو روا  
 رکھتا ہے مفعلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان  
 کیا ہے کہ محبت مرتضیٰ کا تقاضا آپ کو شیخین  
 پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ

باو موافق باشد نہ مخالف۔

آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت جب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا ان کی اقتداء کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ و روش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت (ت)

(سبع سنابل ص 17)

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 486 تا 489 مطبوعہ رضاء فاؤنڈیشن لاہور)

سبع سنابل کی عبارات سے سمجھ آیا:

اجماع ہے خلفائے راشدین کی بالترتیب افضلیت پر۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اس پر اجماع ہے۔ صحابہ تابعین تبع تابعین اور تمام علمائے کرام کا اجماع ہے اس عقیدہ پر کہ خلفائے راشدین کی بالترتیب افضلیت پر اور اس پر کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پر۔

کوئی ولی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچتا:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی کسی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچے۔ اسی سے شیعہ کا یہ قول باطل ہو گیا۔ ... حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتنے لوگوں کو کلمہ پڑھایا جتنے لوگوں کو کسی نبی نے بھی نہیں پڑھایا..... ایسا قول حقیقت میں انبیاء کرام کی گستاخی ہے، ایسے لوگ شان اہل بیت کی آڑ میں گستاخ انبیاء کرام ہیں۔

اور یہ کہنا بھی حماقت ہے کہ..... امام مہدی رضی اللہ عنہ آئیں گے تو اسلام

پھیلائیں گے جو کام نبی کریم ﷺ نہ کر سکے..... ”العیاذ باللہ“ راقم تو ایسے کلمات سن کر کانپ اٹھتا ہے کہ کیسے جاہل لوگ مبلغ بنے بیٹھے ہیں۔  
سینوں اور شیعوں کا فرق سمجھ آ گیا:

اہل سنت وہی کہتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے افضل حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور اہل سنت اپنے گھریار اور دل و جان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر قربان کرتے ہیں محبت کرتے ہیں لیکن فضیلت کا درجہ وہی دیتے ہیں جو احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

شیعہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو موقوف کر رکھا ہے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر ان کو افضل ماننے پر۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ حضرت ابوسفیان اور حضرت ہند رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرنے والے محبت علی المرتضیٰ نہیں بلکہ وہ دین کے باغی ہیں۔ گستاخی صحابہ کرام سے شان اہل بیت حاصل نہیں ہوتی۔

ایسی شان اہل بیت بیان کرنے والے ذلیل ہی ہوتے ہیں کبھی اپنے دفاع میں تقیہ سے کام لیتے ہیں اور کبھی اپنے حواریوں میں کھل کر بات کرتے ہیں۔  
اجماع کے خلاف شاہ عبدالقادر صاحب کی دلیل:

علامہ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (۲۷/۳) پر لکھا ہے:

”وروی عن سلمان و ابی ذر و المقداد و عہاب و جابر و ابی سعید خدری و زید بن ارقم ان علی ابن ابی طالب اول من اسلم و غنمہ ہولاء علی غیرہ“  
 ترجمہ: حضرت سلیمان فارسی ابو ذر غفاری مقداد بن اسود و عہاب بن الارت و جابر بن عبداللہ انصاری و ابوسعید خدری و زید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا گیا ہے کہ علی بن ابی

طالب علم پہلے شخص ہیں جو مسلمان ہوئے اور یہ لوگ انہیں حضرت علی المرتضیٰ کو دوسرے صحابہ سے افضل سمجھتے تھے۔ (زبدۃ التحقیق ص ۲۱۰)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ابن عبدالبر کا پہلے ہی رد کر چکے ہیں:

آپ فرماتے ہیں: ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ آدمی مطلب کی بات کو نہایت دور راہ حق سے مبہور ہو کس قدر جلد مرجبا کہہ کر لیتا ہے اور خلاف مقصود کو اگرچہ کسی قدر جلی و صریح و روشن اور دلائل ساطعہ کے جزاؤ گہنوں سے سر تا پا مزین ہو ہرگز مسند قبول پر جگہ نہیں دیتا۔

زبدۃ التحقیق میں بھی اسی پر عمل کیا گیا:

احادیث کو تو میں نہ مانوں یہ قابل توجیہ ہیں، ان میں احتمالات ہیں لیکن ابن عبدالبر کے مرجوح اقوال کو نص قطعی کا درجہ دے کر قبول کر لیا۔  
اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ نے ابن عبدالبر کے قول کو بڑی تفصیل سے رد کیا۔ شاہ صاحب نے مردود قول کو پھر دلیل بنا کر کونسا کارنامہ سرانجام دیا بلکہ اہل علم کی نظر میں اپنے آپ کو گرا دیا۔

رد کی وجہ اول:

عزیز وا! اتنا تو خیال کر لیا ہوتا کہ ابو عمر بن عبدالبر سے پہلے ہزار ہائے دین و علمائے محدثین گزرے وہ ناقدین جن کی عمر عزیز تجسس اخبار و تفحص آثار میں گزری منزلوں منزلوں جمع علوم متفرقہ کیلئے مسافرت کی اسی تنقیح و تفتیش میں رات کے سونے دن کے کھانے کا حظ نہ اٹھایا۔ اسی تلاش و کنکاش میں اپنا چین و آرام یک لخت ترک فرمایا یہاں تک کہ ان کی متین کی پشت پناہ ٹھہری اور انہیں کی بانٹی ہوئی دولت بقدر حصہ ابن عبدالبر کو ملی۔

اگر یہ روایت درحقیقت صحیح و معتبر ہوتی تو سخت تعجب کہ وہ اکابرین اس سے



محض غافل جائیں اور برابر بے ذکر خلاف اجماع اصحاب و تابعین کی تصریحیں فرمائیں اور ساڑھے تین سو کے بعد ابن عبدالبر اس پر آگاہی پائیں مگر شیخ محقق کا ارشاد نہ سنا کہ جمہور ائمہ دریں باب اجماع نقل کنند:

①: آخر متاخرین کو علوم روایات سے جو کچھ پہنچتا ہے متقدمین ہی کے واسطے سے ملتا یا بیچ میں چند صدی کا طغمرہ کراتا ہے۔ اب دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ روایت ان اکابر کو جو ابن عبدالبر کے بھی ائمہ و مشائخ ہیں، پہنچی اور ”عیاذاً باللہ“ ان سب نے اس کو چھپانے پر اتفاق کر لیا۔ جب تو سخت مصیبت ہے، ایسا دعویٰ کرنے والا اپنے دین سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آخر تمام شرع شریف قرآن و حدیث جو کچھ پہنچا انہیں حضرات کے واسطے سے پہنچا۔ جب یہاں انہوں نے ایک روایت کی کتمان پر اتفاق کر لیا، امان اٹھ گیا۔ کیا معلوم ایسے ہی اور آیات و احادیث چھپا ڈالی ہوں وہی رافضیوں والا مذہب آگیا کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید میں بہت تبدیل و تنقیص کر دی ”اعوذ باللہ من وساوس الشیطان اللعین“ (اللہ کی پناہ شیطان لعین کے وسوسوں سے)

②: یا یہ ہوا کہ انہوں نے اس پر اطلاع پائی اور اپنی بصیرت ناقده و قریحہ و قندہ سے اس کہ بے اعتباری و ناسزاواری دریافت کر لی لہذا اس کی جانب التفات نہ کیا اور اسے خلل انداز اجماع نہ سمجھا تو اب ایک ابن عبدالبر کے کہنے سے اکابر ائمہ کا نام معتبر سمجھنا کیونکر مدفوع ہو سکتا ہے بڑی وجہ اس خدشہ و اہمیہ کے دفع کی توبہ ہے۔

تقریباً الفاظ میں مطلب سمجھئے:

ابن عبدالبر سے پہلے محققین علماء کرام گزر چکے۔ ابن عبدالبر تو ساڑھے تین سو

سال بلکہ چار سو سال بعد آیا۔ اگر اس کی روایت کو سلف صالحین نے نہیں لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا ان تک روایت پہنچی لیکن اسے جان بوجھ کر اسے چھپا لیا اس طرح تو دین پر اعتبار اٹھ جائے گا کہ انہوں نے کئی اور روایات کو بھی چھپا لیا ہوگا، یہ تو رافضیوں والا عقیدہ ہے جیسے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے قرآن پاک میں بہت تبدیلی اور کمی کر دی (العیاذ باللہ)

اور اگر یہ کہا جائے کہ سلف صالحین کو یہ روایت ملی انہوں نے جب اس میں غور و خوض کیا تو وہ روایت قابل اعتبار نہ سمجھی ہو تو اسے چھوڑ دیا ہو۔ حق بھی یہی ہے کہ مرجوح روایات اور غیر معتبر اقوال کو رد کر دیا جائے تفصیلیوں کے کمزور اعتراض کے رد کرنے کی یہی کامل وجہ ہے اور شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے تمام ائمہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع نقل کیا ہے، ائمہ کرام کے اجماع کے بعد ابن عبد البر کی روایت بے اثر ہو گئی۔



(آئیے!! ائمہ کرام کے اقوال و اعتقاد دیکھئے)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یعنی تابعی کا عقیدہ و ارشاد:

آپ ارشاد فرماتے ہیں:

افضل الناس بعد رسول ﷺ ابو بکر  
صدیق ثم عمر ثم عثمان بن عفان ثم  
علی ابن ابی طالب  
”رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے  
افضل حضرت ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت  
عمر بن خطاب، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت  
علی رضی اللہ عنہ ہیں۔“  
(نقا کبر ص 4)

صحابی رسول اللہ ﷺ کا عقیدہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عقیدہ:

سئل انس بن مالك عن اهل السنة و الجماعة فقال ان تحب الشيخين ولا تطعن في الختین وتمسح علی الختین

حضرت انس بن مالک بن نضر انصاری حزر جی خادم رسول اللہ ﷺ سے اہل سنت و جماعت کی علامات پوچھی گئیں تو آپ نے فرمایا: کہ تم شیخین (یعنی حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما) سے محبت کرو اور ختین (یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) پر کوئی طعن نہ کرو اور موزوں پر مسح کا اعتقاد رکھو

(شرح عقائد مع نبراس ص 559 تا وی رضویہ ج 28 ص 677)

علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح فقہ کی عبارت مذکور پر بیان کرتے ہیں:

و اولی ما یستدل به علی افضلیة الصدیق فی مقام التحقيق نصبه علیہ الصلوة و السلام لامامة الانام مدة مرضه فی اللیالی والایام ولذا قال اکابر الصحابة رضیه لدهینا افلا لرضاء لدهینانا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر تحقیقی طور پر سب سے پہلے دلالت کرنے والی بات یہ ہے کہ آپ کو لوگوں کی نماز کی امامت کیلئے خود نبی کریم ﷺ نے مقرر فرمایا اپنی مرض کے رات اور دنوں کیلئے۔ اسی وجہ سے اکابر صحابہ کرام نے کہا: جب نبی کریم ﷺ نے ان کو دین کیلئے پسند کیا تو کیا وجہ ہے کہ ہم ان کو دنیا کیلئے پسند نہ کریں؟

امام شافعی رحمہ اللہ کا عقیدہ:

ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ فتح الباری شرح بخاری ج ۷ ص ۲۱ میں فرماتے ہیں:

و نقل البیهقی فی الاعتقاد بسندہ ابی ثور عن الشافعی انه قال اجمع الصحابة ابو ثور امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بیشک آپ نے فرمایا: صحابہ کرام

واتباعهم علی افضلیة اہی بکر ثم عمر ثم اور تابعین کا اجماع ہے کہ سب سے افضل  
عثمان ثم علی“ حضرت ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی  
رضی اللہ عنہم۔

(ہکذائی فتاویٰ الرضویہ ج 28 ص 677)

علامہ ابن حجر عسقلانی امام شافعی (رحمہما اللہ) کا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

قال البيهقي في الاعتقاد قال الشافعي في امام شافعی فرماتے ہیں: خلافت  
الخلافة والتفضيل تبدأ باہی بکر و عمر و اور افضلیت کے بیان میں ہم ابتداء ابو بکر  
عثمان و علی رضی اللہ عنہم“ سے پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم سے کرتے  
(فتح الباری ج 7 ص 13) ہیں۔“

رافضی دل کو سہارا دیئے بیٹھے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلافت ظاہری میں  
اول تھے لیکن خلافت باطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل تھے لیکن فتح الباری اور بیہقی نے  
ان کے دل کا سہارا بھی توڑ دیا۔

بحث الاعتقاد میں یہ بھی ذکر فرمایا:

”ما اختلف احد من الصحابة والتابعين في تفضيل اہی بکر و عمر و تعدیہما علی  
جميع الصحابة وانما اختلف من اختلف منهم في علی و عثمان“  
صحابہ کرام اور تابعین کا حضرت ابو بکر اور  
حضرت عمر کی (درجہ بدرجہ) افضلیت میں  
کوئی اختلاف نہیں تھا کہ یہ دونوں تمام صحابہ  
کرام سے مقدم درجہ رکھتے ہیں البتہ بعض  
حضرات نے ان میں سے حضرت علی اور  
حضرت عثمان رضی اللہ عنہما میں اختلاف کیا کہ ان  
دونوں میں پہلے کون افضل ہے؟

(اسی طرح فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 678)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ:

ابو بکر و عمر و عثمان قال هذا في التفضيل وعلى الرابع في الخلافة ونقول بقول سفينة الخلافة في امتي ثلاثون سنة **اسناد صحیح۔**

آپ فرماتے ہیں: افضلیت میں پہلے ابو بکر پھر عمر پھر عثمان ہیں پھر علی وہ خلافت میں چوتھے درجہ پر ہیں، یہ دلیل ہم نے حدیث سفینہ سے پکڑی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں (میرے بعد) خلافت تیس سال رہے گی۔

محمد بن عوف حمصی کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل **رحمۃ اللہ علیہ** سے سنا اور آپ سے افضلیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: جس شخص نے حضرت علی کو حضرت ابو بکر پر مقدم کیا تو تحقیق اس نے رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا اور جس نے حضرت عمر پر حضرت علی کو مقدم کیا تو تحقیق اس نے طعن کیا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر پر اور جس نے حضرت علی کو مقدم کیا حضرت عثمان پر تو تحقیق اس نے ابو بکر اور حضرت عمر اور اہل شوریٰ اور مہاجرین و انصار پر طعن کیا۔

(السنة للخلال ص 1541 اسی طرح فتاویٰ رضویہ ص 28 ص 678 میں ہے)

**حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا عقیدہ:**

حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے حدیث روایت فرمائی:

لو كنت مع هذا عليلا لانتخذت ابا بکر عليلا  
 اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا۔  
 (باب فضائل اصحاب النبی ﷺ ص 395)

آپ کا یہ حدیث روایت کرنا ہی دلالت کر رہا ہے کہ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے۔

ان مالکاً رحمہ اللہ سنل ای الناس افضل بعد نبیہم فقال ابو بکر ثم عمر ثم قال او فی ذلک شک فقیل لہ وعلی وعثمان؟ فقال ما ادرکت احدا فمن اقتدی بہ یفضل احدهما علی الآخر انتہی وقولہ رضی اللہ عنہ او فی ذلک شک یرید ما یاتی عن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیة الامة قطعی وتوقفہ هذا عنہ فقد حکى القاضی عیاض عنہ انہ رجع عن التوقف الی التفضیل عثمان قال القرطبی وهو الاصلح ان شاء اللہ تعالیٰ

پیشک امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابو بکر، پھر عمر، پھر آپ نے فرمایا: کیا اس میں بھی کوئی شک ہے پھر آپ سے پوچھا گیا: حضرت علی اور حضرت عثمان میں سے کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے کسی ایک کو نہیں پایا کہ جس کی میں اقتداء کروں ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے میں ”اتھی“ (یعنی آپ ان دونوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے میں توقف کے قائل تھے) حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ”اوفی ذلک شک“ کیا اس میں کوئی شک ہو

(صواعق محرقة ص 57 مکتبہ مجیدیہ ملتان)

سکتا ہے؟ یہ دلیل ہے علامہ اشعری رضی اللہ عنہ کی کہ حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت سب سے پہلے پھر حضرت عمر کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی ہے جو آپ نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ایک دوسرے پر افضلیت کے بارے میں توقف کیا تھا اس کے متعلق قاضی عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف رجوع فرمایا۔ قرطبی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ ان کے لئے بہتر قول ہے۔ (تقریباً فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 646)

دوسری وجہ رد:

ابن عبد البر کی روایت کا رد کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور ارشاد یوں

فرماتے ہیں:

اگر اس روایت کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو ممکن کہ شاید ان اکابر نے جنہوں نے اس پر التفات فرمایا اس خلاف کا وقوع بعد انعقاد اجماع سمجھا ہو اور بے شک جو خلاف بعد اجماع واقع ہو رافع اجماع وقابل قبول نہیں لہذا قالوا (اسی طرح علماء و مشائخ نے کہا)۔

اقول ورنی یغفر لی:

(میں کہتا ہوں اور میرا رب میری بخشش فرمائے) بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ممکن اس خلاف کا تحقق قبل از انعقاد اجماع ہو بعدہ (اس کے بعد) ان صحابہ پر دلائل افضلیت شیخین لائح (واضح) ہو گئے اور اسی کی طرف رجوع فرمائی۔ اب اجماع کامل منعقد ہو گیا اور بے شک اہل خلاف جب رجوع کر کے شریک جمہور ہو جائیں تو خلاف سابق محض مضمحل (پہلا اختلاف ختم ہو جاتا ہے، دم توڑ جاتا) ہے اور اس کے لیے نفس مسئلہ میں نظیر بھی موجود ہے۔

حضرت ابو حنیفہ وہب الخیر رضی اللہ عنہ پہلے جناب مرتضیٰ (علی المرتضیٰ) کو افضل جانتے تھے یہاں تک کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں تفہیم اور حق صریح کی تلقین فرمائی (انہیں سمجھایا اور صریح حق ان کو بتایا) اس روز سے وہ بھی تفصیل شیخین کی طرف لوٹ آئے۔

تیسری وجہ رو:

ابن عبد البر کی روایت کا رد کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور ارشاد فرماتے ہیں:

”مانا کہ ابتداء سے اختلاف تھا مگر ایسا خلاف شاذ و نادر مرجوح

ضعیف انعقاد اجماع میں خلل انداز نہیں۔“

اس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا اسی اپنی دلیل پر طویل تبصرہ ہے مختصر الفاظ

میں راقم پیش کرتا ہے:

سوا و اعظم کے اجماع کا ہی اعتبار ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صرف وہ مسئلہ مانا جائے گا جس میں کوئی اختلاف روایت و درایت نہ ہو تو اس سے دین کے دو تہائی مسائل درہم برہم ہو جائیں گے۔ بہت مسائل مسلمہ مقبولہ جنہیں ہم اہل حق اپنا دین و ایمان سمجھے ہوئے ہیں، ان کے خلاف بھی اقوال مرجوحہ مل سکتے ہیں، کتابوں میں رطب و یابس اقوال تو ملتے ہی رہتے ہیں۔

مرجوح اقوال پیش کرنے والوں اور نہ مانوں کی رٹ لگانے والوں کیلئے دلائل پیش کرنے کے بجائے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی پیش کرنا ہی کافی ہے۔

فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشاہ منہ ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويلہ“  
 (پ ۳ سورۃ آل عمران آیہ نمبر ۷) کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔

شرارتی لوگ اسلام کی بنیاد گرانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں:

یہ طبیعتیں جہاں اپنی شرارت سے ادنیٰ موقع رخنہ اندازی کا پاتی ہیں، ہدم بنیان اسلام کیلئے کمر بستہ ہو جاتی ہیں "اعاڈنا اللہ من شرہن آمین" (اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے آمین۔)

چوتھی وجہ رد:

وہ چند صحابی جن سے عبدالبر نے تفضیل حضرت مرتضوی نقل کی اس سے یہی معنی بالیقین مفہوم نہیں ہوتے کہ وہ حضرت مولیٰ علیؑ کو شیخین پر فضل کلی (کلی طور پر) افضل (مانتے ہوں) مملن ہے کہ تقدم اسلام وغیرہ فضائل خاصہ جزئیہ میں تفضیل دیتے ہوں اور یہ معنی ہمارے منافی مقصود نہیں کہ ہم خود مولیٰ علیؑ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کیلئے خصائص کثیرہ کا ثبوت تسلیم کرتے ہیں۔ کلام ہمارا افضلیت بمعنی کثرت ثواب و زیادت قرب



ووجاہت میں ہے، جب تک ان روایات میں جناب مولیٰ علی کی نسبت اس کی معنی تصریح نہ ہو، ہم پر وارد اور مزاج اجماع کی مفسد نہیں ہو سکتیں۔

اس پر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ چند شواہد پیش فرماتے ہیں:

اقول وباللہ التوفیق بلکہ ظن غالب یہی ہے (جو پیش کیا گیا ہے) اور فقیر اس پر چند شواہد عدل رکھتا ہے:

شاہد اول:

حفظ حرمت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ اس قدر تو یقیناً معلوم کہ ان چھ سات کے سوا تمام صحابہ تفصیل شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی افضلیت پر اتفاق کئے ہوئے ہیں اور احادیث اس بارے اس قدر بکثرت وارد (جن کا اجلہ) اصحاب پر پوشیدہ رہنا عقل گوارا نہیں کرتی۔ مخالفت سوادِ اعظم و خلافت احادیث سید اکرم رضی اللہ عنہم کیسی سخت شاعت ہے اور اس کی صحابہ کی طرف بزور زبان نسبت کرنا کس درجہ گستاخی و وقاحت۔

شاہد ثانی:

خود وہ روایت جس میں ابو عمر نے ان صحابہ سے تفصیل حضرت مولیٰ علی نقل کی، اس میں یہ الفاظ موجود کہ وہ حضرات فرماتے تھے: "ان علیا اول من اسلم" بے شک علی سب سے پہلے اسلام لائے "کما فی الصواعق" تو واضح ہوا کہ وہ تاویل جو علماء نے پیدا کی تھی اس کا مؤید صریح کے خود نفس کلام میں موجود۔

شاہد ثالث:

خلافت صدیق بر بنائے تفصیل فاروق اعظم وغیرہ صحابہ ان کی افضلیت مطلقہ ثابت کی اور اسی پر نزاع منقطع ہو کر بیعت واقع ہو گئی اور یہ ظاہر (بہت ظاہر) کہ

سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے قائل ہوں۔

مختصر مطلب:

جن چھ اصحاب کا ذکر ابن عبدالبر نے کیا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل مانتے تھے۔ ان میں دو صحابہ حضرت جابر اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کی روایت کرتے ہیں۔ ایسا کہنا کسی طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش کریں کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہوں لیکن خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہوں۔ ان دونوں یعنی حضرت جابر اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہے:

ابوبکر وعمر سہدا کھول اهل الجنة من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما الاولین والاخرین الا النبیین والمرسلین“ سردار ہیں تمام مشائخ اہل بہشت کے اگلوں (مسند احمد بن حنبل مسند علی بن ابی طالب، اور پچھلوں سے سوا انبیاء و مرسلین کے۔ حدیث 602 دار الفکر بیروت 174/2)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک اور روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ما طلعت الشمس علی احد منکم افضل آفتاب نہ چکا تم میں سے کسی پر جو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔“ من ابی بکر

ابن عبدالبر کی روایت پر قائم ہونے والی عمارت منہدم ہو گئی:

شاہ عبدالقادر صاحب کا زیادہ زور پرانے تفصیلیوں کی طرح ابن عبدالبر کی روایت پر تھا، جسے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے شرح وسط سے رد کر دیا۔ اسلئے ”زبدۃ التحقیق“ میں جس روایت پر بڑا انحصار کیا گیا تھا جب وہ روایت ہی مرجوح ثابت ہوئی تو اس پر قائم کی گئی عمارت دھڑام سے نیچے آ گئی۔

آئے! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پرانے تفضیلیوں کا جو رد کیا اور روایت ابن عبدالبر کا بھی رد کیا، اس کے بعد آپ فرماتے ہیں:

فائدہ جلیلہ:

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے ان مباحث مبہم کو ایسی روش روشن بدیع پر تقریر کیا جس سے نگاہ حق بین میں اس روایت کی مطلق وقعت نہ رہی اور دامن اجماع غبار نزاع سے یکسر پاک و صاف ہو گیا اور قطعیت اجماع میں کوئی شک و شبہ نہ رہا۔ ایسے احتمالات و اوہام کی بناء پر اجماع کو درجہ قطعیت میں اتار لانا جیسا کہ بعض علماء سے واقع ہوا ہرگز ٹھیک نہیں۔

جب اجماع قطعی ہے تو افضلیت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی قطعی ہے:

اور جب اجماع قطعی ہو تو اس کے مفاد یعنی تفصیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا۔ ہمارا اور مشائخ طریقت و شریعت کا یہی مذہب اگرچہ برخلاف امام اہل سنت سیدنا ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے متاخرین کو شکوک ہوں (اور اختلاف ہو) اگر (بالفرض) تفصیل ثابت ہو تو تفضیلیہ کیلئے کوئی خوشی کا مقام نہیں:

تفصیل اگرچہ ظنی ہو تفضیلیہ کی خوشی کا کوئی محل نہیں۔ ہم ان فرقوں کو کافر تو نہیں کہتے ہیں جو قطعیت مسئلہ کی حاجت ہو بدعتی بتاتے ہیں تو اس کیلئے قطعی کا خلاف ضرور نہیں۔ علماء تصریح فرماتے ہیں: جو شخص شب اسراء حضور کا آسمانوں پر تشریف لے جانا نہ مانے بدعتی ہے حالانکہ دلیل قطعی سے صرف بیت المقدس تک جلوہ افروز ہونا ثابت ہے۔

(ماخوذ از مطلع القمرین مصنف اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ ص 172 تا 175 مع اضافات و حذف)

شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں:

”اب حضرت امام ابوالحسن اشعری کے دعویٰ اجماع اور افضلیت

کے قطعی ہونے کا فیصلہ خود کر لیجئے۔ اگر اجماع نص تام ہوتا تو دلیل قطعی ہوتا، تو اس کا منکر کافر ہوتا کیونکہ اس صفت کا اجماع دلیل قطعی ہوتا ہے اور ایسے اجماع سے افضلیت ثابت ہوئی ہوتی تو افضلیت قطعی ہوتی اور افضلیت کا منکر کافر ہوتا۔“

(زبدۃ التحقیق ص 228)

(شاہ صاحب نے یہ تبصرہ امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پر کیا)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ اس کا جواب پہلے ہی دے چکے ہیں:

قطعی کے معنی میں دو احتمال ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قطعی کے دو معانی کی

تفصیل یوں بیان فرماتے ہیں:

علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہو جائے باس طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے اور یہ اخض اعلیٰ ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے اور اصول دین میں یہی مطلوب ہے تو اس میں نص مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔ دوسرا یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی (پیدا) ہو اگرچہ نفس احتمال باقی ہو جیسے کہ مجاز اور تخصیص اور باقی وجوہ تاویل جیسا کہ ظواہر اور نصوں اور احادیث مشہور میں ہے اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے: اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقاً (یعنی بغیر کسی قید

اعلم ان العلم القطعی يستعمل في معنيين احدهما قطع الاحتمال على وجه الاستيصال بحيث لا يبقى منه خبر ولا اثر وهذا هو الاخض كما في المحكم والمتواتر وهو المطلوب في اصول الدين فلا يكتفي فيها بالنص المشهور والثاني ان لا يكون هناك احتمال ناش من دليل وان كان نفس الاحتمال باقيا كالتجوز والتخصيص وسائر انحاء التاويل كما في الظواهر والنصوص والاحاديث المشهورة والاول يسمى علم اليقين ومخالفه كافر على الاختلاف في الاطلاق كما هو مذهب فقهاء الافاق والتخصيص بضروريات

کے ہر علم یقین کا منکر کافر ہے) جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے یا ضروریات دین کی قید کے ساتھ یعنی وہ علم یقین جس کا تعلق ضروریات دین سے ہے، اس کا منکر کافر ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہے اور اس کا مخالف بدعتی و گمراہ ہے اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے اور آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلاً اس پر کوئی دلیل ہے اب آیت کا معنی تمہارے قول ”میں نے اس کو میزان عقل سے تولا“ کے مثل ہو گا اور یہ عجم میں رائج ہے تم کہتے ہو: سخن سنج یعنی کلام پر کھنے والا اور مؤمنین کیلئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے دیدار کا مسئلہ مولائے کریم اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے“ احتمال رکھتا ہے اسی طرح امید ورجاء کے ارادے کا یہ بھی ان باتوں میں

الدین كما هو مشرب العلماء المتكلمين والثاني علم الطمانينة ومخالفه مبتدع ضال ولا مجال الي ا كفارة كمسئلة وزن الاعمال يوم القيامة قال تعالى والوزن يومئذ الحق ويحتمل النقد احتمالا لا صارف اليه ولا دليل اصلا عليه فهكون كقولك وزنته بميزان العقل وهو رائج في العجم ايضا تقول سخن سنج اي ناقد الكلام ومسئلة رؤية الوجه الكريم للمؤمنين رزقنا المولى بفضله العميم قال تعالى وجوه يومئذ ناضرة الي ربها ناظرة ويحتمل احتمالا كذلك ارادة الامل و الرجاء وهو ايضا مما توفقت عليه العرب والعجم تقول دست نگر من است اي يرجو عطائي ويحتاج الي نوالي وهكذا مسئلة الاسراء الي السماوات العلى و الشفاعة الكبرى للسيد المصطفى عليه افضل التحية والثناء فكل ذلك ثابت بنصوص قواطع بالمعنى العائى ولذا لا نقول بالكفار المعزله والروافض الاولين المأولين-

سے ہے جن پر عرب و عجم سب متفق ہیں تم کہتے ہو دست نگر من است یعنی میری عطاء کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعت کبریٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوص قطعی سے ثابت ہیں اور اسی لئے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے۔

ظن کے دو معنی ہیں:

”اور اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں: اس لئے کہ اعم کا مقابل اخص ہے اور اعم اخص ہے جس طرح پوشیدہ نہیں۔“

وهكذا الظن له معنيان اذ مقابل الاعم  
اخص والاعم اخص كما لا يخفى

(فتاویٰ رضویہ، ج 28 ص 667-668)

آیت کریمہ میں ”يظنون“ کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی توقع کرتے ہیں اور جو اس کے ہاں اجر و ثواب ہے اس کے پانے کی امید کرتے ہیں اور دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کو اللہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے اور وہ ان کو جزا دے گا۔ یقین والے معنی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مصحف سے تائید حاصل ہے جس میں گویا کہ ”يظنون“ کی تفسیر

الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم وانهم  
اليه راجعون: اي يتوقعون لقاء الله تعالى و  
نيل ما عنده او يتيقنون انهم يحشرون  
الى الله فوجازيهم ويؤيده ان في مصحف  
ابن مسعود يعلمون و كان الظن لما شابه  
العلم في الرجحان اطلق عليهم التضمن  
معنى التوقع قال اوس بن حجر ” شعر

فارسلته مستيقن الظن انه  
مخاط ما بين الشر السيف جانف  
”يعلمون“ سے کی گئی ہے یعنی وہ جو یقین رکھتے ہیں۔

ظن کو یقین کے معنی میں لینے کی وجہ یہ ہے کہ ”ظن“ میں بھی راجح جانب پائی جاتی ہے اور یقین میں بھی راجح جانب پائی جاتی ہے (فرق یہ ہے کہ ”ظن“ میں راجح جانب کے پائے جانے کے باوجود مرجوح کی طرف بھی کچھ نہ توجہ پائی جاتی ہے لیکن

یقین میں صرف رائج جانب پائی جاتی ہے، مرجوح کی طرف توجہ نہیں پائی جاتی (اسی لئے ”ظن“ کو یقین کے معنی میں ان کیلئے استعمال کیا گیا کیونکہ توقع کے معنی کو متضمن ہے۔ اوس بن حجر نے بھی ایک شعر میں ظن بمعنی یقین لیا ہے۔

میں نے تیر چلایا یقینی ظن سے کہ بیشک وہ پسلیوں اور پیٹ کے درمیان پہنچ جائے گا۔ (ماخوذ از شیخ زادہ علی البیہاوی)

ہمارے مسئلہ میں قطعی بمعنی طمانیت ہے:

یعنی جو ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو قطعی کہہ رہے ہیں اس میں قطعی کا معنی طمانیت ہے۔ یہ قطعی بالمعنی الاعم ہے اور قطعی کا معنی ہم یقین محکم نہیں لے رہے جس کا معنی یہ لیا جائے کہ اس کا منکر کافر ہے۔ اس طرح ظن کو بھی بمعنی توقع غالب کے لے لیں تو وہ بھی طمانیت کے معنی کو مستلزم ہوگا۔

آئیے! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وضاحت دیکھئے:

”اذا عرفت هذا فمسلتنا هذه ان اريد فيها القطع بالمعنى الاعص فهذا جبل وعر صعب المرتقى اذا ما ورد فيها فاما نص او ظاهر وكلاهما يعبران التاويل ولو قولاً ضعيفا بعدا او ابعد اضعف“

اخص (یعنی یقین محکم) لیں تو یہ پہاڑ ہے، سخت دشوار گزار، چڑھائی والا۔ اس لئے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں، اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعداضعف سمی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۶۸، ۶۶۹)

تفضیلی کافر نہیں، بدعتی ہیں:

”الا لا نقول بالكفار المفضلة ومعاد الله ان ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں

نقول اما الابتداء فیثبت بخلاف القطع  
بالمعنی الثانی وهو حاصل لاشک فیہ لا  
یسوغ انکارہ الالغافل او متغافل فقد  
تظافرت علیہ النصوص تظانرا جلیما و  
بلغت الاخبار تو اتر معنویا والاحتمالات  
الرکیکة السخیفة الناشئة من غیر دلیل لا  
تقدح فی القطع بهذا المعنی“

کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں  
لیکن ان کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف  
قطع بمعنی دیگر تو وہ بلاشبہ حاصل ہے جس  
کا معنی انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے  
کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لئے کہ اس پر  
واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور  
احادیث تو اتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور  
رکیک (کمزور) احتمالات جو کسی دلیل سے  
ناشی (پیدا) نہیں ہوتے وہ اس معنی کے لحاظ  
سے قطع میں اثر انداز نہیں۔“

(مطلب واضح ہے کہ تفضیلی کافر نہیں کیونکہ وہ قطع بمعنی محکم بالیقین کے منکر  
نہیں بلکہ قطع بالطمانیہ کے منکر ہیں جس سے بدعتی ہونا لازم آتا ہے کفر نہیں)  
سلف صالحین کا اجماع آج تک قائم ہے:

یقیناً اس کی وجہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے۔  
طنز یہ جملہ کورقم نے مستحسن کر دکھایا:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بدترین طنز ان الفاظ سے کی گئی ہے:  
”یہ افعلیت مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض  
متاخرین ہند کی اختراعات ہیں، ان کا سنیت سے دور کا بھی کوئی  
واسطہ نہیں۔“ (زبدۃ التحقیق ص ۲۰)

ہاں! ہاں!! اس سے مراد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لئے گئے ہیں۔ یقیناً یہ ان کی  
کرامت کہ سلف صالحین نے جو اصطلاحات قائم کی تھی، آپ کی کرامت کی وجہ سے ہی



وہ قائم و دائم ہیں، البتہ یہ جملہ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ ”ان کاسنیت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔“ آج تک توسنیت کا تشخص ہی بریلویت سے قائم تھا ورنہ اہل سنت کے لفظ کا اپنے ساتھ استعمال کرنا تو کئی فرقوں میں موجود ہے جس مسجد میں جھگڑے کا خطرہ ہوتا، اس پر بھی یہ لکھا جاتا: ”مسجد اہل سنت و جماعت (بریلوی مسلک)“

اہل سنت کو پہلے اغیار ”بریلوی یارضاء خانی“ کہتے تھے۔ اب اپنے کہہ رہے ہیں وہ غیروں سے مقابلہ تو نہ کر سکے لیکن اپنے ہی اتحاد کرتا رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فضل کلی اور جزئی کو یوں بیان فرماتے ہیں:

وہ چند صحابی جن سے ابن عبدالبر نے تفصیل حضرت مرتضوی نقل کی، اس سے یہی معنی بالیقین مفہوم نہیں ہوئے کہ وہ حضرت مولیٰ علی کو شیخین (حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) پر فضل کلی مانتے ہوں ممکن کہ تقدم اسلام وغیرہ فضائل خاصہ جزئیہ میں تفصیل دیتے ہوں اور یہ معنی ہمارے منافی مقصود نہیں کہ ہم خود مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کیلئے خصائص کثیرہ کا ثبوت تسلیم کرتے ہیں۔ کلام ہمارا افضلیت بمعنی کثرت ثواب و زیارت قرب و جاہت میں ہے۔ جب تک ان روایات میں جناب مولیٰ علی کی نسبت اس معنی کی تصریح نہ ہو ہم پر وارد اور مزاج اجماع کی مفسد نہیں ہو سکتیں۔

(مطلع القمرین تصنیف اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ ص 178 مطبوعہ مکتبہ بہار شریعت)

فضل کلی و جزئی کی تقسیم کو بعض متاخرین ہند کی اختراعات کہنے کی ضرورت کیوں درپیش آئی؟

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ابن عبدالبر کی روایت سے اجماع کی نفی کی جاسکے۔ ابن عبدالبر کی روایت کہ جس علمی زور سے پر نچے اڑادیئے۔ پرانے تفصیلی جس سے لا جواب ہو گئے تھے، اب پھر سے اسے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔

فضل کلی اور جزئی کی تقسیم میں کیا اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ منفرد ہیں؟

یہ تقسیم تو ازلی ہے، اگرچہ نام بعض میں دیئے گئے۔ وہ بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام نہیں رکھے۔ آئیے! ذرا تفصیل دیکھئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض  
منهم من كلم الله ورفع بعضهم درجات  
”یہ رسول ہیں فضیلت دی ہم نے ان سے  
بعض کو بعض پر، ان میں سے بعض وہ ہیں جن  
سے اللہ نے کلام فرمایا اور بلند کئے ان میں  
سے بعض کے درجات۔“  
(سورۃ البقرہ 3:1)

اس آیت کریمہ میں سب انبیاء کو رب تعالیٰ کے فضیلت دینے کا ذکر ہے لیکن سب سے درجات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند فرمائے۔ اگر یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ تمام انبیاء کرام کو فضیلت حاصل ہے لیکن افضل الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آیت کریمہ کا مطلب کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ کوئی مانے یا نہ مانے قرآن پاک سے واضح طور پر ثابت ہے کہ تمام انبیاء کرام کو فضل جزئی حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضل کلی حاصل ہے۔

عن ابن عباس قال ان الله تعالى فضل  
محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم على الانبياء  
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: بیشک  
اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب انبیاء کرام  
پر فضیلت دی۔  
(مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

کیا باقی انبیاء فضیلت سے خالی تھے؟ نہیں! نہیں!! جب سب فضیلت والے تھے تو ان کی فضیلت جزئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلی تھی۔

ان المفضول قد توجد فيه بل مزایا لا  
توجد في الفاضل فان ارادة شيخ الخطابي  
كلمة وان ابا بكر افضل مطلقا الا ان عليا  
وجدت فيه مزایا لا توجد في ابي بكر  
فكلامه صحيح والا فكلامه في غاية  
التهاوت خلافا لمن انتصر له ووجه بما لا  
کبھی مفضول میں کوئی ایک فوقیت یا زیادہ  
پائی جاتی ہیں جو فاضل میں نہیں پائی جاتیں۔  
اگر علامہ خطابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہی  
فضیلت مانتے ہیں یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ  
کی مطلق فضیلت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی  
بعض فوقیتیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں نہیں

یجد بل لا یفہم“  
 تو یہ صحیح ہے ورنہ کلام بہت کمزور رہے نہ اس  
 سے امداد لینے میں کوئی فائدہ بلکہ وہ لوگ  
 (صواعق محرقة ص 58 مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان) سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔

کیا اہل علم کو فضل کلی اور جزئی سمجھ آرہی ہے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو  
 مخترع کہنے والے کتنے عقلمند ہیں؟ داؤد یے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔  
جزئی فضیلت پر احادیث کو دیکھئے:

حدثنا سفیان بن وکیع حدثنا حمید بن  
 عبد الرحمن عن داؤد العطاء عن معمر عن  
 قتادة عن انس بن مالك قال قال رسول  
 الله صلی اللہ علیہ وسلم ارحم امتی ابو بکر واشد  
 هم فی امر اللہ عمر و اصدقہم حماء  
 عثمان بن عفان واعلمہم بالحلل و  
 الحرام معاذ بن جبل وافرصہم زید بن  
 ثابت واقرفہم ابی ابن کعب و لکل امة  
 امین و امین ہذہ الامة ابو عبیدہ بن  
 الجراح ہذا حدیث غریب لا نعرفہ من  
 حدیث قتادة الامن ہذہ الوجہ۔  
 (ترمذی مناقب معاذ بن جبل الخ ج 2 ص 220)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں  
 سے سب سے زیادہ میری امت پر رحم کرنے  
 والے ابو بکر ہیں اور سب سے زیادہ سخت اللہ  
 کے امر میں عمر ہیں اور سب سے زیادہ حیا  
 میں سچے عثمان ہیں اور حلال و حرام کا زیادہ علم  
 رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں فرائض دانی  
 میں زیادہ زید بن ثابت ہیں اور زیادہ (اچھے  
 ) قاری ابی بن کعب ہیں اور ہر امت کا کوئی  
 امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ  
 بن جراح ہیں۔“

سب سے پہلا تیرا وہ خدا میں سعد بن ابی وقاص نے پھینکا:

عن سعد بن ابی وقاص قال اسی لاول  
 العرب رمی بسہم فی سہیل اللہ“  
 (بخاری و مسلم مشکوٰۃ باب مناقب العشرة)  
 ”حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں  
 : میں عرب میں سب سے پہلے اللہ کی راہ میں  
 تیر پھینکنے والا ہوں۔“

حضرت زبیر بن عوام کو فداک ابی وامی سے نوازا:

عن الزبیر قال قال رسول اللہ ﷺ من  
یا تسی بنی قریظۃ فیما تسی بخبرہم  
فانطلقت فلما رجعت جمع لی رسول اللہ  
ﷺ ابویہ فقال فداک ابی وامی  
(بخاری و مسلم مشکوٰۃ حوالہ مذکور)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ  
ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو نبی قریظہ کی خبر  
لائے؟ میں چلا۔ جب میں واپس لوٹا تو  
آپ نے میرے لئے اپنے ابوین کو جمع  
کر کے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان۔

(فضیلت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی حاصل ہے۔)

حضرت زبیر نبی کریم ﷺ کے حواری ہیں:

عن جابر قال قال النبی ﷺ من یا تسی  
بخبر القوم یوم الاحزاب قال الزبیر انا  
فقال النبی ﷺ ان لكل نبی حواریا  
وحواری الزبیر  
(بخاری و مسلم مشکوٰۃ حوالہ مذکورہ)

حضرت جابر فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے  
فرمایا: احزاب کے دن کون ہے جو قوم کی خبر  
لائے؟ حضرت زبیر نے کہا: میں تو نبی کریم  
ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے حواری (خواص)  
ہوتے ہیں میرے حواری زبیر ہیں۔

روایت جبریل سے عبداللہ بن عباس ممتاز ہیں:

حدثنا بندار ومحمود بن غیلان قالانا ابو  
احمد عن سفیان عن لیث عن ابی جہضم  
عن ابن عباس انه رؤی جبریل مرتین و  
دعاه النبی ﷺ مرتین هذا حدیث  
مرسل ابو جہضم لم یدرک ابن عباس و  
اسمہ بن سالم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں  
نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا اور نبی  
کریم ﷺ نے میرے لئے دو مرتبہ دعاء  
فرمائی۔

(ترمذی مناقب عبداللہ بن عباس)

اسامہ بن زید محبوبیت میں حضرت علی سے پہلے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنی آل میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: فاطمہ بنت محمد۔ انہوں نے عرض کیا: ہم آپ کی اولاد کے بارے میں نہیں پوچھ رہے۔

قال احب اہلی الی من قال انعم اللہ علیہ  
وانعمت علیہ اسامہ بن زید قال لا  
من اقال ثم علی بن ابی طالب

آپ نے فرمایا: میرے اہل میں زیادہ محبوب وہ ہے جس کے بارے میں رب تعالیٰ نے "انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ" یعنی

اسامہ بن زید۔ پھر انہوں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: پھر علی بن ابی طالب۔

(ترمذی، مناقب اسامہ ص 223)

(جزئی فضیلت کا انکار کرنے والوں کو بھی یہاں کوئی راہ مفر نہیں ملے گی)

ام المؤمنین حضرت خدیجہ کو رب تعالیٰ نے سلام کہلا بھیجا:

عن ابی ہریرۃ قال اتی جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ہذا عندی قد اتت معہا انا و فیہ ادام و طعام فاذا اتتک فاقرأ علیہا السلام من ربہا و منی و بشرہا بیت فی الجنة من تعصب لا صخب فیہ ولا نصب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ عرض کیا: یہ خدیجہ ہیں جنہوں نے آپ کے پاس طعام اور ادام (جس کے ساتھ ملا کر روٹی کھائی جائے) والا برتن لایا۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے رب کا اور میرا سلام پہنچا دیں اور ان کو جنت میں موتیوں کے گھر کی خوشخبری دے دیں جس میں کوئی شور و غل نہیں ہوگا۔

(ماخوذ از مطلع القمرین تصنیف اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ ص 51-53)

(اس طرح جزئی فضیلت کی روایات بہت ہیں یہ تو صرف سمجھانے کیلئے چند

روایات ذکر کر دیں)

تفضیلیہ (تفضیلی شیعہ) کافر نہیں، بدعتی ہیں:

(۱) ابو شکور سامی "تمہید" میں فرماتے ہیں:

وبعض کلامہم بدعة ولا یکون کفرا  
وهو قولہم بان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
کان افضل من ابی بکر وعمر و عثمان  
رضی اللہ عنہم

ان تفضیلیہ کا بعض کلام بدعت ہے کفر نہیں وہ  
ان کا قول یہ ہے کہ بیشک حضرت علی رضی اللہ  
افضل ہیں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور  
حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے۔

(۲) عقائد بزدوی میں ہے:

"اقلہم غلوا الزیدیة فانہم کاندوالا  
یکفرون احدا من اصحاب رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم ویقولون ان ابی بکر وعمر کانا  
امامی حق ویفضلون علیا علی سائر  
الصحابہ

تمام رافضیوں سے کمتر غلو (شدت حد سے،  
تجاوز) زیدیہ فرقہ کا ہے بیشک وہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو کافر  
نہیں کہتے اور یہ کہتے ہیں کہ بیشک ابو بکر اور  
عمر دونوں کی خلافت برحق تھی اور وہ سب  
صحابہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے

(عقائد بزدوی)

(۳) امام ابو عبد اللہ ذہبی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے تفضیل شیخین کا بتواتر منقول ہونا

ذکر کر کے فرماتے ہیں:

قہم اللہ الراضیة ما اجهلہم

خدا رافضیوں کا برا کرے، کس قدر جاہل ہیں

یعنی حضرت مولیٰ علی کی محبت کا دعویٰ کرتے

ہیں پھر ان (کے ارشادات) کا صریح

خلاف۔

بیروت 1/115، 2/68

(۴) فتح القدر میں ہے:

"فی الروافض من فضل علیا علی الغلاة  
روافض میں سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین

مبتدعہ“  
 خلفاء پر فضیلت دے، وہ بدعتی ہے۔  
 (فتح القدر کتاب الصلوٰۃ باب الامامة مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج 1 ص 304)

(۵) بحر الرائق میں ہے:

”الرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فهو“  
 ”رافضی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر (شیخین  
 مبتدعہ“  
 پر فضیلت دے تو بدعتی ہے۔“

(۶) علامہ عبدالعلی برجندی شرح نقایہ اور علامہ شیخ زادہ مجمع الانھر شرح ملتقی  
 الابحر میں فرماتے ہیں:

”الرافضی ان فضل علیا فهو مبتدعہ“  
 رافضی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو (شیخین پر)  
 فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے۔“

(۷) مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الصلوٰۃ باب الجماعۃ المکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ 1 ص 163  
 شمس قہستانی کی شرح نقایہ میں ہے:

”جو شخص حضرت علی کو (شیخین پر) فضیلت  
 دے اس کی امامت مکروہ ہے، وہ بدعتی ہے۔“  
 مکروہ امامۃ من فضل علیا فمبتدعہ“  
 (جامع الرموز للقمہستانی فصل بحمل الامام مکتبہ  
 اسلامیہ تہران 172/1)

(۸) اشباہ والنظائر میں ہے:

”ان فضل علیا علیہما فمبتدعہ“  
 الاشباہ والنظائر لابن نجیم حنفی کتاب السیر باب  
 الردۃ الکتب العلمیہ بیروت ص 159  
 جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین  
 (حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) پر فضیلت  
 دی وہ بدعتی ہے۔“

(مطلع القمرین تصنیف اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ مع حاشیہ ص 164 تا 167)

”عمل الصلوٰۃ خلف کل ہر وفاجر لقولہ  
 علیہ السلام صلوا خلف کل ہر وفاجر  
 نماز ہر نیک اور فاسق وفاجر کے پیچھے جائز  
 ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز

لان علماء الامة كانوا يصلون خلف كل  
الفسق و اهل الاهواء و البدع هذا العالم  
يؤد الفسق او البدعة الى احد الكفر  
پڑھو ہر نیک و بد کے پیچھے۔ اسلئے کہ علمائے  
امت پر ہر فاسق اور اہل اہواء اور بدعتی کے  
پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ یہ اس وقت ہے  
جب فسق اور بدعت انسان کو کفر تک نہ  
پہنچائیں (کیونکہ کافر کے پیچھے نماز جائز نہیں)  
(شرح عقائد)

تنبیہ:

جواز اور عدم جواز اور چیز ہے اور کراہت اور عدم کراہت اور چیز ہے۔ بدعتی  
اور فاسق کے پیچھے نماز جائز ہونے کے باوجود مکروہ ہے۔  
خدارا!! غلو نہ کیجئے:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتاویٰ رضویہ“ میں جا بجا اس مسئلہ کو واضح کیا کہ  
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینے والے (جبکہ تمہرا والے نہ ہوں) تو وہ کافر  
نہیں، بلکہ بدعتی ہیں۔ اس لئے تفضیلی حضرات کا اپنے موقف پر قائم رہنا بھی اہل سنت  
کے مسلک کے خلاف ہے اور ان کو کافر کہنا بھی مسلک اہل سنت کے خلاف ہے۔  
راقم نے سیاسی اور مذہبی تنظیموں کے اختلاف سے ہٹ کر اپنی دنیا بسائی ہوئی  
ہے۔ صرف اہل سنت و جماعت بریلوی مسلک کا ترجمان ہے، جو بات حق سمجھ آئے  
اسے قلمبند کرتا رہتا ہے۔ راقم نے کبھی اہل سنت کے علماء کے خلاف کبھی لکھا بھی نہیں  
لیکن پانچ چھ سال سے جو علمائے اہل سنت نے فتنہ و فساد بھڑکار رکھے ہیں، ان میں اپنا  
موقف بیان کرنا اور غلو کی نشاندہی کرنا صرف اصلاح کیلئے بہتر سمجھا ہے۔

افضلیت و فضیلت میں فرق:

در بارہ تفضیل (افضلیت کے متعلق) حدیث ضعیف ہرگز مقبول نہیں،  
فضیلت و افضلیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فضیلت میں ضعاف بالاتفاق قابل



قبول ہیں اور افضلیت میں بالاجماع مردود و نامقبول۔ ضعیف حدیثوں کا قبول کرنا وہاں ہوگا جہاں نفع بے ضرر ہو۔ اسی لئے حلال کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا یا کسی کا ناحق مال ضائع کرنا، اسی طرح جہاں کسی قسم کا مخالفت شرع کا گمان ہو، وہاں ضعیف حدیثوں کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ انسانوں اور اعمال کے فضائل تفضیلیہ خواہ اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہوں، ان کی کوئی منقبت خاصہ جو صحاح و ثواب سے متعارض نہ ہو ان میں ضعیف حدیث معتبر ہوگی کیونکہ ضعیف تو صرف تائید کیلئے آتی ہے اور اگر صحاح سے نہ بھی ثابت ہوں تب بھی قبول ہوگی کیونکہ صحاح میں اس کے کوئی متعارض حدیث نہیں۔

بیان افضلیت میں یعنی ایک دوسرے سے عند اللہ بہتر و افضل ماننا، یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا جل جلالہ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے خوب ثابت و محقق ہو جائے۔

بغیر ثبوت کے کسی پر حکم لگا دینا کہ وہ عند اللہ افضل ہے، جائز نہیں۔ ہو سکتا ہے جسے افضل کہا جا رہا ہے وہ افضل نہ ہو بلکہ دوسرا ہو۔ اس طرح افضل کی شان کو کم کرنا لازم آئے گا، جو کسی صورت میں جائز نہیں۔

پھر وہاں کا کہنا ہی کیا ہے جہاں عقائد حقہ میں ایک جانب کی تفصیل محقق (حقیقی طور پر ثابت) ہو اور اس کے خلاف ضعیف حدیثوں کو سند بنایا جائے جس طرح آج کل کے جاہل لوگ حضرت شیخین رضی اللہ عنہما پر تفصیل حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم میں کرتے ہیں یہ تصریح مضادات شریعت و معاندت سنت ہے ولہذا ائمہ دین نے تفضیلیہ کو رد و افضل سے شمار کیا ہے۔

تفصیل شیخین اجمالی و متواتر ہے:

انصاف کی بات یہی ہے کہ اگر تفصیل شیخین کے خلاف کوئی حدیث صحیح بھی

آئے، قطعاً واجب التاویل ہے اور اگر بقرض باطل صالح تاویل نہ ہو واجب الرد کہ تفصیل شیخین متواتر اجماعی ہے۔

متواتر و اجماع کے مقابل احاد ہرگز نہ سنے جائیں گے:

ولہذا امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث: عرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرہ قالوا فما اولت ذلك يا رسول الله ﷺ قال الدين "مجھ پر عمر بن الخطاب کو پیش کیا گیا اور وہ لمبی قمیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے فرمایا: دین (ت) فرماتے ہیں:

لئن سلمنا التخصیص بہ (ای بالفاروق رضی اللہ عنہ) فهو معارض بالاحادیث الكثيرة البالغة درجة التواتر المعنوی الدالة علی افضلیة الصدیق رضی اللہ عنہ فلا تعارضها الاحاد ولنن التساوی بمن الدلیلین لکن اجماع اهل السنة والجماعة علی افضلیة وهو قطعی فلا یعارضه ظنی " ارشاد الساری شرح صحیح بخاری باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال مطبوعہ دار الکتاب العربیة بیروت 1/106)

اگر ہم یہ تخصیص ان (یعنی فاروق رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ پر وال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماع اهل سنت وجماعت افضلیت صدیق اکبر پر وال ہے اور وہ قطعی ہے تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے؟

(ت)

بالجملہ (حاصل کلام یہ ہے) مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضل سے نہیں، جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ مواقف و شرح مواقف میں تو تصریح کی کہ باب عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نامسوع۔

حیث قالہست هذه المسئلة يتعلق بها عمل فيكفي فيها بالظن الذي هو كاف في الاحكام العلمية بل هي مسئلة علمية يطلب فيها اليقين (شرح مواقف المقصد الرابع از موقف بہادس السعيات مطبوعہ منشورات الشريف الرضي قم ايران 372/8)

ان دونوں (ماتن اور شارح) نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس میں دلیل ظنی کافی ہو جائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے، اس کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے (ت)

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 580 تا 582 بالا اختصار مطبوعہ رضاء فاؤنڈیشن لاہور)

### خلافت راشدہ کا انکار:

مذہب معتمد و محقق میں استحلال بھی علی اطلاقہ کفر نہیں، جب تک زنا یا شرب خمر یا ترک صلوٰۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریات دین سے نہ ہو۔ غرض ضروریات (دین) کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں، اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عندا تحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اس کا جس کی تصدیق نے اسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریات کما حقہ العلماء المحققون من الائمة المتکلمین "جیسا کہ ائمہ متکلمین کے محقق علماء نے تحقیق کی ہے (ت)

ولہذا خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 101)

اعلیٰ حضرت ﷺ کے اس ارشاد سے عقدہ حل ہو گیا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر جب کافر نہیں کیونکہ یہ ضروریات دین سے نہیں تو قطعی کیسے؟ اعلیٰ حضرت ﷺ نے قطعی کی دو قسمیں بیان کر کے واضح کر دیا کہ ایک قطعی کا منکر کافر ہے اور قطعی کی دوسری قسم کا منکر کافر نہیں۔

### اعتراض:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ظنی ہے، قطعی نہیں۔ اس پر اجماع نہیں، اجماع کا قول باطل ہے۔  
اتنی بات یہاں ہی سمجھ لیں:

کہ جن اعتراضات کو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے نقل فرمایا کہ تفضیلیہ یہ کہتے ہیں اور آپ نے ان کے جوابات پہلے ہی دے دیئے ان کو ہی پھر سے ذکر کر دیا گیا ہے اور نحوی اور منطقی طور پر اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے جو ارشادات فرمائے ان کو توڑ موڑ دیا گیا۔ ”اجماع کا پس منظر“ کے عنوان سے لکھا گیا ہے:

”اب اس اجماع کا پس منظر واضح کرنے کی ضرورت ہے جو روزانہ کی بول چال میں ایک حقیقت عرفیہ بن گیا ہے۔ امام استاذ ابو منصور عبدالقاہر بنی طاہر تمیمی بغدادی متوفی ۴۲۹ء اپنی کتاب اصول الدین ص ۲۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

”قال ابو الحسن الأشعري (المتوفى ۳۳۰ھ) يجب ان يكون الامام افضل اهل زمانه في شروط الامامة ولا ينعقد الامامة لاحد مع وجود من هو افضل منه فيها فان عقدها قوم للمفضول كان المعقود له من الملوك دون الائمة ولهذا قال في الخلفاء الاربعة افضلهم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي واختار شيخنا ابو العباس القلاسي جواز عقد الامامة للمفضول اذا كانت فيه شروط الامامة مع

”ترجمہ: ابوالحسن اشعری نے کہا: شروط امامت میں امام کا افضل اہل زمانہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر قوم کسی مفضول (غیر افضل) کو امام بنالے تو جس کو امام بنایا گیا ہوگا وہ بادشاہ ہوگا وہ خلیفہ نہیں ہوگا۔ بنا بریں اس نے خلفائے اربعہ کے بارے میں کہا کہ سب سے افضل ابو بکر صدیق ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی افضل ہیں (رضی اللہ عنہم) ہمارے استاد ابو العباس قلاسی نے مفضول (غیر افضل) کی

وجود الافضل منه وبه قال الحسن بن فضل و محمد بن اسحاق بن خزیمہ  
 امامت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، باوجود  
 افضل کے موجود ہونے کے، بشرطیکہ اس میں  
 شروط امامت پائی جائیں۔ اور یہی بات  
 حسین بن الفضل و محمد بن اسحاق بن خزیمہ  
 اور اکثر شوافع نے کہی ہے۔“

(زبدۃ التحقیق ص 219-220)

آگے زبدۃ التحقیق ص ۲۲۲ پر یوں تحریر کیا گیا:

امامت کیلئے افضلیت کا عقیدہ روافض اور بعض معتزلہ کا مذہب  
 ہے۔ روافض کا تو خلافت کے بارے میں سب سے بڑا اعتراض  
 یہی ہے کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل تھے لہذا ان کو چھوڑ کر  
 جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا ہے لہذا خلافت منعقد  
 نہیں ہوئی۔ معتزلہ: قال النظام والحافظ ان الامامة لا  
 يستحقها الا افضل (اصول الدین تصنیف عبدالقادر بغدادی  
 ص ۳۹۳) نظام و حافظ معتزلیان نے کہا کہ امامت کا وہی حقدار  
 ہے جو سب سے افضل ہے۔

امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ عنہ نے ترتیب افضلیت کی بنیاد جس پر رکھی ہے وہ  
 اہل سنت کا عقیدہ ہی نہیں ہے۔ امام ابوالحسن اشعری افضلیت پر اجماع ہونے کے مدعی  
 ہو کر افضلیت کے قطعی ہونے کے مدعی ہیں۔ شیخ امام ابوالحسن اشعری کی اس رائے کے  
 بارے میں ہم اشاعرہ کے ائمہ پیش کرتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ  
 فرماتے ہیں:

انکوں سخن درآں ماند کہ مسئلہ ترتیب افضلیت ترجمہ: اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ کیا مسئلہ

یقینی است کہ برہان قاطع برآں گذشتہ چنانچہ ترتیب خلافت یا ظنی است کہ دلیل آں امارات و قرآن است بر حجان و اولویت رساند؟ بعض برانند کہ قطعی است و مختار نزد اکثر محققین آں است کہ ظنی است، امام الحرمین در ارشاد بعد از اثبات خلافت علی المرتبیب بطریق سوال میگویند، بعض از صحابہ را تفصیل می دهند بر بعضی دیگر ہا در مسئلہ تفصیل و تفصیل آں سکوت و اعراض میکند کہ بنائے مسئلہ تفصیل برآں است کہ امارت مفضول با وجود فاضل جائز نباشد و معظم اہل السنۃ و الجماعۃ برآنند کہ امام افضل باید ولیکن اگر نصب وے موجب ثوران و ہرج و مرج ہیجان فتنہ و فساد گردد و نصب مفضول بر تقدیر اہلیت و استحقاق او مر امامت را باجماع شرائط آں از قرشیت و علم بحلال و حرام و مصالح و مہام دین اسلام و ورع و عدالت و شہادت و کفایت جائز باشد میگوید کہ نزد من این مسئلہ یعنی اولویت نصب افضل قطعی نیست۔

(تکمیل الایمان ص 58)

ترتیب افضلیت یعنی ہے کہ اس پر کوئی دلیل قطعی گزری ہو جیسا کہ ترتیب خلافت ہے یا ظنی ہے؟ کہ جس کا ثبوت صرف قرآن و علامات ہوں جو اس کو (افضلیت کو) راجح یا اولیٰ تک پہنچاتی ہوں؟ (جواباً کہتے ہیں) بعض علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ (یہ ترتیب افضلیت) قطعی ہے اور اکثر محققین کے نزدیک (ترتیب افضلیت) ظنی ہے، امام الحرمین اپنی کتاب ارشاد میں خلافت کو حسب ترتیب ثابت کرنے کے بعد بطور سوال کہتے ہیں: اب کیا کہتے ہیں علمائے کرام بعض صحابہ کو بعض دوسرے صحابہ پر افضلیت دیتے ہیں یا مسئلہ تفصیل اور اس کی تفصیل سے اعراض کرتے ہیں۔ اسی کا جو اب (بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ امام الحرمین) یوں دیتے ہیں کہ مسئلہ تفصیل کی بنیاد اس پر ہے کہ امامت مفضول فاضل کی موجودگی میں جائز نہیں ہوتی اکثر اہل سنت و الجماعت کی رائے یہ ہے امام افضل ہونا چاہیے لیکن اس کے امام مقرر کرنے سے افراتفری پیدا ہو اور فتنہ و فساد برپا ہو جائے تو اس کے امامت کا مستحق

ہونے پر اور صفات امام شرائط پر پورا اترنے پر جو کہ قریشی ہونا ہے۔ حلال و حرام کا عالم ہونا اور دین و اسلام کی مہمات و مصالح کا جاننا ہے تقویٰ و پرہیزگاری ہونا ہے، بہادری اور عدالت کا ہونا ہے (دیگر صلاحیات کا جامع ہونا) اگر یہ شرائط پائی جائیں تو مفضول کی امامت بھی درست ہے نیز (امام الحرمین امام غزالی کے استاد) کہتے ہیں: میرے نزدیک یہ مسئلہ یعنی افضل امام کے نصب کا اولیٰ ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے۔

چند سطور آگے چل کر شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام الحرمین کا محاکمہ نقل کرتے ہیں:

پس صحیح آنت کہ در امامت و خلافت پس صحیح ہے کہ امامت و خلافت میں افضلیت افضلیت شرط نیست پس امامت دلیل شرط نہیں لہذا امامت دلیل افضلیت نہیں افضلیت نتواند بود و نزد ماد دلیل دیگر نیست کہ قاطع بود و دلالت کند بر تفصیل بعض بر بعض۔  
(تکمیل الایمان ص 58)  
سے افضل ہونے پر دلالت کرے۔

(زبدۃ التحقیق ص 222 تا ص 224)

اس عبارت سے مقصد بیان:

علامہ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی اولیت کو ان کی افضلیت پر دلیل بنایا ہے، یہ غلط ہے اور اسی سے واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔

جواب

آئیے! علامہ اشعری و شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ کی عبارات کے مطلب کو بیان کرنے سے پہلے راقم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ پیش کرتا ہے کہ دو مسئلے ایک نہ بنائیں، دونوں کو علیحدہ علیحدہ رہنے دیں۔ دینی مدارس میں علم عقائد پر پڑھائی

جانے والی کتاب شرح عقائد کو دیکھیں، اس کے بعد مجھے امید ہے کہ قارئین کرام کو علامہ اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد بیان سمجھ آ جائے گا۔

پہلا مسئلہ نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۳۷ھ اپنی کتاب عقائد (جو عقائد نسفیہ سے مشہور ہے، شرح عقائد کا متن ہے) میں فرماتے ہیں:

وافضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب انسانوں ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذوالنورین پھر ثم علی المرتضیٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

علامہ تفتازانی نے شرح عقائد میں بیان کیا ہے ”والا حسن ان یقال بعد الانبیاء“ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ انبیاء کرام کے بعد سب انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ آپ کا درجہ انبیاء کرام پر بھی زیادہ ہے لیکن شارح نے ماتن کی عبارت کی توجیہ بیان کر دی ”لکنہ اراد البعدیۃ الزمانیۃ ولیس بعد نبیانی“ لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بعدیت سے مراد بعدیت زمانی لی ہے کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(شرح عقائد مع نبراس ص 484)

اسی سے یہ پتہ چل گیا کہ انبیاء کرام کے سوا تمام انسانوں سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ ایک مسئلہ ہے:

اسی کے مطابق ایوقیت والجوہر ص ۴۳۷ میں عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۹۷۳ھ نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

”المبحث الثالث والذیعون فی بیان ان تینتالیسویں بحث اس بیان میں ہے کہ رسول



افضل الاولیاء المحمديين بعد الانبياء  
والمرسلين ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم  
علي رضي الله عنهم اجمعين  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سب اولیاء سے افضل  
انبیاء و مرسلین کے بعد حضرت ابو بکر پھر  
حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی  
رضی اللہ عنہم ہیں۔

اس کے بعد زیر عنوان آپ نے یوں ابتداء کی:

”وهذا الترتيب بين هؤلاء الاربعة الخلفاء  
قطعي عند الشئخ ابى الحسن الاشعري  
ظنى عند القاضي ابى بكر الباقلاني“  
یہ ترتیب افضلیت چار خلفاء راشدین کے  
درمیان امام ابوالحسن اشعری کے نزدیک قطعی  
ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا: ظنی ہے۔  
اسی سے یہ واضح ہو گیا کہ علامہ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے نزدیک خلافت  
دلیل افضلیت نہیں بلکہ افضلیت پہلے ہے۔

مزید وضاحت علامہ شعرانی اسی صفحہ میں یوں فرماتے ہیں:

وقال الشئخ ابو الحسن الاشعري ومما  
فضل به ابو بكر رضي الله عنه انه مازال  
يعين الرضاء من الله عز وجل  
شيخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ  
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس لئے افضلیت  
حاصل ہوئی کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضاء  
میں رہے۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی آپ نے بت پرستی نہیں کی، اگرچہ  
ایمان تو آپ نے بعثت کے بعد قبول کیا ”اذ حکم السعادة دائر مع حکم  
التوحيد لامع الايمان“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زمانہ جاہلیت میں توحید پر قائم رہنے  
کی وجہ سے سعادت حاصل تھی نہ کہ ایمان کی وجہ سے (بلکہ اس وقت مؤحد کو ایمان دار  
کہا جاتا، اگرچہ زمانہ فترت میں کوئی کتاب نہیں تھی اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی  
خبر لائی کہ اسے عام اصطلاح میں ”ایمان“ کہا جاتا۔

اسی مسئلہ فضیلت کے مطابق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا قول دیکھئے:

گفتہ اند کہ علامات اہل سنت سے چیز  
است تفضیل شیخین ومحبۃ الختین  
والمسح علی الخفین ابوبکر وعمر را  
فاضل دانستن و علی و عثمان را محبت  
داشتن وجواز مسح موزہ را اعتقاد کردن  
ایں سے چیز شان اہل سنت و جماعت  
است کہ اہل بدعت ہذاں قائل نیستند۔

بیان کیا گیا ہے کہ اہل سنت کی علامت تین  
چیزیں ہیں: شیخین کو فضیلت دینا اور آپ  
کے دو دامادوں سے محبت کرنا اور اعتقاد مسح  
علی الخفین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت  
عمر رضی اللہ عنہما کے افضل ہونے کا عقیدہ رکھنا اور  
حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت  
رکھنا اور موزے پر مسح کے جائز ہونے  
کا اعتقاد رکھنا یعنی جن میں یہ تین چیزیں پائی  
جائیں وہی اہل سنت و جماعت ہیں جو ان  
کے قائل نہیں وہ بدعتی ہیں۔

(تکمیل الایمان ص 78)

اسی مسئلہ فضیلت کے متعلق شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا قول دیکھئے:

وعبارۃ الشیخ {ابن عربی} (المتوفی  
(۶۳۸) فی الباب الثالث والتسعون عن  
الفتوحات اعلم انه لیس فی امة محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم من هو افضل من ابی بکر غیر  
عمر علیہ السلام وذلك انه اذا نزل بین  
یدی الساعة لا یحکم الا بشرع محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم فیکون له يوم القیامة حشران حشر  
فی زمرة الرسل بلواء الرسل وحشر فی  
زمرة الاولیاء بلواء الولاية انتهى

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات کے  
باب ۹۳ میں فرماتے ہیں: یقین کر لو بیشک  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں حضرت ابوبکر  
رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے  
اس لئے کہ وہ قیامت سے پہلے دنیا میں  
تشریف لائیں گے لیکن وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی  
شریعت کے مطابق ہی فیصلے کریں گے اسی  
وجہ سے قیامت کے دن ان کے دو حال ہوں  
گے وہ رسالت کا جھنڈا اٹھائے رسولوں کی  
جماعت میں بھی ہوں گے اور ولایت کا

(الیوقیت والجواہر ص 438) جنڈا اٹھائے اولیاء اللہ کی جماعت میں بھی ہوں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے امتی ہونے کا شیخ کا قول رد کرتے ہوئے شیخ کمال الدین بن ابی شریف اپنے حاشیہ میں بیان کرتے ہیں:

”الذی یتبعہ ان عیسیٰ علیہ السلام لا یعد من امة محمد ﷺ لانه غیر داخل فی دعوتہ ولا من امة الملة انتھی“

شیخ کے قول پر یہ اعتراض متوجہ ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل نہیں کیونکہ وہ امت دعوت میں بھی داخل نہیں اور امت ملت یعنی امت اجابت میں بھی داخل نہیں۔ (واللہ اعلم)

(الیوقیت والجواہر ص 438)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا راز ایک راز ہی ہے:

وقال الشیخ فی الباب الثالث وثلاثمائة من الفتوحات اعلم ان السر الذی وقرنی صدر اہی بکر رضی اللہ عنہ وفضل بہ علی غیرہ هو القوة العی ظہرت فیہ یوم موت رسول اللہ ﷺ فكانت له کالمعجزة فی الدلالة علی دعوی الرسالة فلو ی حین فہلت الجماعة لانه لا یکون صاحب التقدم والامامة الا ما صاحبها غیر سکران

شیخ رحمہ اللہ نے فتوحات کے باب ص ۳۰۳ میں بیان فرمایا بیشک ایک راز تھا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں جس کی وجہ سے آپ کو دوسرے تمام لوگوں پر فضیلت حاصل رہی یہ آپ کی کرامت ایسے تھی جس طرح اللہ کے رسول کے دعویٰ رسالت پر معجزہ ہوتا ہے آپ نے اس وقت بہادری سے خطبہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا آگے بڑھنے والا اور خلافت کا حقدار وہی ہوتا ہے جس کے ہوش و حواس سلامتی میں رہیں حالانکہ دوسرے صحابہ کرام غم سے بے حال ہونے کی وجہ سے اپنے حواس کو برقرار نہ رکھ سکے تھے۔

(الیوقیت والجواہر ص 438)

اصل میں شیخ کا استدلال ایک حدیث پاک سے ہے:

وقال ﷺ ما فضلکم ابوبکر بکثیر صوم ولا صلوة ولكن بسر وقر فی صدره۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کو زیادہ روزوں یا زیادہ نمازوں کی وجہ سے تم پر فضیلت حاصل نہیں بلکہ ایک راز جو ان کے سینے میں ہے اس کی وجہ سے ان کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔

(الیوقیت والجواہر ص 446)

ہے۔

خیال رہے کہ اس راز کی وضاحت حدیث پاک میں نہیں، شیخ ابن عربی رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد سے جو بیان کی، وہ ذکر کر دی گئی۔ عین ممکن ہے اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی خصوصی محبت ہو، خصوصی جان فٹاری ہو یا آپ کا زمانہ جاہلیت میں توحید پر قائم رہنا ہو، واللہ اعلم۔

شیخ تقی الدین ابی المنصور کا عقیدہ:

ويعتقد ان ابابکر رضی اللہ عنہ افضل من سائر الامة المحمدية و سائر امم الانبياء واصحابهم لانه كان ملازما لرسول ﷺ بالصديقية لزوم الظل للشاخص حتى فی ميثاق الانبياء ولذلك اول من صدق رسول اللہ ﷺ۔  
شیخ تقی الدین اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی تمام امت سے افضل ہیں اور تمام انبیاء کرام کی امتوں اور ان کے اصحاب سے آپ افضل ہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ صدیقیت میں اس طرح لازم رہے جیسے کسی چیز کا سایہ اس کے ساتھ لازم رہتا ہے یہاں تک کہ جتنا انبیاء میں بھی آپ نبی کریم

(الیوقیت والجواہر ص 438)

ﷺ کے ساتھ تھے اسی لئے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنے والے آپ ہی

تھے۔

## مطلق فضیلت پر امام بخاری کا عنوان؟

باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ (بخاری، جلد اول)

## دوسرا مسئلہ:

ابھی تک پہلا مسئلہ بیان ہوا کہ سب سے افضل حضرت ابو بکر، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ اب دوسرا مسئلہ یہ سمجھیں کہ مطلقاً خلافت کا حکم کیا ہے؟

ولا يشترط في الامام ان يكون معصوماً  
اي معصوماً عن الذنوب علقاً للشبهة  
ومطلوبهم عن فلك ابطال علاقة كل من  
عدا الائمة الاثني عشر“  
(شرح عقائد مع نبراس ص 529)

حاکم کیلئے گناہوں سے معصوم ہونا ضروری نہیں، شیعہ کا اس میں اختلاف ہے، مطلوب ان کا اس سے یہ ہے کہ بارہ اماموں کے بغیر سب کی امامت باطل ہے ان کے معصوم ہونے کی چونکہ شارع نے خود خبر دی ہے۔

ولا يشترط ان يكون افضل اهل زمانه  
لان المساوي في الفضيلة بل المفضول  
الاكل علماء او عملاً ربما كان اعرف  
بمصالح الامامة ومفاسدها واقدر على  
القيام بمواجبهها لا اعظم مدار السلطنة هو  
على المهارة بامور الدنيا لا على المهارة  
بالعلم الشرعي وكثرة العبادة خصوصاً اذا  
كان نصب المفضول اذع للشر و ابعد من  
الاراء الضالة۔

یہ شرط نہیں کہ حاکم اپنے زمانے کے سب لوگوں سے افضل ہو اس لئے کہ فضیلت میں دوسرے لوگوں کے مساوی بلکہ فضیلت میں کم درجہ جس کا علم اور عقل کم ہو بسا اوقات وہ حکومت کی مصالح و مفاسد کو زیادہ جانتا ہے اور وہ زیادہ طاقت رکھتا ہے حکومت کے اسباب کو قائم رکھنے کی یعنی عدل کرنا اور سرحدوں کی حفاظت کرنے کی اس لئے کہ سب سے بڑی چیز حکومت چلانے کیلئے دنیاوی معاملات میں کامل مہارت کا پایا جانا ہے صرف علم شرعی میں مہارت اور زیادہ عبادت کرنا کافی نہیں۔

(شرح عقائد مع نبراس ص 535)

خلفاء راشدین عمومی قانون خلافت سے بلند و بالا ہیں:

وخلافتهم ای نیابتهم عن رسول اللہ ﷺ خلفائے راشدین کی رسول اللہ ﷺ کی  
بحیث یجب علی كافة الامم ای جمیع خلافت و نیابت اسی ترتیب کے مطابق ہے  
طوائف المومنین ثابتة علی هذا الترتیب جو پہلے بیان کی جا چکی ہے۔  
ای ترتیب الفضیلة۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی خلافت آپ کے بعد سب سے پہلے حضرت ابو بکر پھر  
حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام مہاجرین و انصار سقیفہ بنی ساعدہ  
میں جمع ہوئے۔ ابتدائی طور پر کچھ مشاورت کچھ منازعت کا سلسلہ قائم ہوا لیکن نبی کریم  
ﷺ کی حدیث ”الائمة من قریش“ سامنے آنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یا معشر الانصار الستم تعلمون ان رسول  
اللہ ﷺ امر ابی بکر یؤم الناس فی  
الصلوة فما لکم تؤخرونه فقالوا معاذ اللہ  
ان تؤخره وقال سعد بن عبادۃ لابی بکر  
نحن الوزراء وانتم الامراء فاعخذ عمر ید  
ابی بکر فبايعه ثم المهاجرون ثم الانصار  
“  
(شرح عقائد مع نبراس ص 493، 494)

انصار نے۔

ولو لم تكن الخلافة حقا لما اتفق عليه  
الصحابۃ  
”لان اجماع الامة علی الباطل ممنوع  
اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حق  
نہ ہوتی تو صحابہ کرام کا اس پر اتفاق نہ ہوتا۔“  
اسلئے کہ امت کا اجماع باطل پر ممنوع ہے

ولاسمما الصحابة الذين هم افضل البشر  
 بعد انبياء  
 خاص کر کے صحابہ کرام جو انبیاء کرام کے بعد  
 افضل البشر ہیں ان میں باطل پر اجماع کیسے  
 ہو سکتا ہے۔

نتیجہ واضح ہوا:

خلفائے راشدین کی فضیلت کی ترتیب پہلے سے اور خلافت کی ترتیب بعد  
 میں۔ خلافت دلیل فضیلت نہیں بلکہ فضیلت دلالت ہے خلافت کے حق ہونے پر۔  
خلفائے راشدین کی خلافت کے حق ہونے پر ارشاد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم:

قال رسول اللہ ﷺ الخلفاء بعدی ثلاثون  
 سنة ثم تصير ملكا عضوضا  
 ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد  
 خلافت تیس سال ہے، اس کے بعد  
 بادشاہت کاٹ کھانے والے ہوگی۔“

اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل راقم کی کتاب ”نجوم التحقیق“ میں دیکھئے۔ اب اس  
 تفصیل کے بعد علامہ اشعری اور شیخ کی عبارات سمجھئے۔

علامہ اشعری رحمہ اللہ خلافت و ملوکیت کا فرق بیان کر رہے ہیں:

اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھئے کہ ”سحب“ کا لفظ ”ثبوت“ کے معنی  
 میں ہے یعنی امام کیلئے یہ ثابت ہے، یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے  
 افضل ہو۔ امام کا افضل ہونا شرط ہے خلافت کاملہ کیلئے، افضل کے ہوتے ہوئے خلیفہ  
 کامل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اگر مفضول کو خلیفہ (حاکم) بنا دیا جائے تو اس میں ملوکیت  
 ہوگی، خلافت نہیں ہوگی۔

خلفائے راشدین کی خلافت کو خلافت نبوت کہا گیا ہے، وہ صرف کامل نہیں  
 بلکہ اکمل ہے۔ اس میں یقیناً خلیفہ اول میں افضلیت بھی اول درجہ کی ہے، اسی طرح  
 خلیفہ ثانی میں فضیلت بھی ثانی درجہ کی ہے اور خلیفہ ثالث میں فضیلت بھی ثالث درجہ کی

ہے اور خلیفہ رابع میں فضیلت بھی رابع درجہ کی ہے۔

اس کے بعد خلافتِ عامہ کا ذکر فرمایا جو عام قانون کے مطابق ہے کہ مفضول کو فاضل کے ہوتے ہوئے بھی خلیفہ بنانا جائز ہے۔ اب اس وضاحت کے بعد کہ خلفائے راشدین کو خلافت نبوت حاصل ہے تو یقیناً ہر خلیفہ کی افضلیت کے مطابق خلافت ہے۔

اب منطقی طور پر شاہ صاحب نے جو شکل اول بتائی ہے، اس میں صغریٰ و کبریٰ خلافتِ نبوت کے مطابق بنائیں تو نتیجہ درست ہوگا۔ صغریٰ بھی صحیح ہوگا اور کبریٰ بھی صحیح ہوگا۔

صغریٰ = حضرت ابو بکر کو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ بنایا گیا۔  
 کبریٰ = ہر وہ جو رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہو وہ افضل ہوگا۔  
 نتیجہ = حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ افضل ہوئے۔

زبدۃ التحقیق میں عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی گئی:

بالجملة فلا ینبغی الخوض فی مثل ذلك الا  
 مع وجود نص صریح مع المناقائلون  
 بترتیب هؤلاء الخلفاء الاربعة كما علیہ  
 الجمهور واما مخالفناہم فی علة التقدیم  
 فہم یقولون ہی الفضل ونحن نقول ہی  
 تقدم الزمان ولو ان كل متاخر كان  
 مفضولا لكان من تقدم محمد ﷺ  
 الفضل منه ولا قائل بذلك احد من  
 المحققين۔ (الہوائت والجواہر ص ۳۳۲)

ترجمہ: حاصل کلام یہ ہے کہ نص صریح کے  
 بغیر ایسے مسائل میں غور و حوض نہیں کرنا  
 چاہیے باوجود اس بات کے کہ ہم لوگ ان  
 خلفائے اربعہ کی ترتیب کے قائل ہیں (جیسا  
 کہ جمہور کا مذہب ہے) ہم نے صرف ترتیب  
 میں مقدم ہونے کی وجہ میں ان (جمہور کی)  
 مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: علت تقدیم  
 (خلافت میں مقدم ہونے کی وجہ) افضلیت  
 ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ زمانے میں مقدم



ہونا (یعنی اس کی وجہ افضلیت نہیں) اور اگر ہر پیچھے آنے والا مفضول (کم درجہ والا) ہوتا تو پھر لازم آتا تھا جو محمد ﷺ سے پہلے آیا وہ سرکارِ مصلیٰ ﷺ سے افضل ہوتا حالانکہ محققین میں سے کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں۔ (زبدۃ التحقیق ص ۲۰۳، ۲۰۴)

اس عبارت کی نقل سے مقصد بیان یہ ہے:

زمانے کے تقدیم کو بالذات کوئی شرف حاصل نہیں اور رخلافت کی تقدم کو بھی حتمی طور پر دلیل افضلیت سمجھنا، یہ ایک علمی لغزش ہے۔ (زبدۃ التحقیق ص ۲۰۲)

اصل خرابی کی وجہ یہ ہے کہ تین چیزوں کو ایک بنا دیا ہے:

جب علم عقائد کا مسئلہ آجائے کہ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب افضلیت پہلے ہے اور ترتیب خلافت اسی افضلیت کے مطابق ہے اور عام خلافت کے قوانین سے خلافت خلفائے راشدین بلند بالا ہے تو علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مقصد بھی سمجھا جائے۔

آئیے! توجہ فرمائیں!! علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مقصد سمجھئے۔ آپ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ ”خلافت علیٰ افضلیت نہیں۔“ یہی اہل سنت کا مذہب ہے کہ افضلیت پہلے ہے، اسلئے قانون یہی ہے کہ متاخر فی الوجود علیت نہیں بن سکتی، حقدم فی الوجود کی۔ اگر صرف تقدم زمانی کو علیت افضلیت مانا جائے تو اس میں خرابی یہ لازم آئے گی کہ نبی کریم ﷺ سے دوسرے انبیاء کرام افضل ہو جائیں کیونکہ سب ہی آپ سے زمانہ کے لحاظ پر مقدم ہیں۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نفی نہیں کی کہ ترتیب افضلیت کے مطابق ترتیب خلافت ہے۔ ترتیب خلافت حق ہے، نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی ”العلافة ثلاثون سنة“ سے۔ جب خلافت ترتیب افضلیت کے مطابق ہے اور اس قید سے خلافت کا تقدم بھی دلیل افضلیت بن سکتا ہے۔

شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کی عبارت پیش کی گئی:

الیواقیت والجواہر ۳۳۲/۲ پر شیخ امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ء بحوالہ  
محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ء ارقام فرماتے ہیں:

اعلم ان الخلفاء الاربعة لم يتقدموا في  
الخليفة الا بحسب اعمارهم فان الاهلية  
للخليفة موجودة فيهم من جميع الوجوه  
فكان سبقهم لا يقتضي التفضيل بمجرد  
ترجمہ: یہ بات جان لے کہ خلفائے اربعہ  
خلافت میں صرف عمروں کے لحاظ سے آگے  
ہوئے ہیں خلافت کی قابلیت ان میں ہر  
طرح سے موجود تھی ان کا خلافت میں  
دوسروں سے مقدم ہونا فضیلت کا تقاضا نہیں  
کرتا۔

اس پر تبصرہ یوں کیا گیا:

”امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے بتا دیا کہ خلاف میں تقدم کے  
حوالے سے افضلیت پر استدلال کرنا یہ علمی لغزش ہے کہ پہلے خلیفہ  
بنا صرف زمانے میں تقدم کا معنی دیتا ہے، افضلیت کا معنی  
نہیں دیتا۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا اسی صفحہ پر آخری سطور  
میں خلاصہ کلام درج ہے۔

بالجملة فلا ينبغي الخوض في مثل ذلك الا  
مع وجود نص صريح مع اننا قائلون  
بترتيب هؤلاء الخلفاء الاربعة كما عليه  
المجهور وانما خلفائهم في حلة التقدم  
نهم يقولون هي الفضل ونحن نقول هي  
تقدم الزمان ولو ان كل متاخر كان  
ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے معاملات  
میں غور و حوض نہ کرنا چاہیے مگر نص صریح کے  
ذریعے سے (کسی واضح دلیل کے ذریعے  
سے) باوجودیکہ ہم ان خلفائے اربعہ کی  
ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب  
ہے اگر ہر متاخر مفضول ہوتا تو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

مفضولالکان من تقدم محمد ﷺ مقدم ہوا وہ آپ ﷺ سے افضل ہوتا  
افضل منه ولا قائل بذلك محقق " اور محققین میں اس بات کا کوئی قائل نہیں۔

(زبدۃ التحقیق ص 347 تا ص 349)

پہلی جو عبارت پیش کی گئی ہے، اس پر اگر چہ محشی نے یوں بیان کیا:

"قلت الذی نعتقدہ ان تقدم الخلفاء میں کہتا ہوں کہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ بیشک  
الاربعة كان بالفعل والزمان معا وهذا خلفاء اربعہ کی تقدیم (بالترتیب) افضل اور  
اولی مما قالہ الشیخ واللہ اعلم فلیتامل " زمانے دونوں سے ہے یہ زیادہ بہتر ہے،  
اس سے جو شیخ نے کہا۔ واللہ اعلم، سوچنا

چاہیے۔

راقم کا عقیدہ بھی یہی ہے لیکن شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کا بھی ہمارے  
عقیدہ کے مخالف نہیں جس طرح پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ خلفائے راشدین کی  
افضلیت کی ترتیب پہلے ہے اور خلافت کی بعد میں کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو توفیق ہی  
یہ عطا فرمائی کہ انہوں نے خلفاء کا تقریر بھی ان کی فضیلت کی ترتیب مطابق کیا۔

شیخ کی پہلی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ ترتیب خلافت میں اور حکمت بھی تھی  
کہ رب تعالیٰ نے ان کی عمروں کے مطابق ان کے تقرر کے فیصلہ کی صحابہ کرام کو توفیق  
عطا کر دی۔ "فلما سبق فی علم اللہ ان ابا بکر یموت قبل عمر وعمر قبل  
عثمان و عثمان یموت قبل علی " جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ موجود تھا کہ بیشک  
حضرت ابو بکر کی وفات عمر سے پہلے آئے گی اور حضرت عمر کی وفات حضرت عثمان سے  
پہلے آئے گی اور حضرت عثمان کی وفات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے آئے گی تو اسی طرح  
صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ انہوں نے خلفاء کو اسی ترتیب کے مطابق  
مقرر کر دیا۔

دوسری عبارت سے اصل مسئلہ یہ بیان کیا گیا کہ تقدیم خلافت بالترتیب کی علت ہر ایک کی عمروں کے مطابق تقدیم بالزمان ہے علت فضیلت نہیں۔  
مسئلہ یہ بیان ہی نہیں ہوا کہ خلیفہ اول سب سے افضل تھا یا نہیں بلکہ مسئلہ یہ بتایا گیا کہ تقدیم کی علت کیا تھی؟

حقیقی بات تو یہ ہے جو حضرت علامہ سید ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث حضرت الاحناف لاہور نے فرمایا تھا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کو اگر صحیح سمجھا تو حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا۔ کئی لوگوں نے شیخ کے اقوال کی غلط ترجمانی کی۔  
سید الاولیاء حضرت مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے قول کو بھی سمجھئے:  
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل بنانے کی ناکام کوشش میں یوں کہا گیا:

مجدد گوڑوی کا بیان:

رئیس امجد دین فاتح قادیان، نائب غوث الثقلین خواجہ خواجگان سید السادات پیر سید مہر علی شاہ صاحب گوڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی خلافت مرتضوی کا سب سے آخر میں ہونا موجب تفسیر نہیں بلکہ فضیلت ہے دیکھو کہ سید عالم رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ ظہور میں سب انبیاء سے آخر ہیں۔

(ملفوظات مہریہ، ملفوظ 150 ص 111 بحوالہ زبدۃ التحقیق ص 347)

اس عبارت سے پہلے تمام ملفوظ کو پڑھئے تو عقدہ حل ہو جائے گا۔

ملفوظ ۱۵۰:

ایک دن طلاقہ گھسی سے دو آدمی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مسئلہ خلافت خلفائے اربعہ میں تحقیق طویل بطور استفسار شروع کر دی۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں شیعہ عقیدہ کے تھے، حضرت قبلہ عالم سرہ نے اس موقع پر جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ یہ

ہے کہ اصحابِ ثلاثہ کے حق میں زبانِ طعن کھولنا اچھا نہیں ان بزرگواروں نے جس طرح دینِ اسلام کی اعانت اور خدمت کی وہ تاریخ اور سیرت جاننے والوں سے مخفی نہیں۔ تاریخ نویس کو مذہب کی حمایت کا خیال نہیں ہوتا، تاریخ نگاری میں صرف واقعات حقیقت مد نظر رکھے جاتے ہیں اور کوئی واقعہ چھپایا نہیں جاتا۔ اس کے برعکس اہل تحقیق خلافت کو کتاب و سنت سے امر موعود و معہود دیکھتے ہیں۔ آیت..... ”وعد

اللہ الذین آمنوا و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم“ اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کئے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطاء کرے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا..... سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلفاء بہت سے ہونے تھے نہ صرف ایک ”ہم ضمیر جمع کی ہے“ اور اسی کے مطابق واقعات ظہور میں آئے۔ چنانچہ حدیث ”الخلافة من بعدی ثلاثون سنة“ سے ایسا ہی ثابت ہوا ہے۔ اگر ابتداء خلافت مولانا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقرر ہوتی اور شیخین ان کے معین و مشیر ہوتے تو تو اچھا ہوتا اور اگر صدیق اکبر خلیفہ اول ہوئے اور مولانا رضی اللہ عنہما بحکم ”رحماء بینہم“ ان کے معین ہوئے تو بھی اچھا ہوا لیکن خلافت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

پھر ان دونوں نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ علم میں افضل تھے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا: بے شک مولانا علی رضی اللہ عنہ کا علم شمعِ روحانیت محمدی سے مقتبس ہے اور نبی کا علم الوہیت سے لیکن اس بات سے خلافت اولیٰ کا انکار ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی خلفائے ثلاثہ کی عدم قابلیت ثابت ہوتی ہے ”قد جعل اللہ لكل شیء قدراً“ اللہ تعالیٰ نے ہر امر کیلئے ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے۔ انتظامی سیاست کے امور اور تدابیر حرب میں حضرات شیخین مدظلہم رکھتے تھے جو کام انہوں نے کیا وہ بلحاظ انتفاع اسلام و مسلمین قابلِ تعریف و تحسین ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ شیخین نے اپنی وفات کے وقت

خلافت کو اپنی اولاد کے سپرد نہیں کیا اور نہ کسی کو ان کی بیعت کا امر فرمایا باوجودیکہ ان کی اولاد بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ بیت المال و غنائم کے خرچ میں بھی ہرگز متہم نہیں ہوئے، اپنی معاش دوسروں کی طرح رکھتے تھے، سادہ کپڑے پہنتے اور روسائے عجم کی طرح کالباس کبھی ان کا معمول نہ ہوا۔ پس ایمان صحیح ان کے اتہام پر فتویٰ نہیں دیتا خلافت مرتضوی کا سب سے آخر میں ہونا موجب تفسیر شان نہیں ہے بلکہ فضیلت ہے دیکھو کہ سید عالم علیہ السلام مرتبہ ظہور میں سب انبیاء سے آخر ہیں۔

(ملفوظات مہرہ ص 110, 111)

حضرت صاحب کے مکتوب سے بہت واضح ہے سوال خلافت کے بارے میں ہے، افضلیت کے بارے میں نہیں۔ آپ نے فرمایا: سب کی خلافت برحق تھی۔ اللہ تعالیٰ کو جیسا منظور تھا ایسا ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے خلیفہ مقرر کرنے کا تو ان کی خلافت برحق ہوتی۔

جب آپ سے پوچھا گیا کہ حضرت تو زیادہ علم رکھتے تھے تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے آپ کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے مقنس تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم رب تعالیٰ کے علم سے مقنس تھا لیکن اس کا تعلق خلافت سے کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں خلیفہ بنانا آپ کی شان کو کم نہیں کر رہا بلکہ ”رحماء بینہم“ کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل رہی۔ خیال رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کا تو انکار نہیں۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ کیا آپ سب سے افضل تھے یا تین خلفاء کے بعد سب سے افضل تھے، اسے حضرت صاحب نے بیان ہی نہیں فرمایا۔

آئیے! سیدنا حضرت پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کا عقیدہ آپ کی کتب میں دیکھئے:

حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے عقیدہ کے متعلق بیان:

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد لله الذی سب تعریف خدا تعالیٰ کے لئے ہے جس نے

ہدانا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله  
 اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له  
 موصوف بما نص عليه في القرآن المجيد  
 بحسب ما اراد وان محمدا ﷺ عبده و  
 رسوله وان ما جاء به النبي عليه السلام  
 حق وان خلافة الخلفاء الاربعة على  
 الترتيب الذي وقع حق فهذه عقيدتي على  
 سبيل الاجمال وكفى بالله شهيدا

(فتاویٰ مہریہ ص 3)

ہمیں ہدایت فرمائی اور اگر وہ ہمیں ہدایت نہ  
 فرماتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے، میں گواہی دیتا  
 ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی اور عبادت کے لائق  
 نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں  
 اور وہ ان صفات سے جو قرآن مجید میں  
 منصوص ہیں ویسا ہی موصوف ہے جس طرح  
 اس نے ارادہ فرمایا اور گواہی دیتا ہوں کہ  
 حضور پر نور جناب محمد ﷺ اس کے بندہ  
 خاص اور رسول ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ جو  
 کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کی طرف  
 سے لائے وہ حق ہے اور خلفائے اربعہ کی  
 خلافت ترتیب واقعی کے مطابق حق ہے۔  
 پس میرا اجمالی طور پر یہ عقیدہ ہے اور اس پر  
 اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔

آنجناب سے اجمالی طور پر آپ کے عقیدہ کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ  
 نے تحریر فرمایا۔ (حاشیہ فتاویٰ مہریہ ص ۳)

”وان خلافة الخلفاء الاربعة على الترتيب  
 الذي وقع حق“ اور خلفائے اربعہ کی خلافت ترتیب واقعی  
 کے مطابق حق ہے۔“

اس مندرجہ عبارت کی طرف توجہ فرمائیں کہ جو ترتیب واقع میں ان کو حاصل  
 تھی، اسی کے مطابق ان کو خلافت بھی حاصل ہوئی، وہ حق ہے۔ چار یاروں کا آپ نے  
 ذکر فرمایا پانچ یاروں کا ذکر نہیں فرمایا۔

پھر یہ فرمایا ”فہذہ عقیدتی علی سبیل الاجمال و کفی باللہ شہیدا“

”یعنی آپ نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اپنا عقیدہ بیان فرمادیا کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے، راقم کا کام تو صرف بیان کرنا ہے۔“

آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کون مراد ہیں؟

مخلصی فی اللہ برکت علی حفظک اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!! اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد  
کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم، قال رسول اللہ ﷺ، لکل  
نبی آل وعدة و آلی و عدتی المؤمن“

ہر ایک نبی کے لیے اتباع و جماعت ہیں اور میری تابعین اور جماعت وہ  
لوگ ہیں جنہوں نے مجھ کو صدقِ دل سے سچا نبی مانا ہے۔ اس حدیث سے جس کو  
حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ کی دوسری جلد میں بجواب سوال حکیم ترمذی ذکر  
کیا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آل محمد سے مراد سب مؤمن ہیں، اقارب و ازواج و اولاد  
وغیرہم اور لغت والوں جیسا کہ قاموس وغیرہ نے بھی معنی اقارب و اتباع لیا ہے۔

ہاں!! اس میں شک نہیں کہ کسی مقام میں اہل بیت و آل محمد سے مراد وہ  
اقارب ہیں جن پر صدقہ لینا حرام ہے، چنانچہ آل علی و آل جعفر و آل عقیل و آل عباس  
علیہم الرضوان اور کسی جگہ پر نظر بقریہ مقام اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و ازواج مطہرات اور  
کسی جگہ سیدۃ النساء فاطمہ الزہراء و حسن و حسین و علی علیہم السلام۔

خلاصہ آنکہ لفظ آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم مندرجہ درود شریف اور آل ابراہیم اور آل فرعون  
سے مراد اتباع اور پیرو لوگ ہیں، ما سوائے درود شریف جیسا جیسا مقام ہوگا بقریہ  
مقام خاص خاص معانی مراد ہوں گے۔ والسلام۔ (فتاویٰ مہر یہ ص ۱۸)  
آپ کے فتویٰ سے واضح ہو گیا کہ ”آل“ صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ  
حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم سے ہر جگہ خاص نہیں۔ ہاں کسی جگہ قریہ کے پائے



جانے سے تخصیص بھی ہوگی، آل سے مراد تمام قبضین بھی ہیں۔ اور آل سے مراد ازواج مطہرات بھی ہیں اور آل سے مراد آل علی اور آل جعفر اور آل عقیل اور آل عباس بھی ہیں۔

تفسیر:

سیدنا حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی تصنیف ”تفسیر ما بین السنی والشیعہ“ سے کافی اقتباس میں نے ”تفسیر نجوم الفرقان“ میں نقل کئے ہیں، جو ”نجوم التحقیق“ کے نام سے علیحدہ کتاب چھپ چکی ہے۔

خلافت ظاہرہ اور باطنہ کا فرق بھی باطل ہے:

اس نیابت نبوی کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جس کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس کے قریب ہو، پس اسے صورتِ خلافت یعنی ریاست عامہ اور معنی خلافت یعنی قرب انبیاء دونوں کا جامع ہونا چاہیے جیسا کہ خلفاء اربعہ علیہم الرضوان تھے، البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں صورتِ خلافت یعنی ریاست عامہ اور اجتماعِ مسلمین بدرجہ اتم موجود تھا اور عہد مرتضوی میں اگرچہ معنی خلافت یعنی قرب نبوی بدرجہ کمال تھا لیکن ریاست عامہ اور اجتماعِ مسلمین خلفائے ثلاثہ کے دور کی طرح نہ تھا۔ (فتاویٰ مہریہ ص ۱۲۵)

سیدنا حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے ارشاد کو یوں سمجھئے، آپ فرماتے ہیں: خلافتِ نبوت جو تیس سال تک تھی اس کا مستحق وہی شخص تھا جو خلافت ظاہرہ اور خلافتِ باطنہ کا جامع تھا۔ پہلے تینوں خلفاء میں دونوں درجے کامل پائے گئے لیکن حضرت علیؑ کے زمانہ میں خلافتِ باطنہ تو کامل درجہ کی ہی رہی لیکن خلافت ظاہرہ خلفشار وغیرہ کی وجہ سے پہلے تین خلفاء کی طرح کامل درجہ کی نہیں پائی گئی۔

یہ بھی خیال رہے کہ آپ نے چار خلفاء کا ذکر کیا ہے کیونکہ جھگڑا ہی چار

میں تھا۔

”زبدۃ التحقيق“ میں ابن حزم کی کتاب الملل والنحل کی عبارات لی گئی ہیں:

اسی طرح عبدالکریم شہرستانی کی عبارات لی گئی ہیں۔ شہرستانی کی کتاب کا نام بھی ”الملل والنحل“ ہے۔

آئیے! کشف الظنون کو دیکھئے، الملل والنحل کے متعلق کیا بیان کیا گیا ہے:

الملل والنحل متعددة صنف فيها جماعة منهم ابو منصور عبد القاهر بن طاهر البغدادي المتوفى ٤٢٩ هـ و ابو مظفر طاهر بن محمد الاسفرائني والقاضي ابو بكر محمد بن الطيب الباقلائي المتوفى ٤٠٣ هـ و ابو محمد علي بن احمد المعروف بابن حزم الظاهري المتوفى ٤٥٦ هـ وهي كتاب الفصل بين اهل الاهواء والنحل مر في الكاف قال الناج السبكي في الطبقات كتابه هذا من اشر الكتب وما برح المحققون من اصحابنا ينهون عن النظر فيه لما فيه من الازدراء باهل السنة وقد افرط

فيه في التعصب على ابي الحسن الاشعري حتى صرح بنسبته الى البدعة، انتهى ومنهم صنف ابو الفتح الامام محمد بن عبدالکریم الشهرستاني المتوفى ٥٤٨ هـ فقد قال في ايضا هو عندي عجز كتاب صنف في هذا الباب بوقال الشيخ (الاکبر محی الدین ابن عربی) في الفتوحات لا يجوز النظر في كتب الملل والنحل لاحد من القاصرين واما صاحب الكشف فينظر فيها ليعرف من اى وجه تفرعت اقوالهم لا غير وهو آمن من موافقتهم في الاعتقاد وصنف احمد بن يحيى المرتضى مختصرا سماه الملل والنحل ايضا على مله الزيدية وذكر فيه ان الفرقة الناجية هي الزيدية

(الماخوذ من كشف الظنون عن اسامي الكتب والفنون للعالم الفاضل الاربیب مصطفی بن عبدالشہر بجائی خلیفہ و بکاتب مجلس جلد ٢)

جن کتابوں کے نام الملل والنحل ہیں، وہ چند کتابیں چند مصنفین کی ہیں:

(١) ایک ”الملل والنحل“ ابو منصور عبد القاهر بن طاہر البغدادی المتوفی (سن ٤٥٦)

کی ہے۔

(۲) دوسری ”الہملل والنحل“ ابو مظفر طاہر بن محمد اسفرائینی کی ہے۔

(۳) تیسری ”الہملل والنحل“ قاضی ابوبکر محمد بن طیب باقلانی المتونی

(سن ۷۴۰۳ھ) کی ہے۔

(۴) چوتھی ”الہملل والنحل“ جس کا مکمل نام ہے کتاب الفصل بین اہل الاحواء والنحل

(اسکا ذکر کشف الظنون میں کاف میں بھی کیا گیا ہے) یہ کتاب ابو محمد علی بن

احمد کی ہے جو ابن حزم طاہری سے مشہور ہے۔ اس کی وفات سن ۴۵۹ھ میں

ہے۔ ابن حزم کی کتاب کے متعلق علامہ تاج الدین سبکی نے بیان فرمایا:

”کہ اسکی کتاب باقی کتب سے زیادہ شر، فتنہ، فساد پھیلانے والی

ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے تحقیقین حضرات ہمیشہ ابن حزم کی

کتاب کو دیکھنے سے منع فرماتے رہے۔“ ابن حزم کی کتاب میں

اہل سنت کی توہین کی گئی ہے، ان پر عیب لگائے گئے ہیں، ابن حزم

کی کتاب میں علامہ ابوالحسن اشعری کے خلاف بہت تعصب سے

کام لیا گیا ہے، یہاں تک کہ واضح طور ان کو بدعتی کہا گیا ہے۔

(۵) پانچویں کتاب ”الہملل والنحل“ عبدالکریم شہرستانی کی ہے جس کے بارے

میں اٹکا اپنا قول یہ ہے کہ اس فن میں لکھی گئی کتابوں سے یہ بہتر ہے۔

(۶) چھٹی کتاب ”الہملل والنحل“ کے نام سے ہی احمد بن یحییٰ المرغزی کی ہے۔ یہ

کتاب دوسری کتابوں سے مختصر ہے اور یہ زید یہ فرقہ کے مذہب کے مطابق

ہے۔ اس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نجات پانے والا صرف زید یہ فرقہ ہے۔

(لیکن یہ کتاب بہت بعد میں لکھی گئی ہے، یہ شیعہ کے مذہب کے مطابق ہے

اسے پڑھ کر شیعہ مذہب اختیار کرنا ہی ہے اور کیا؟)

پہلی پانچ ”الہملل والنحل“ کے متعلق شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ

اکبر سے مشہور ہیں فرماتے ہیں: ان کتابوں کو عام لوگوں کیلئے جو صاحب کشف نہیں ہیں پڑھنا جائز نہیں صرف صاحب کشف کیلئے جائز ہے کہ وہ ان کتابوں میں نظر کرے اسے معلوم ہو جائے گا کہ کسی وجہ پر یہ اقوال متفرع ہیں اس کے سوا جائز نہیں صاحب کشف ان کے اعتقاد کی موافقت سے امن میں رہے گا۔

علماء کرام کیلئے لمحہ فکریہ !!

کیا زبدۃ التحقیق کتاب کا سہارا مذکورہ بالا مصنفین پر ہی نہیں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق سوائے اہل کشف کے عام شخص حقیقی مراد کو نہیں سمجھ سکتا اور آپ نے فرمایا: وہ ان کے اقوال پر نظر نہ کرے تو عوام کو ان پر نظر کرانے کا کیا فائدہ ہوا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ابن حزم کی شان بیان کرتے ہیں، آئیے! دیکھئے!!

جمع بین الصلوٰتین صوری پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ”طلوع فجر نوری بہ اثبات جمع صوری“ طویل بحث و تحقیق کی۔ اسی مسئلہ کی ضمن میں ابن حزم کا ذکر بھی آگیا، جس نے ابوالطفیل رحمۃ اللہ علیہ جو صحابی ہیں کو مقدوح مجروح کہا تھا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا:

”ہاں!! یہ دفتر توثیق اپنے پیشوا ابن حزم غیر مقلد لاندہب کو سنائے، جس خبیث اللسان نے آپ کی اس روایت کے رد میں سیدنا ابوالطفیل صحابی رحمۃ اللہ علیہ کو عیاذاً باللہ مقدوح بتایا، جسے دوسرے غیر مقلد شوکانی نے نقل کی، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رد پر آتے ہیں خوفِ خدا و شرمِ دنیا سب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں۔ اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کیلئے صحیح بخاری شریف کی صحیح و متصل حدیث کو بزم تعلیق روکیا، جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا۔“

راقم کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ ابن حزم کی کتاب ”الفصل بین الاہواء والنحل“ کو جب کشف الظنون میں علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ کے قول سے ”اشراکتب“ قرار دیا تو یقیناً مصنف شریر ہے۔

اسے ہی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مقلد، لاندہب اور خبیث اللسان بتایا۔ اس کی عبارات کو نقل کرنا یقیناً شر و فساد پر مبنی ہونا ہی ہے، اہل سنت نے تقسیم ہونا ہی ہے، اہل سنت کے اتحاد کو توڑنے کی ذمہ داری کس پر؟ کسی کو مورد الزام تو نہیں ٹھہراتا لیکن دکھ درد شدید ہے کہ اہل سنت کے اتحاد کو کسی کی نظر لگ گئی۔

### اعتراض:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہونے چاہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

”ان عم الرجل صدواہمہ وهو حدیث حسن صحیح أخرجه العرمذی وغیرہ عن نبی ہدیۃ“  
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے۔“

(جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم العباس)

### جواب:

اور کچھ شک نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ شیخ المسلمین ہیں اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر وقائد اور ان کی آبرو اور ان کے سروں کے تاج ہیں (کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمان چچا ہیں اسی وجہ (خاص) سے چاروں خلفاء پر انہیں فضیلت ہے جیسے

ولاشک انہ رضی اللہ عنہم المسلمین وسید ہم ومقدمہم وقائدہم وعز نفوسہم وتاج رؤسہم حتی الخلفاء الذریعة من ہذا الوجہ کما ان حضرتہ البتول الزہراء و اعماہا السید الکرم ابراہیم علی ابہما و علیہا الصلوٰۃ والتسلیم افضل الامۃ مطلقا من

جہۃ النسب و الجزیۃ و کرامۃ الجوہر و حضرت فاطمۃ الزہراء اور انکے بھائی سید  
الطہیۃ“

ابراہیم ان کے والد اور ان پر صلوة و سلام ہو  
از روئے نسب و جزیت و کرامت جو ہر  
وطنیت تمام امت سے افضل ہیں۔

(نماوی رضویہ ج 28، ص 528)

سبحان اللہ!! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب جواب دیا کہ ایک جواب سے  
تین اعتراضات کو ختم کر دیا کیونکہ کبھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کی جا رہی  
تھی اور کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی اور کبھی حضرت فاطمہ الزہراء  
رضی اللہ عنہا کی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بیشک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جو فضیلت حاصل  
ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں سوائے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا  
ہیں اور حضرت ابراہیم اور حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما یہ اولاد ہیں، اس وجہ سے ان کو جو  
فضیلت حاصل ہیں وہ کسی اور کو حاصل نہیں لیکن یہ جزئی فضیلت حاصل ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسی جواب سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا  
قول بھی واضح ہو گیا کہ آپ کو جزئی فضیلت خاندانی حاصل تھی اور حضرت عبداللہ بن  
مسعود رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قول کا جواب آ گیا کہ ان کو اور ان کی والدہ کو قبل از حجاب  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آنے کی عام اجازت تھی۔ بنی تمیم کے کچھ لوگ آئے تھے  
تو ان کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا فرد ہی سمجھ رہے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ  
کسی اور صحابی کی افضلیت کے بارے میں یہ کوئی حدیث نہیں ملے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی زندگی میں یہ کہا گیا ہو کہ یہ سب سے افضل ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ روکا ہو اور جن  
کتابوں سے دوسرے اقوال لئے گئے ہیں ان کا معیار بھی عقلی نہیں۔

اعتراض:

بعض حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "افضل الناس" (سب لوگوں سے افضل) کہا اور بعض نے آپ کو "خیر البریۃ" (سب مخلوق سے بہتر) کہا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو افضلیت کیسے بالاجماع حاصل ہے؟

جواب:

اعلیٰ حضرت محمد ﷺ نے اس کا جواب پہلے ہی ذکر فرما دیا:

لمت شعری الام یؤدی ضیق العطن اذا  
ای احادیث لا تخبروا بین الانبیاء ولا  
تفضلونی علی یونس بن متی و افضل  
الانبیاء آدم و ذاک (ای) عمر البریۃ  
ابراہیم ایقول بتعارض النصوص فی  
تفضیل المصطفیٰ ﷺ علی العالمین  
جمیعاً امر یرجع الی نفسه فمدی ان  
التعارض شیء ومجرد وجود النفس و  
الاثبات شیء آخر

اور کاش میں سمجھتا کہ یا کاش میرا کسی کو علم  
حاصل ہوتا) کہ بندش کی تنگی کا انجام کیا ہوگا  
جبکہ وہ یہ حدیشیں دیکھتے کہ انبیاء کہ میں باہم  
ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس  
ابن متی پر فضیلت مت دو اور آدم افضل انبیاء  
ہیں اور ابراہیم خلیفہ میں سب سے بہتر ہیں کیا  
وہ مصطفیٰ ﷺ کی سب جہان پر فضیلت میں  
تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف  
لوٹے تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شے ہے  
اور مجرد وجود نفسی و اثبات دوسری شے ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 671، 672)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے جواب کی وضاحت:

دو دلیلوں میں تعارض اس وقت ہوتا ہے جب دونوں میں قوت و ضعف کے لحاظ پر ہماری ہو، قوی اور ضعیف میں تعارض حقیقی نہیں ہوتا بلکہ تعارض صوری ہوتا ہے جب نبی کریم ﷺ کا افضل الانبیاء ہونا اجماع سے ثابت ہے تو دوسری احادیث کو توجیہ

ضروری ہے۔

عقائد نسفیہ میں ہے: ”افضل الانبياء محمد عليه السلام“ سب انبیاء کرام سے افضل حضرت محمد ﷺ ہیں:

”و عندنا في الاستدلال وجهان احدهما الاجماع فهو قول لم يعرف له مخالف من اهل السنة بل من اهل القبلة كلهم“

ہمارے نزدیک دو دلیلیں ہیں: نبی کریم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ اس کا اجماع پایا گیا ہے کیونکہ یہ وہ قول ہے جس میں اہل سنت میں سے کسی کا اختلاف معلوم نہیں بلکہ کسی مسلمان کا اختلاف اس میں نہیں پایا گیا۔

اور دوسری دلیل نبی کریم ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے پر وہ احادیث ہیں جن میں بہت واضح طور آپ کا افضل الانبیاء ہونا مذکور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے سب انبیاء پر فضیلت دی ہے اور میری امت کو سب امتوں پر فضیلت دی (ترمذی) اور آپ کا ارشاد گرامی یہ ہے: میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا (مسلم) اور آپ کا ارشاد گرامی یہ ہے: میں ہی

سب انگلوں اور پچھلوں میں مکرم ہوں، اس پر کوئی فخر نہیں۔ (ترمذی، دارمی) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جب قیامت کا دن ہوگا میں ہی سب انبیاء کا امام ہوں گا اور سب کا خطیب میں ہی ہوں گا اور ان سب پر شفاعت کرنے میں مجھے ہی سبقت حاصل ہوگی، اس پر فخر نہیں۔ اس طرح کی کثیر احادیث ہیں جو نبی کریم ﷺ کی افضلیت پر دلالت کر رہی ہیں۔



### اعتراض:

نبی کریم ﷺ کی کئی احادیث ہیں جب سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود دوسرے انبیاء کرام کو افضل کہا ہے تو آپ کی افضلیت پر تو اجماع نہیں۔

### اس اجمال کا اجمالی جواب یہ ہے:

اصل التفضیل بین الانبیاء قطعی لقولہ تعالیٰ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض۔  
تفصیل انبیائے کرام کے درمیان قطعی ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) یہ رسول ہیں فضیلت دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر۔

اور رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض“ قسم ہے البتہ تحقیق فضیلت دی ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر۔

اسلئے فضیلت تو سب انبیاء کرام کو حاصل ہے لیکن سب سے افضل ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں جس پر اجماع بھی ہے اور کثیر احادیث سے واضح ثبوت حاصل ہے۔ جن احادیث میں دوسرے انبیاء کرام کا افضل ہونا ثابت ہے، ان کی توجیہات بیان کی گئی ہیں تاکہ سب کا مطلب درست رہے۔ (ماخوذ از نبراس، ص ۲۵۷، ۲۵۸)

### اعتراض و جواب کی تفصیل:

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا: و افضل الانبیاء آدم۔  
سب انبیاء سے افضل آدم ہیں تو نبی کریم ﷺ ”افضل الانبیاء“ کیسے ہیں؟

(الحکم الکبیر، حدیث 11361 المکتبہ الفیصلیہ بیروت 160/11)

تو اسکا جواب یہ دیا گیا کہ آدم ابو البشر ہیں۔ سب انبیاء کرام آپ کی ذریت سے ہیں اس وجہ سے ان کو سب انبیاء سے افضل کہا گیا ہے۔ جمیع مدارج و مراتب کے

لحاظ پر سب انبیاء سے افضل نبی کریم ﷺ ہی ہیں۔

اس طرح اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لاتخیروا بین الانبیاء“ (تم انبیاء کو ایک دوسرے سے افضل نہ کہو) (صحیح بخاری کتاب الخصومات باب ما یذکر فی الاشخاص و صحیح مسلم کتاب الفعائل باب من فضائل موسیٰ)

ان مذکورہ ابواب میں ہی ذکر کیا گیا ”لاتفضلوا بین الانبیاء“ تم انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور اسی طرح ذکر کیا گیا ”لاتخیرونی علی موسیٰ“ تم مجھے موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہ کہو تو نبی کریم ﷺ کو افضل الانبیاء کیسے کہا جاتا ہے؟ (خیال رہے کہ ”خیر“ اصل میں ”اخیر“ اسم تفضیل ہے۔ معنی دونوں یعنی خیر اور افضل کا ایک ہی ہے) اسکے چند جواب دیئے گئے ہیں:

1- احدھا انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قبل ان یعلم انہ سید ولد آدم فلما علم اخبر بہ  
ایک جواب یہ دیا گیا کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے علم سے پہلے یہ فرمایا جب آپ کو یہ علم عطا کر دیا گیا کہ آپ اولاد آدم کے سردار ہوں گے قیامت کے دن تو آپ نے اپنی سیادت کا ذکر فرما دیا۔

2- والثانی قالہ ادبا وتواضعا  
دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ جن احادیث میں فضیلت دینے سے منع فرمایا وہ نبی کریم ﷺ کا اجزا نہ کلام ہے۔

اور انبیاء کرام کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور جس حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے اپنی فضیلت کو بیان فرمایا وہ بیان حقیقت ہے۔

3- والثالث ان النہی انما ہو عن تفضیل یودی الی تفضیل المفضول  
تیسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو انبیاء کرام کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا

وہ اس وجہ سے فرمایا کہ ایسی فضیلت نہ دو جسکی وجہ سے دوسرے انبیاء کرام کی تنقیص (انکی شان میں کمی) نہ پائی جائے۔

4- و الرابع انما نهي عن تفضيل يودي الى الخصومة والفتنة كما هو المشهور في سبب الحديث «

چوتھا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے ایسی فضیلت دینے سے منع فرمایا جو جھگڑے اور فساد کا سبب بنے۔ جیسا کہ منع کرنے والی حدیث کا سبب مشہور ہے۔

وہ یہ ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

استب رجلان رجل من اليهود ورجل من المسلم والذی اصطفى محمد صلی اللہ علیہ وسلم علی العالمین وقابل الیہودی والذی اصطفى موسی علی العالمین وقال فرغم المسلم یدلہ عند ذلک فلعظم وجه الیہودی فذهب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعبرہ بما کان من امرہ و امر المسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تغرونی علی موسی (الحديث)

دو مردوں کا جھگڑا ہو گیا۔ ایک ان میں سے یہودی تھا اور دوسرا مسلمان تو کہا مسلمان نے قسم ہے اس ذات کی جس نے جن لیا یعنی برگزیدہ بنا لیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سب جہان والوں پر اور یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو جن لیا ہے سب جہان والوں پر۔ راوی کہتے ہیں: مسلمان نے یہودی کے چہرے پر تھپڑ مار دیا تو وہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپکو اپنے اور مسلمان کے معاملہ (لڑائی) کی خبر دی تو رسول اللہ نے فرمایا،، مجھے موسیٰ علیہ السلام پر برتری نہ دو۔“

5- والخامس ان النهی مخصص بالتفضيل في نفس النبوة فلا تفاضل فيها وانما التفاضل بالخصائص والفضائل اخرى ولا

پانچواں جواب یہ ہے کہ بیشک فضیلت دینے کی ممانعت کا تعلق نفس نبوت سے ہے کہ کسی نبی کو نبوت میں ایک دوسرے پر فضیلت

بد من اعتقاد التفضیل فقد قال اللہ تعالیٰ  
تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض

(نووی شرح مسلم ج 2، ص 253 کتاب  
الفہائل، باب تفضیل نبینا ﷺ علی جمیع الخلائق

(

فائدہ:

جس حدیث پاک کے تحت یہ جواب دیئے گئے۔ وہ حدیث اور اسکے فوائد  
بھی دیکھتے چلے جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا میں اولاد آدم کا قیامت کے دن  
سر وار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر ہی  
پھٹے گی (یعنی سب سے پہلے مجھے ہی قبر سے  
نکالا جائے گا) اور سب سے پہلے شفاعت  
کرنے والا میں ہی ہوں گا۔ اور سب سے  
پہلے میری شفاعت ہی قبول کی جائے گی۔

علامہ ہروی نے فرمایا: ”سید“ وہ ہے جو قوم  
کے اوپر درجہ رکھتا ہو۔ اور دوسرے اہل علم  
نے فرمایا سید وہ ہے جس کی طرف لوگ  
مصائب و آلام میں رجوع کریں (اپنی

پریشانی کا ذکر کریں) وہ ان کے معاملات کو درست کرے، ان کی مشکلات کو اٹھائے  
اور کالیف کو ان سے دور کرے۔

حدیثی الحکم بن موسیٰ ابو صالح قال  
حدثنا عقل یعنی ابن زیاد عن الاوزاعی  
قال حدثنی عبد اللہ بن فروخ قال  
حدثنی ابو ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ  
انا سید ولد آدم یوم القیامة و اول من  
یشق عنہ القبر و اول شافع و اول مشفع

قال الہروی السید هو الذی یفوق قومه فی  
الخیر و قال غیرہ هو الذی یفزع الیہ فی  
النوائب والشدائد فیقوم بامرہم ویتحمل  
عنہم مکارہم ویدفعہا عنہم

نبی کریم ﷺ نے اپنی سیادت کا قیامت کے دن سے ذکر فرمایا حالانکہ آپ دنیا اور آخرت میں سردار ہیں:

”اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کی سرداری ہر ایک پر ظاہر ہو جائے گی کوئی جھگڑا کرنے والا اور کوئی عناد کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔“

فَسَبِّبِ التَّعْلِيمَ اِنَّ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَظْهَرُ  
مُودَةً لِّكُلِّ اَحَدٍ وَلَا يَبْقَىٰ مَنَازِعٌ وَلَا مَعَادٍ

بخلاف دنیا کے یہاں جھگڑا کرنے والے موجود ہیں جو آپ کی سرداری ماننے کیلئے تیار نہیں۔ یہ تقریباً ایسے ہی ہے جیسے قیامت کے دن رب تعالیٰ فرمائے گا: لِمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا آج بادشاہی ایک قہار کی ہی ہے۔

مسلم شریف کے بغیر دوسری احادیث کی کتب میں ”ولا فخر“ کے الفاظ بھی ہیں کہ میں یہ اپنی سیادت فخر و تکبر سے نہیں بیان کر رہا۔ آپ نے جو اپنی افضلیت کو بیان کیا اس کی دو وجہ ہیں:

اِحَدُهُمَا امْتِثَالُ قَوْلِهِ تَعَالَىٰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ وَالثَّانِي اِنَّهُ مِنَ الْبَيَانِ الَّذِي يَجِبُ عَلَيْهِ بِتَمْلِيْفِهِ اِلَىٰ اُمَّتِهِ لِيَعْرِفُوهُ وَيَعْتَقِدُوهُ وَيَعْمَلُوْا بِمَقْتَضِيَّاتِهِ وَيُوقِرُوْهُ ﷺ بِمَا يَلْتَمِزُ مَرْتَبَتَهُ كَمَا اَمَرَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ:۔

ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے یہ کہا کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا: اپنے رب کی نعمت کو خوب بیان کرو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ پر واجب تھا کہ آپ اپنا منصب بیان کریں، امت

تک پہنچائیں تاکہ وہ آپ کی شان کو پہچانیں اور اس کا عقیدہ رکھیں اور اس کے تقاضا کے مطابق عمل کریں اور آپ کی شان کے مطابق تعظیم کریں جس طرح رب تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ نبی کریم ﷺ سب مخلوق سے افضل ہیں کیونکہ مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ آدمی فرشتوں سے افضل ہیں اور نبی

کریم ﷺ سب آدمیوں سے افضل ہیں۔ (مسلم و نووی حوالہ مذکور)

تنبیہ:

انبیاء کرام افضل ہیں مقربین فرشتوں سے جن کو رسل ملائکہ کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے وحی حاصل کر کے دوسرے فرشتوں تک پہنچاتے ہیں۔ اور رسل ملائکہ افضل ہیں عام بشر یعنی اولیاء و صلحاء سے، لیکن فساق چوپاؤں کی طرح ہیں، وہ ملائکہ سے افضل نہیں، اور اولیاء و صلحاء عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ (عقائد مع نبراس، ص 595)

حدیث پاک سے استدلال پر اعتراض:

نبی کریم ﷺ کے ارشاد ”انا سید ولد آدم یوم القيامة“ سے آپ کا اولادِ آدم سے افضل ہونا تو سمجھ آ رہا ہے لیکن آدم علیہ السلام سے افضل ہونا کس طرح ثابت ہوگا۔

جواب نمبر ۱:

ان هذا الخلاف ما بينهما اهل اللسان فانهم يستعملون ولد آدم بمعنى نوع الانسان  
یہ اعتراض عرب حضرات کے محاورہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ وہ ”ولد آدم“ کا معنی نوع انسان لیتے ہیں یعنی تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

جواب نمبر ۲:

اس حدیث پاک کا تہہ دوسری روایات میں مذکور ہے ”وما من نبی آدم فمن سواہ الا تحت لوائی“ کوئی نبی نہیں ہوگا آدم علیہ السلام ہوں یا ان کے سوا سب ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ (نبراس ص 458, 459)

نبی کریم ﷺ کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونا مذکور بالا حدیث سے بھی واضح ہو گیا۔

سید کی تعریف سے حضرت ابو بکر کی افضلیت پر دلالت کرنے والی ایک اور

حدیث پاک کو دیکھئے:

وعص عمر قال ابو بکر سیدنا خیرنا و حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ  
 احبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " ہمارے سردار ہیں، ہم سب بہتر ہیں اور ہم  
 (رواہ الترمذی مشکوٰۃ باب مناقب ابی سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب  
 بکر) ہیں۔"

جب سید کا معنی علامہ ہر وہی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ سید وہ ہے جب سب  
 سے اوپر درجہ رکھتا ہو تو اسی سے پتہ چلا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے اوپر درجہ  
 رکھتے ہیں۔ جب سب صحابہ سے اوپر درجہ آپ کو حاصل تھا، سب سے صحابہ خیر (اخیسر  
 اسم تفضیل) بہتر اور افضل تھے تو سب امت سے افضل ہونا واضح ہو گیا۔

اعتراض:

یہاں چونکہ قول صحابی میں قیاس صحابی کو دخل ہے، اس لئے اس حدیث کو  
 مرفوع حکمی کا درجہ نہیں دیا جائے گا چونکہ شیخین میں دوستانہ ہے لہذا اس طرح کے الفاظ  
 دوستی پر مبنی ہو سکتے ہیں۔ (زبدۃ التحقیق ص ۱۰۹)

جواب:

موقوف حدیث کی بحث کرتے ہوئے جو نتیجہ نکالا ہے، وہ ذہنی اختراع ہے۔  
 صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے انکار سے یہ جملہ گھڑنا پڑا۔ عقلی  
 قیاس، اختراعی قیاس ہو تو شاید ہو ورنہ اصطلاحی، شرعی قیاس کی تعریف تو صادق ہی  
 نہیں۔ احادیث کے متعلق اگر یہ رائے قائم ہوئی تو احادیث پر اعتبار ہی اٹھ جائے گا،  
 دین کا حلیہ بگڑ جائے گا ورنہ کئی جگہ پر یہ جملہ سچا آئے گا۔ زبدۃ التحقیق ص ۲۳۲ میں ذکر  
 کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جعفر طیار افضل ہیں تو اس کے

متعلق یہ کہا جائے گا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال سے جعفر طیار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے افضل کہہ دیا ہوگا، پھر زبدۃ التفتیح کے ص ۲۳۹ پر ابن حزم کی غیر معتبر کتاب سے جو یہ پیش کیا گیا ہے ابراہیم نخعی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو افضل کہا تو اس کے متعلق کہا جائے کہ ابراہیم نخعی نے حسن ظن کی وجہ سے کہہ دیا ہوگا۔ ایسی تحقیق رقیق کا تو کوئی اعتبار نہیں، وہی تو جیہات معتبر ہوں گی، جو سلف صالحین نے کی ہوں۔ ذہنی اختراعات پر کان دھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک اعتراض و جواب کی وضاحت کی جا رہی تھی۔

حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت دینے کا مطلب:

آئیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد دیکھئے:

”مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔“

”لا تفضلونی علی یونس بن متی“

(اتحاف السادة قواعد العقائد الاصل السالغ دار الفکر بیروت 105/2)

کیا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء ہونے کی نفی ہو جائے گی؟ نہیں بلکہ آپ کے ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو جس سے ان کی شان میں کمی واقع ہو یعنی یوں نہ کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو تکالیف کو برداشت کیا اور ثابت قدم رہے لیکن یونس علیہ السلام تو قوم کی تکالیف سے ڈر کر بھاگ گئے، ایسا کہو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

ہاں! یوں کہو کہ یونس علیہ السلام قوم کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پریشان ہو کر اپنے اجتہاد سے ان کو چھوڑ کر چلے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں تھا، اس لئے آزمائش میں مبتلا ہوئے نبی کا آزمائش میں مبتلا ہونا بھی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خیر البریہ کہا:

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں رسول

عن انس بن مالک قال جاء رجل رسول



اللہ فقال يا عمر البرية فقال رسول الله ﷺ ذاك ابراهيم عليه السلام“  
 خير البرية“ (اے سب مخلوق سے بہتر) کہا  
 تو آپ نے فرمایا: یہ (خیر البریہ) ابراہیم  
 علیہ السلام ہیں۔

”انما قال ﷺ هذا تواضعا واحتراما  
 لا لبراهيم عليه السلام لخلته وابوته والا  
 فبهنا ﷺ افضل۔“  
 نبی کریم ﷺ نے عاجزانہ طور پر اور ابراہیم  
 علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے خلیل ہونے اور اپنا  
 جدا مجد ہونے کی وجہ سے ان کو ”خیر البریہ“  
 کہا ورنہ ہمارے نبی کریم ﷺ سب انبیاء  
 سے افضل ہیں۔“

نبی کریم ﷺ نے خود ابراہیم علیہ السلام کو ”خیر البریہ“ کہا لیکن آپ کے افضل  
 الانبیاء ہونے میں کوئی فرق نہ آیا۔  
 نتیجہ واضح ہوا:

کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ”خیر البریہ“ کہنے سے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے افضل البشر بعد  
 للانبیاء ہونے میں کوئی فرق لازم نہ آیا۔  
 اعتراض:

صواعق محرقة کے ص ۵۸ میں ہے۔ [ابو بکر خیر و علی افضل] ابو بکر بہتر  
 ہیں اور علی افضل ہیں۔ اس سے تو پتہ چل رہا ہے کہ حضرت ابو بکر مطلق افضل نہیں، زبدۃ  
 التحقیق کے ص ۲۳۱ ص ۲۳۲ میں یہی بات ملتی ہے۔

جواب:

صواعق محرقة کی مکمل عبارت نقل کی جائے تو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ تکمیل  
 الایمان میں بھی اس قول کی وضاحت صواعق محرقة کے مطابق ہی ہے، اس کی عبارت

بھی مکمل ذکر کرنے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے راقم یہ عرض کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی اور ظنی کے جو دو دو معانی بیان کئے ہیں ان کو دیکھنے اور سمجھنے سے تو پتہ چلتا ہے کہ اب یہ جھگڑا بے مقصد ہے اصل بات صرف اتنی ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلافی اقوال ملتے ہوں تو رائج اقوال لے لئے جاتے ہیں، مرجوح کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ مکی مسئلہ میں اختلاف ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ثم الذی مال الیہ ابو الحسن الأشعری امام اہل السنۃ ان تفضیل ابی بکر علی من بعدہ قطعی و مخالفہ القاضی ابوبکر الباقلائی فقال انہ ظن اختارہ امام الحرمین فی الارشاد ویہ جزم صاحب المفہم فی شرح مسلم“

امام اہل سنت ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت قطعی ہے اور آپ کی مخالفت میں قاضی ابوبکر باقلانی نے کہا ہے یہ ظنی ہے۔ امام الحرمین نے اپنی کتاب ارشاد میں اسے ہی اختیار کیا ہے اور اس پر صاحب مفہم نے شرح مسلم میں وثوق کیا ہے۔“

اس کے بعد بطور تائید استیعاب سے ابن عبدالبر کا قول پیش کیا کہ

عبدالرزاق نے معمر سے بیان کیا:

”لو ان رجلا قال عمر افضل من ابی بکر ما عنفتہ و كذلك لو قال علی عدی افضل من ابی بکر و عمر لم اعنفہ الا ذکر فضل الشیخین واحبہما وائس علیہما بما ہما اہلہ فذکرت ذلک لو کہم فاعجبہ و اشعہا“

اگر ایک شخص نے کہا حضرت عمر افضل ہیں ابوبکر سے تو میں اس پر سختی نہیں کرتا اور اسی طرح اگر کسی نے کہا: حضرت علی افضل ہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے تو میں اس پر بھی سختی نہیں کرتا، البتہ شرط یہ ہے کہ وہ شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) کی فضیلت کا ذکر کرے اور ان سے محبت رکھے اور ان کی اس طرح تعریف کرے جس کے

اہل ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں میں نے یہ کجج کے سامنے ذکر کیا تو انہوں نے اسے پسند کیا۔ پہلی بات تو یہ ہے معمر کا قول یہ ہے کہ ”میں سختی نہیں کرتا“ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر سے افضل ماننے والے یا حضرت علی کو حضرت ابوبکر یا حضرت عمر پر افضل کہنے والے پر شدت نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عمر افضل ہو جائیں حضرت ابوبکر سے یا حضرت علی افضل ہو جائیں۔

اسکے بعد علامہ سختی نہ کرنے والے کے قائلین کی بات کرتے ہیں:

ولیس ملحظ عدم تصنیف قائل فلك الا ان الفضل المذكور ظنی لا قطعی“ ہے کہ جس افضلیت کا ذکر ہو رہا ہے وہ ظنی ہے قطعی نہیں۔

اس تفصیل کے بعد علامہ خطاب کا قول پیش کیا پھر اس پر تبصرہ کیا، خطاب کہتے ہیں: ”عن بعض مشائخہ انه كان يقول ابو بكر خیر و علی افضل“ بعض مشائخ نے کہا کہ ابوبکر بہتر ہیں اور علی افضل ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ خطاب نے بعض مشائخ کا قول تو پیش کیا ہے لیکن وہ تو نام لیا ہے بعض مشائخ کا اور نہ ہی یہ بتایا کہ ان مشائخ کے قول کو کس حدیث کی تائید حاصل ہے۔ کسی نام راوی کی روایت معتبر نہیں سوائے صحابہ کے، چونکہ سب صحابہ ثقہ ہیں اسلئے یہ کہنا تو مجتہد ہے کہ ایک صحابی نے یہ کہا، لیکن یہ کہنا معتبر نہیں کہ ایک صوفی نے یہ کہا، ایک شیخ نے یہ کہا، صوفی یا شیخ کا نام لیا جائے تاکہ پتہ چلے کہ وہ کس مرتبہ کا ہے، اس کا قول کتنا معتبر ہے۔

آئیے! علامہ بیہقی کا اس قول پر تبصرہ دیکھئے:

لکن قال بعضهم ان هذا تهافت من بعض اهل علم نے کہا: یہ قول بہت کمزور ہے، اسلئے کہ خیریت کا معنی ہی افضلیت ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جب خیریت مان لی تو افضلیت ماننی لازم آجائے گی کیونکہ خیریت اور افضلیت میں فرق کرنا ہی باطل ہے۔

2- فان ارید ان عہدیۃ ابی بکر من بعض الوجوہ و افضلیۃ علی من وجہ آخر لم یکن ذلک من محل الخلاف

اگر بعض مشائخ کے قول سے یہ مراد لی جائے کہ حضرت ابو بکر کو بعض وجوہ سے خیریت حاصل ہے اور حضرت علی کو بعض اور وجوہ سے افضلیت حاصل ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں)

کیونکہ کسی شخص کو جزئی افضلیت حاصل ہو تو اس سے دوسرے کی افضلیت کلی کی نفی نہیں ہوتی۔

3- ولم یکن الامر فی ذلک خاصا باہی بکر و علی بل ابوبکر و ابو عبیدۃ مثلا یقال فیہما ذلک فان الامۃ التی فی ابی عبیدۃ و عصبہ بہا صلی اللہ علیہ وسلم لم یخص ابابکر بمثلها فکان عہدا من ابی بکر من هذا الوجہ

یہ معاملہ افضلیت جزئیت و کلیت کا صرف حضرت علی اور حضرت ابو بکر میں نہیں بلکہ حضرت ابو بکر اور حضرت ابو عبیدہ کی مثال ہی لے لیں کیونکہ حضرت ابو عبیدہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر امین کہا ہے، اس لحاظ پر وہ تخصیص حضرت ابو بکر میں نہیں پائی گئی، امانت کے مسئلہ میں وہ بہتر ہیں حضرت ابو بکر سے۔

(خیال رہے کہ افضلیت جزئی کی کئی مثالیں پہلے دی جا چکی ہیں)

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی حاصل کلام بیان کرتے ہیں:

والحاصل ان المفضول قد توجد فیہ مزیۃ بل مزایا لا توجد فی الفاضل فان اراد شیعہ المعطای ذلک وان ابابکر افضل مطلقا الا

حاصل کلام یہ ہے کہ بیشک جو افضل نہ ہو کبھی اس میں ایک فوقیت (افضلیت) بلکہ زیادہ بھی پائی جاتی ہیں جو فاضل میں نہیں پائی

ان علیا وجدت فیہ مزایا لا توجد فی ابی  
بکر فکلامہ صحیحہ والا فکلامہ فی غایۃ  
التہافت خلافا لمن التصر لہ ووجہ ہما لا  
یجدی بل لا ینہم

جاتیں۔ اگر شیخ خطابی بھی بعض مشائخ کے  
قول سے یہی مراد لینا چاہتے ہیں کہ بیشک  
حضرت ابو بکر کو مطلق افضلیت حاصل ہے مگر  
حضرت علی میں بعض فضیلتیں پائی گئی  
جو حضرت ابو بکر میں نہیں پائی گئیں تو علامہ  
خطابی کا کلام درست ہے ورنہ اس کا کلام بہت  
ہی کمزور ہے۔ بخلاف ان کے جنہوں نے  
علامہ خطابی کے کلام سے امداد طلب کی انکو  
اپنے موقف پر کوئی وجہ نہیں مل سکتی بلکہ انکی  
بات سمجھ میں بھی نہیں آسکتی۔

علامہ ابوالحسن اشعری کا بھی یہی قول ہے کہ حضرت ابو بکر کو افضلیت مطلقاً  
قطعی حاصل ہے۔ (صواعق محرقہ، ص ۵۸، ص ۵۹)  
زبدۃ التحقیق کی سنگین عبارت دیکھئے:

صواعق محرقہ کے ایک حصہ کا ترجمہ فارسی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے  
تکمیل الایمان میں ذکر کیا۔ جس کا مطلب بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر یہ مراد لیا جائے کہ  
حضرت ابو بکر کو بعض وجوہ سے خیریت (افضلیت) حاصل ہے اور بعض دوسری وجوہ  
سے حضرت علیؑ کو فضیلت حاصل ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں شیخ کی عبارت  
کو نقل کرنے کے بعد زبدۃ التحقیق ص ۲۳۲ پر یہ عبارت دیکھئے:

”اب فضلیت مطلقہ کے مدعی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا جس  
نے افضلیت کے ساتھ مطلقہ کی قید بڑھائی جو ہمارے اسلاف  
کے ریکارڈ میں نہیں ملتی۔“

یہ عبارت سنگین کیوں ہے؟ اس لئے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کی **مستدرک** المتونی ۹۷۷ء بیان کر چکے ہیں:

فان لراد شہن الخطابی ذالك وان ابا بکر مطلقا الا ان علیا وجدت فيه مزایا لا توجد فی ابی فکلامه صحیحہ والا فکلامه فی غایة العفاف

”اگر شیخ خطابی کی مراد یہ ہے کہ بیشک ابو بکر افضل ہیں مطلقاً مگر حضرت علی رضی اللہ عنہما کو کچھ فضیلتیں حاصل ہیں تو ان کا کلام صحیح ہے ورنہ بہت کمزور کلام ہے۔“

اور علامہ تہمی ہی ابو الحسن علی بن اسمعیل اشعری رحمہ اللہ المتونی ۳۳۶ء تقریباً کا قول بھی صواعق محرقہ کے ص ۵۹ پر پیش کر چکے ہیں کہ وہ کہتے ”انہ قطعی مطلقاً“ بیشک حضرت ابو بکر کو مطلقاً قطعی افضلیت حاصل ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ ہزار سال پہلے یہ بات ریکارڈ میں تو آچکی ہے۔ اگر بعض کے ریکارڈ میں نہیں آئی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی افضلیت قطعیہ مطلقہ کا ہے پریشانی کس کی؟ آج کسی کو پریشانی ہو تو دعا ہے اللہ اس کی پریشانی کو دور کرے۔ اہل علم کا اختلاف تو لفظی تھا، اب اسے فتنہ و فساد تک پہنچا دیا گیا ”الامان الحفیظ“

اس کے بعد علامہ عسقلانی ایک اعتراض و جواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں، اگرچہ پہلے اعلیٰ حضرت **مستدرک** کے جوابات ذکر کر دیئے گئے لیکن صواعق محرقہ سے یہ بحث نقل کرنا کافی حد تک اعتدال ثابت کرے گی۔ آگے حضرات کی اپنی اپنی مرضی۔

اعتراض:

”فان قلت ینافی ما قدمہ من الاجماع علی افضلیة ابی بکر قول ابن عبد البر ان السلف اختلفوا فی تفضیل ابی بکر وعلی رضی اللہ عنہما وقوله ایضا قبل ذلک روی

عن سلمان و ابی قر و المقداد و عباب و جابر و ابی سعید الخدری و زید بن ارقم ان علیاً اول من اسلم و فضله هواء علی غیرہ انتہی

یہ اعتراض دو صورتوں پر مشتمل ہے:

(۱) جو تم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع نقل کیا ہے اس کے مخالف

قول ابن عبدالبر کا موجود ہے وہ کہتے ہیں کہ سلف (حقدمین) کا اختلاف تھا

حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں (تو اجماع نہ رہا)

(۲) پھر ان سے یہ روایت بھی آتی ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور ابو ذر اور مقداد

اور خباب اور جابر اور ابو سعید خدری اور زید بن ارقم سے مروی ہے کہ بیشک

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام لایا اسلئے وہ افضل ہیں دوسرے حضرات یعنی

تینوں خلفاء کو ان کے علاوہ دوسرے حضرات پر فضیلت حاصل تھی۔

جواب:

جو پہلی شق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سلف نے

حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی

افضلیت میں اختلاف کیا یہ غریب چیز (

عجیب اور نادر قول) ہے۔ اس میں ابن عبدالبر

دوسرے ان حضرات سے منفرد (علیحدہ)

ہیں، جو ان سے حافظہ اور سلف کے اقوال

پر اطلاع زیادہ رکھتے ہیں وہ جلیل القدر

حضرات ہیں، اسلئے ابن عبدالبر کے قول

پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

کس طرح ابن عبدالبر کے قول سے اجماع

ثبت امام حاکم اولاً من ان السلف

ختلفوا فی تفضیلہما فهو شیء غریب انفراد

عن غیرہ فمن هو اهل منه حفظاً واطلاعا

لا یعول علیہ

الکلیف والعاکی لاجماع الصحابة و

کی نفی کی جاسکتی ہے جبکہ صحابہ کرام اور تابعین کا اجماع بیان کیا گیا ہے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے افضل ہونے اور مقدم ہونے پر تمام صحابہ سے اجماع کا قول اکابر ائمہ کرام کی ایک جماعت نے کیا ہے ان میں ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے بیشک جن حضرات نے اختلاف کیا وہ اختلاف صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں ہے۔

التابعون علی تفضیل ابی بکر و عمر و  
تقدیمہما علی سائر الصحابة جماعة من  
اکابر الائمة منهم الشافعی رضی اللہ عنہ  
کما حکاہ عند البیہقی وغیرہ وان من  
اختلف منهم انما اختلف فی علی  
وعثمان

### جواب تنزل کے طور پر:

تنزل کے طور پر جواب کا یہ مطلب ہے کہ اگر مان بھی لیا جائے ابن عبدالبر کا حافظ دوسروں سے زائد تھا تب بھی اس کے قول کو نہیں مانا جائے گا، اس لئے کہ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ائمہ کرام نے (ائمہ اربعہ یعنی چار اماموں کے عقائد پہلے بیان کئے جا چکے ہیں

”وعلی التنزل فانہ حفظ ما لم یحفظ  
غیرہ فیجاب عنہ بان الائمة انما عرضوا  
عن هذه المقالة لشذوذا ما نابا الی ان  
شذوذ المخالف لا یقدم فیہ او راوا حادثة  
بعد انعقاد الاجماع فکانت فی حوز الطرح  
الرد“

ابن عبدالبر کے قول کو شاذ سمجھ کر اس سے اعراض کیا ہے اس لئے کہ مخالف کا شاذ قول اجماع میں کوئی عیب نہیں لگاتا اور جواب یہ دیا گیا ہے اجماع پہلے منعقد ہے اس کے (تمین، چار سال) بعد کا اختلاف مردود ہوگا۔

### واضح طور پر حاصل ہوا:

کہ اجماع حنفی میں کی بعد میں آنے والے مخالفت کریں تو ان کی مخالفت



سے متقدمین کا اجماع باطل نہیں ہوگا۔

تفضیل حسنین کریمین کی نوعیت کیا؟

علی ان المفہوم من کلام ابن الہر ان  
الاجماع استقر علی تفضیل الشیخین علی  
الحسینین واما ما وقع فی طبقات ابن  
الکبری عن بعض المتأخرین من تفضیل  
الحسین من حیث انہما بضعۃ فلا ینافی  
ذلک لما قدمنا ان المفضول قد توجد فیہ  
مزیة لیست فی الفاضل علی ان هذا  
تفضیل لا یرجع لکثرة الثواب بل لمزید  
شرف فی ذات اولادہ علیہ السلام من الشرف ما  
لہ فی ذات الشیخین ولکنہما اکثر ثوابا  
واعظم نفعاً للمسلمین والاسلام و الخشی  
لہ واتقی ممن عداہما من اولادہ علیہ السلام  
فضلاً عن غیرہم

علاوہ اس کے کہ ابن عبدالبر کے قول سے تو یہ  
ثابت ہے کہ شیخین (حضرت ابو بکر و عمر) کی  
افضلیت حضرت حسن و حسین علیہما السلام پر اجماع  
ہے لیکن ابن سبکی کی طبقات کبریٰ میں جو بعض  
متاخرین کا قول حسنین کریمین کے افضل  
ہونے پر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ  
دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کے لحاظ  
پر آپ کے جسم کا ٹکڑا ہیں، یہ قول شیخین کی  
افضلیت کے اجماع کے مخالف نہیں اسلئے کہ  
ہم نے یہ بیان کر دیا کبھی مفضول (غیر افضل  
) میں وہ فوقیت (افضلیت) پائی جاتی ہے جو  
افضل میں نہیں پائی جاتی۔ یہ فضلیت زیادتی  
ثواب کی وجہ سے حسنین کریمین کو حاصل نہیں  
تھی بلکہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے

سے جو زیادہ شرف حاصل ہے وہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو حاصل نہیں (یقیناً وہ حضور کی  
اولاد تو نہیں) لیکن زیادہ ثواب اور مسلمانوں اور اسلام کو زیادہ عظیم نفع ان دونوں سے ہی  
حاصل رہا اور اللہ تعالیٰ کا زیادہ خوف اور زیادہ تقویٰ ان دونوں یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت  
عمر کو ہی حاصل رہا۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا:

تو کہ کیا مناسبت شیخ محقق مولانا عبدالحق

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

محدث دہلوی درامحہ اللہجات درباب مناقب اہل بیت النبی ﷺ میں فرماتے ہیں: کوئی شخص بھی بحسب شرف ذات و طہارت طینت و پاکی جو ہر بفاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہما نرسد واللہ اعلم انتہی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) پس اگر شرافت نسبت و نظافت جوہر و طہارت عنصر و طیب طینت میں گفتگو کرتے ہو تو حضرت بتول زہراء رضی اللہ عنہا (و حسنین رضی اللہ عنہما) سب سے افضل ہیں اور ان امور میں بحث نہیں۔ دلائل تفصیل مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ میں ان کا ذکر کیوں لاتے ہو۔ غرض حق یہ ہے کہ سفیہ (تفضیلیہ) کی کس بات کا تحمل نہ بیڑا۔

(منہیہ مطلع القمرین ص 74-75)

### ابن عبد البر کے دوسرے قول کا جواب:

واما ما حکاہ اعنی ابن عبد البر ثانیاً عن اولئک الجماعۃ فلا یقتضی اہم قائلون بافضلیۃ علی رضی اللہ عنہ علی ابی بکر مطلقاً بل اما من حیث تقدمہ علیہ اسلاما بناء علی القول بذلک او مرادہم بتفضیل علی رضی اللہ عنہ علی غیرہ ما عدا الشیعون و عثمان لغام الافلہ الصریحۃ علی افضلیۃ ہولاء علیہ

ابن عبد البر کا جو دوسرا قول بیان کیا گیا ہے کہ سات صحابہ حضرت علی کو افضل مانتے تھے اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرات مطلقاً حضرت علی کو حضرت ابو بکر پر افضل مانتے تھے بلکہ وہ یا تو حضرت علی کو پہلے اسلام لانے کی وجہ سے افضل کہتے تھے۔ یا ان کی مراد یہ تھی پہلے تین خلفاء (حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان) کے بعد سب صحابہ سے آپ افضل تھے۔ اسلئے کہ صریح اور صحیح دلائل تینوں اصحاب کی آپ پر افضلیت پر دلالت کر رہے ہیں۔

سوال:

”فان قلت مامستند اجماعهم على ذلك“ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی  
افضلیت پر اجماع کی سند کیا ہے؟

جواب:

قلت الاجماع حجة على كل احد وان لم يعرف مستنده لان الله عصر هذه الامة من ان تجتمع على ضلالة ويدل لذلك بل يصرح به قوله تعالى و يتبع غير سبيل المؤمنين قوله ما تولى و نصله جهنم و ساءت مصيرا

اجماع ہر ایک پر حجت (دلیل) ہے۔ اگرچہ اس کی سند کا پتہ نہ ہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمراہی پر جمع ہونے سے بچا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد گرامی اس پر دلالت کر رہا ہے، (ترجمہ) (اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا) اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کے حل پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا بری جگہ پلٹنے کی۔ (کنز الایمان)

اجماع پر اور دلیل:

وقد اجمعوا ايضا على استحقاتهم الخلافة على هذا العرتوب لكن هذا قطعي“  
قطعی اجماع ہے اس پر کہ خلفائے راشدین کی خلافت کی جو ترتیب ہے وہ اسی کے مستحق تھے۔

افضلیت شیخین پر اجماع کے ثبوت میں اختلاف نہیں بلکہ اجماع کے جہاں  
قطعی ہونے میں اختلاف ہے:

سوال:

فان قلت لم لم یکن التفضیل بینہم علی  
 هذا الترتیب قطعا ایضا حتی غیر  
 الأشعری للاجماع علیہ“

جب خلافت کی ترتیب پر علامہ اشعری رحمہ اللہ  
 کے علاوہ دوسرے حضرات کا بھی اجماع ہے  
 تو افضلیت میں اجماع کیوں نہیں؟

جواب:

قلت اما بین عثمان وعلی فواضح للخلاف  
 فیہ کما تقدم واما بین ابی بکر ثم عمر  
 ثم غیرہما فهو وان اجمعوا علیہ الا ان فی  
 کون الاجماع حجة قطعية خلاف فائدی  
 علیہ الاکثرون انه حجة قطعية مطلقا  
 فمقدم علی الاطلة کلها ولا یعارضہ دلیل  
 اصلا ویحقر او یندع ویضلل مخالفہ“

”حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی  
 افضلیت میں تو اختلاف ہے جس طرح پہلے  
 بیان ہو چکا ہے لیکن پہلے حضرت ابو بکر پھر  
 حضرت عمر پھر ان کے علاوہ دوسرے  
 حضرات اس میں اجماع ہے یعنی اجماع  
 میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں! البتہ اختلاف  
 ہے تو اجماع کے حجت قطعیہ ہونے میں اکثر  
 حضرات اس طرف ہیں کہ بیشک حجت قطعیہ  
 ہے تمام دلیلوں سے مقدم ہے جب اس کے  
 مخالف کوئی اور دلیل بالکل نہ ہو تو اس اجماع  
 کا خلاف کرنے والا کافر ہوگا یا مبتدع (بدعتی  
 ) ہوگا اور بھٹکا ہوا ہوگا۔“

حجت قطعیہ کا منکر کافر ہوگا یا مبتدع اسی قول سے اشارہ مل گیا قطعی کی دو  
 قسمیں کا جو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے بیان کی ہیں ”وقال الامام الرازی والامدی انه  
 ظنی مطلقا“ امام رازی اور آمدی دونوں نے کہا: اجماع مطلقاً دلیل ظنی ہے۔

اقوال میں محاکمہ:

والحق فی ذلك التعصیل فما اتفق علیہ  
 حق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے،

معتبرون حجة قطعية وما اختلفوا  
بالاجماع السكوتی والاجماع الذی یرد  
مخالفة فهو ظنی

اجماع دلیل قطعی ہے جس میں اتفاق ہے وہ  
اجماع قوی ہے جس میں ایک وقت کے تمام  
مجتہدین قولاً متفق ہوں اور جس اجماع کے  
دلیل قطعی یا ظنی ہونے میں اختلاف ہے وہ  
اجماع سکوتی ہے بعض حضرات نے قول کیا  
ہو اور بعض خاموش رہے ہوں یعنی مخالفت نہ  
کی ہو اور ایک اجماع دلیل ظنی ہے جس  
کا کوئی مخالف بھی پایا گیا ہو۔“

(اجماع کا ذکر ان شاء اللہ قریب ہی آرہا ہے)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اجماع کا مخالف نادر اور غیر معتبر ہے:

قد علمت ما قررتہ لك ان هذا الاجماع  
مخالف نادر فهو وان لم یعد بہ فی  
اجماع علی ما فیہ من الخلاف فی محلہ  
کذا یورث انحطاطہ عن الاجماع الذی لا  
مخالف لہ فالاول ظنی وهذا قطعی وبهذا  
یروجع ما قالہ غیر الأشعری من ان  
اجماع ہذا ظنی لانہ اللائق ما قررتہ  
من ان الحق عند الاصولیین التفصیل  
من کور وکان الأشعری من الاکثرین  
الذین بانہ قطعی مطلقاً

جو میں نے تمہارے لئے بیان کیا ہے جب  
اس کا تمہیں علم حاصل ہو گیا کہ بیشک یہ  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے  
اجماع کا مخالف کوئی نادر ہوگا اور غیر معتبر  
جس کا اختلاف کا کوئی اعتبار ہی نہیں (وہ تو  
کسی گنتی میں ہی نہیں) لیکن اس اجماع سے  
درجہ میں کمی کر دے گا جس میں کوئی مخالف نہ  
ہو پہلا یعنی جس اجماع کے کوئی مخالف بھی  
ہو اگرچہ غیر معتبر ہی ہو وہ دلیل ظنی ہے اور  
جس میں کوئی مخالف نہ ہو تو وہ دلیل قطعی ہے  
اس تفصیل سے ترجیح دی جائے گی علامہ  
اشعری کے علاوہ ان لوگوں کے قول کو جو

قائل ہیں اس کے اجماع یہاں دلیل ظنی ہے کیونکہ اصولیین کے نزدیک تفصیل مذکور حق ہے علامہ اشعری رحمۃ اللہ علیہ جو امام اہلسنت ہیں، وہ ان کثیر تعداد علماء و مشائخ سے ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اجماع کو مطلقاً قطعی دلیل مانتے ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ کا عجز و اقرار:

1۔ ومما یؤید انہ هنا ظنی ان المجمعین انفسہم لم یقطعوا بالافضلیۃ المذکورۃ و انما ظنوها فقط کما هو المفہوم من عبارات الائمة و اشاراتہم و سبب ذلك ان المسئلة اجتهادیة ومن مستندہ ان هؤلاء الاربعة اختلفوا لخلافة نبیہ واقامة دینہ فکان الظاہر ان منزلتہم عندہ بحسب ترتیبہم فی الخلافة

دلیل ظنی کے قول کو تائید اس سے ملتی ہے کہ اجماع والے حضرات نے افضلیت مذکورہ کو دلیل قطعی سے ثابت نہیں کیا، بلکہ انہوں نے صرف ظن سے ثابت کیا ہے کہ ائمہ کرام کی عبارات و اشارات سے جو کچھ آیا، سب اس کا یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ اجماع کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ چار خلفاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کیلئے اور اپنے دین کی اقامت کیلئے پسند کر لیا تو ظاہر بات یہ ہے کہ بیشک ان کا مرتبہ بھی ترتیب خلافت کے مطابق ہی ہے۔

2۔ وايضا ورد في ابي بكر وغیره كعلي نصوص متعارضة ياتي بسطها في الفضائل وهي لا تفهد القطع لانها باسرها احاد و ظنية الدلالة مع كونها متعارضة

علامہ ہیتمی کے اس قول پر یوں کہنا کوئی دشوار نہیں کہ اجماع قطعی مطلق والے حضرات نے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے، صرف ظن سے نہیں۔ اور اسی افضلیت کے ترتیب پر خلافت کے انتخاب کی بھی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو توفیق عطاء فرمائی ہے۔ اور دوسری دلیل ظنی کی تائید میں علامہ ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و غیر جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں نصوص متعارض ہیں جن کا بساطت سے ذکر فضائل

میں آئے گا وہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتی اس لئے کہ سب اخبار احاد ہیں اور ظنیۃ الدلالة اور متعارض ہیں۔

اس دلیل پر بھی یوں کہنا ضروری ہے کہ اجماع کو دلیل قطعی بنانے والوں نے اپنے دلائل سے نصوص کے متعارض کو مٹایا ہے جیسے آپ خود بیان کر چکے ہیں کہ مفسول میں وہ فوقیت پائی جاسکتی ہے جو فاضل میں نہیں پائی جاسکتی، پھر متعارض صوری ہے حقیقی نہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا قول پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

پھر یہ کہنا کہ اخبار احاد ہیں، قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں اسلئے ان کی دلالت ظنی ہے اسے یوں بیان کیا جائے گا اگر قطعی بمعنی یقین لیں جس کا منکر کافر ہے تو ہم قطعی کا یہ معنی لیتے ہی نہیں ورنہ مشہور احادیث ہوتی ہی وہ ہیں جو قرن اول میں احاد ہوتی ہیں قرن ثانی میں آ کر درجہ تواتر میں پہنچ جاتی ہیں ان سے قطعی بمعنی طمانیۃ حاصل ہوتا ہے ہماری مراد قطعی سے یہی دوسری قسم ہے۔

اعتراض:

جو اصل میں اخبار احاد ہیں، ان سے یقین کیسے حاصل ہوگا؟ اسلئے خبر واحد ظنی ہوتی ہے تو ظن کو ظن سے ملانے سے بھی ظن ہی حاصل ہوگا، یقین حاصل نہیں ہوگا پھر جب ایک میں جھوٹ کا احتمال ہوگا تو مجموع میں بھی جھوٹ کا ہی احتمال ہوگا تو کیسے متواتر یا مشہور احادیث بنیں گی؟

جواب:

اجماع سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو احاد سے حاصل نہیں ہوتی، اس لئے احاد کا ظنی ہونا اور مجموعی کا یقینی ہونا پایا جائے گا جیسے کہ ایک بال کی کوئی قوت نہیں ہوتی لیکن جب بال مجتمع ہو کر رسی بن جائیں تو ان میں بہت قوت و مضبوطی آ جاتی ہے۔

(شرح عقائد مع نبراس ص 77)

پھر اصول حدیث کا قانون واضح ہے کہ خبر ضعیف جب متعدد طرق سے ثابت ہو تو وہ حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ متعدد طرق سے اس کا ثبوت اس میں قوت پیدا کر دیتا ہے، پھر شرح عقائد کے آخر میں جن مسائل کا ذکر ہے ان میں شارحین نے جا بجا لکھا ہے کہ یہ مسائل اخبار احاد متواتر المعنی سے ثابت ہیں۔

(۳) تیسری دلیل علامہ بیہقی مکی رحمہ اللہ نے یہ بیان کی ہے:

”و ایضاً ولیس الاعتصا ص بکثرة اسباب  
الثواب موجبا لزیادة مستلزما للافضلية  
قطعا بل ظنا لانه تفضل من الله فله ان لا  
یثوب المطیع ویعیب غیره وثبوت الامامة  
وان کان قطعها لا یفید القطع بالافضلية  
بل غایة الظن کیف ولا قاطع علی  
بطلان امامة المفضول مع وجود الفاضل۔“

کثرت اسباب ثواب کی وجہ زیادتی کا سبب  
نہیں جو مستلزم افضلیت قطعی ہو بلکہ ظنی ہے  
اس لئے کہ تفصیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
ہے کہ مطیع کو ثواب نہ دے اور غیر کو ثواب  
دے دے۔ ثبوت امامت اگرچہ قطعی ہے  
لیکن افضلیت قطعیہ کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ  
غایت اس کی ظن ہے کس طرح (یہ نہ ہو)  
کیونکہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی  
امامت کا بطلان قطعی نہیں۔“

اگرچہ اس دلیل میں اجتہادی قول کے خطا کی بات صریح طور پر موجود ہے  
کیونکہ کثرت ثواب اور خصوصی راز آپ کے دل میں رکھنا اور چار وجوہ افضلیت کی  
مختصہ آپ (حضرت ابو بکر صدیق) میں ہی پائی گئی ہیں مطیع کو ثواب نہ دینا بھی رب  
تعالیٰ کی شان کریمی کے خلاف ہے، البتہ غیر مطیع کو ثواب دے دینا اس کا فضل ہے جس  
کی جلوہ گری آخرت میں ہوگی۔

پھر خلافت عامہ کا تو یہی قانون ہے کہ مفضول کی خلافت فاضل کے ہوتے  
ہوئے کبھی پائی جاتی ہے لیکن خلافت نبوت کا قانون ہی شان نبوت کے مطابق



بلند شان والا ہے۔ بلند شان والا ہی سب سے پہلے عظیم الشان کا خلیفہ بنا۔

ابدۃ التحقیق کے ص ۲۴ پر:

علامہ ابن حجر ہیتمی کی رحمہ اللہ کی ”والیضا“ سے آگے عبارت کو نقل کیا گیا ہے  
لیا فضیلت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ظنی ہے بلکہ آگے اور اوراق میں یوں بیان کر دیا گیا ہے کہ  
امہ کی نے بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں ظنی کو ثابت کیا ہے۔

کاش!! علامہ ابن حجر ہیتمی کی رحمہم اللہ کی فیصلہ کن بات کو نقل کیا جاتا جو یہ ہے:  
لکنا وجدنا السلف فضلوهم كذلك و لیکن ہم نے سلف کو اسی پر پایا کہ انہوں نے  
من ظننا بهم قاض بانهم لو لم يطلعوا فضیلت دی ہے ان کو (خلفاء راشدین کو)  
من ظلم في ذلك لما اطبعوا عليه فلزمنا اسی طرح (یعنی ان کی خلافت کی ترتیب کے  
مطابق بلکہ افضلیت کے مطابق ترتیب  
مطابق بلکہ افضلیت کے مطابق ترتیب  
خلافت رکھی گئی) اور ہمارا حسن ظن ان کے  
متعلق یہی فیصلہ کرنا ہے کہ بیشک وہ اگر اس  
مسئلہ افضلیت میں حقیقت میں حق کیا ہے یہ  
معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

کاش!! ”زبدۃ التحقیق“ میں بھی یہ فیصلہ کن بات یوں لکھ دی جاتی کہ: اگرچہ  
دلائل ظنی بہتر نظر آتے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ میری نظر و فکر کی کمی ہو، سلف صالحین  
مخالفات و اجماع کو ہم پر ماننا لازم ہے تو جھگڑا کرنے والوں کا جھگڑا بھی ختم ہو جاتا اور  
مخالف کی بات بھی ہوتی اور سلف صالحین کی یاد بھی تازہ ہوتی کہ ان کے اختلاف کس  
سبب سے، ان میں کس درجہ کا انصاف پایا جاتا تھا بات تو وہی بنی کہ ہر شخص اپنی مرضی  
پر کرتا ہے جو جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔



## اجماع کی تعریف:

اجماع کا لغوی معنی ہے، ”متفق ہو جانا“ اور شرعی معنی میں اس اتفاق کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

وفی الشریعة اتفاق مجتہدین صالحین من امة محمد فی عصر واحد علی امر قولی او اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کے مجتہدین صالحین کا کسی قولی یا فعلی معاملہ میں متفق ہونا، اجماع ہے۔

اگر اجماع غیر مجتہدین کا ہو تو وہ دلیل شرعی نہیں، اسی طرح فساق کا اجماع بھی دلیل شرعی نہیں۔

## اجماع کا رکن دو قسم پر ہے:

عزیمۃ اور رخصۃ۔ عزیمت کا مطلب یہ ہے: کہ جب کسی مسئلہ کا تعلق قول سے ہو تو کل کا اتفاق ہو ایک حکم پر ”بان یقولوا اجمعنا علی هذا“ کہ وہ یہ کہیں ہوا اس پر اتفاق ہے۔ او شروع ہم فی الفعل ان کان من باہ، اگر کسی چیز کا تعلق فعل سے ہو اور سب متفق ہو کر اس کام کو شروع کر دیں تو اس میں بھی اجماع پایا جائے گا۔ رکن عزیمت اس میں پایا جائے گا، جیسے اہل اجتہاد سب مضاربتہ اور شرکتہ میں ان کے مشروع ہونے میں متفق ہوئے۔

## اجماع قولی اور فعلی کی مثال:

کالا جماع علی خلافة الصلیق رضی اللہ عنہ فان الصحابة بايعوا بايديهم واقرروا بالسنتهم“ جس طرح صحابہ کرام کا اجماع ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر پیشک کرام نے آپ کی بیعت کی اپنے ہاتھوں سے اور اقرار کیا اپنی زبانوں سے۔

یہ خوبصورت مثال ہے اجماع قولی اور فعلی کی۔

متراس:

شیعہ نے تو اس کی مخالفت کی ہے، تو اجماع کیسے صحیح ہوا؟

واب:

الشیعة من اهل الهوى ولا اعتداد لهم  
بالاجماع على ان حدوثهم بعد هذا  
اجماع فان هذا الاجماع قبل دفن النبي  
صلى الله عليه وسلم ولا وجود للشيعة في  
ذلك الوقت فهم منكروا هذا الاجماع  
الاجماع تحقق قبل حدوثهم

بیشک شیعہ اہل ہوی (اپنی خواہشات پر چلنے  
والے) ہیں۔ انکا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں  
، علاوہ اسکے کہ اس فرقہ کا ظہور ہی اس اجماع  
کے بعد ہے۔ یہ اجماع تو نبی کریم ﷺ کے  
دفن سے پہلے کا ہے، اس وقت شیعہ کا وجود  
ہی نہیں تھا کہ وہ اجماع کا انکار کرتے  
، اجماع تو شیعہ کے معرض وجود میں آنے  
سے پہلے کا ہے۔

(قرالاقمار حاشیہ نور الانوار)

مطلب یہ ہے کہ جب تک شیعہ فرقہ نہیں تھا اس وقت تک ایک برادری اہل  
سنت کی تھی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر متفق تھے وہ متفق کیوں نہ  
ہوتے جن کا امام نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بنا دیا۔ جب شیعہ فرقہ بن گیا  
تو برادریاں بن گئیں ایک اہل سنت کی جو اپنے اجماع پر قائم رہے اور دوسری برادری  
شیعہ کی جو صحابہ کرام کے اجماع سے منحرف ہو گئے۔

اجماع کے رکن کی دوسری قسم رخصت ہے:

وہ یہ ہے کہ بعض تو کلام کے ذریعے اتفاق ظاہر کریں یا فعل کے ذریعے اور  
عمل خاموش رہیں اور سوچنے کی مدت (تین دن) کے گزر جانے کے بعد رو نہ کریں۔  
اس کا نام اجماع سکوتی ہے، ہمارے نزدیک یہ اجماع معتبر ہے۔ امام شافعی کا اس میں  
اختلاف ہے لیکن آپ کی دلیل عدم قبولیت کی معتبر نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ

”ان السکوت کما یکون للموافقة یکون خاموشی کبھی ڈر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس للمہابة ولا یدل علی الرضاء“ میں رضاء نہیں پائی جاتی۔“

انہوں نے اس کی مثال یہ دی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (وراثت کے مسئلہ) عول میں مخالفت کی کہ انہوں نے عول کو تسلیم نہ کیا، تو ان سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے قول کا اظہار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں کیوں نہ کیا؟ تو انہوں نے کہا: ”سکان رجلا مہیسا فہبتہ ومنعتنی درتہ“ وہ بارعب شخص تھے، میں ان سے ڈر گیا اور مجھے انکے درہ (کوڑے) نے روک رکھا۔

لیکن یہ روایت درست نہیں ”لانہ لم یروہ احد من المحدثین المعترین“ اسلئے کہ یہ حدیث معتبر محدثین میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں کی، اگر اس طرح مرجوح اقوال کو مانتے چلے جائیں تو سوائے فتنہ و فساد کے کچھ نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ:

ان عمر کان اشد اتقاء الحق من غیرہ حتی کان یقول لا عہر فیکم مالہ تقولوا ولا عہر لی مالہ اسمع“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ دوسروں سے حق سننے کی فرمانبرداری کرتے تھے، بلکہ آپ خود فرماتے تھے کہ تم میں بھلائی نہیں جب تک حق بات نہ کرو اور مجھ میں بھلائی نہیں جب تک میں حق بات کو قبول نہ کروں۔

وکیف یظن فی حق الصعابة التصبر فی امور الدین والسکوت عن الحق فی موضع الحاجة وقد قال علیہ السلام الساکت عن الحق شیطان اعرج“ صحابہ کرام کے حق میں کس طرح یہ گمان آ جاسکتا ہے کہ وہ دینی معاملات و مسائل میں بوقت ضرورت حق کے بیان سے خاموش رہتے ہوں، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق کے بیان پر خاموش رہنے والا شیطان ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جبکہ آپ نے ایک مرتبہ ارادہ فرمایا کہ مہر کی حد مقرر کر دی جائے، تو ایک عورت نے کہا: آپ اس حق سے کیوں محروم کرنا چاہتے ہیں جو رب تعالیٰ نے ہمیں دیا "وآتیتم احداہن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا" رب تعالیٰ کے اس ارشاد میں تو ڈھیر مال دینے کی اجازت ہے، تو آپ نے فرمایا: عورت نے سچ کہا ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اجماع کے اہل:

وہ لوگ ہیں جو مجتہدین ہوں اور اہل ہوی اور فاسق نہ ہوں۔

اجماع کی شرط یہ ہے:

کہ سب متفق ہوں، کسی کا اختلاف نہ ہو۔ اسی لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی منکر کو کافر نہیں کہا گیا کہ ایک روایت شاذہ کے مطابق کچھ صحابہ کا اختلاف ثابت ہوا۔ وہ روایت معتبر نہ ہونے کے باوجود احتیاط سے اس اجماع کے منکر کو کافر نہیں کہا گیا۔

خیال رہے کہ ہر زمانہ کے مجتہدین کا اجماع معتبر ہے لیکن صحابہ کرام کا اجماع سب سے زیادہ قوی ہے، وہ خبر متواتر کے درجہ میں ہے، جس کا منکر کافر ہے۔

خصوصی توجہ!!!

ثم الذی نص البعض وسکت الباکون من الصحابة وهو المسمى بالاجماع السکوئی ولا یکسر جماعه وان کان من الادلة القطعیة " دوسرا درجہ اس اجماع کا ہے جب کہ نص ثابت ہو اور بعض خاموش رہیں وہ اجماع سکوتی ہے اس کا منکر کافر نہیں اگرچہ اس اجماع کا ثبوت قطعی دلائل سے ہے۔

یہ عبارت نورالانوار کی اپنی ہے، حاشیہ کی نہیں:

"فالکوی اجماع الصحابة نصا مغل ان سب سے قوی اجماع صحابہ کا ہے جس میں

يقولوا جميعا اجمعنا على كذا فانه مثل  
الاية والخبر المتواتر حتى يكفر جاحدا  
ومنه الاجماع على مخالفة ابي بكر

نص (قول) پایا جائے مثال کے طور پر وہ یہ  
کہیں کہ ہمارا اس مسئلہ پر اس طرح اتفاق  
ہے۔ یہ اجماع قرآن پاک کی آیت اور خبر  
متواتر کی طرح قطعی ہے، اس کا منکر کافر ہے  
اس اجماع میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ  
کی خلافت بھی ہے۔

ماخوذ از نور الانوار مع قرالاقمار از ص 219 تا ص  
223 بالاختصار

ایک حدیث پاک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تین خلفاء پر افضلیت کا وہم اور

اس کا ازالہ:

ابن ابی عاصم اور ابن جریر باقادہ تصحیح اور طبرانی اوسط اور ابن شاہین کتاب  
السنۃ میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی ہیں: میں بیمار تھا، خدمت  
اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ حضور نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز میں مشغول  
ہوئے، روئے (چادر) مبارک کا آٹھل مجھ پر ڈال لیا، پھر بعد از نماز فرمایا:

”برئت یا ابن ابی طالب فلا بأس علیک  
ما سألت اللہ لی شیئا الا سألت لک معلہ ولا  
سألت اللہ شیئا الا أعطانیہ غیر انہ قبل انہ  
لا نبی بعدی“

اے ابن ابی طالب تم اچھے ہو گئے ہو (صحت  
یاب ہو گئے ہو) تم پر کچھ تکلیف نہیں۔ میں  
نے اللہ عزوجل سے جو کچھ اپنے لئے مانگا  
تمہارے لئے بھی اس کی مانند سوال کیا  
اور میں نے جو کچھ چاہا رب عزوجل نے مجھے  
عطاء فرمایا مگر مجھ سے یہ فرمایا گیا کہ میرے  
بعد کوئی نبی نہیں۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں: میں اسی وقت ایسا ہو گیا گویا بیمار ہی نہ تھا۔  
(کنز العمال بحوالہ ابن ابی عاصم وابن جریر و طبرانی اوسط وابن شاہین فی السنۃ حدیث  
36513 موسسة الرسالة بیروت 170/13)

تنبیہ:

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے) (ت) یہ حدیث حضرت امیر المؤمنین کیلئے مرتبہ صدیقیت کا حصول بتاتی ہے۔ صدیقیت ایک مرتبہ تلو نبوت (نبوت کے پیچھے) ہے کہ اس کے اوپر نبوت کے بیچ میں کوئی مرتبہ نہیں گا۔ اگر ایک مقام ادق و اخفی ہے کہ نصیبہ حضرت صدیق اکبر اکرم و اتقی رضی اللہ عنہ ہے تو اجناس و انواع و اصناف فضائل و کمالات و بلندی درجات میں خصائص و ملزومات نبوت کے سوا صدیقین ہر عطیہ بیہ (قیمتی عطیہ) کے لائق و اہل ہیں۔ اگرچہ باہم ان میں تفاوت و تقاضل کثیر و وافر ہو۔

مختصر مطلب:

حدیث پاک سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام صدیقیت سمجھ آ رہا ہے جو سب سے بلند حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے پھر اللہ تعالیٰ کے تمام مقربین کو درجہ بدرجہ حاصل ہے۔ مقام صدیقیت نبوت کے بعد ہے لیکن قریب ہے۔ آخر نہ دیکھا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کل ولی علی قدم نبی وانا علی قدم جدی ﷺ وما رفع المصطفیٰ ﷺ قدما الا وضعت انا قدمی فی الموضع الذی رفع قدمہ منہ الا ان یکون قدما من اقدام النبوة فانه لا سبیل ان ینالہ غیر نبی“

ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جدا کرم ﷺ کے قدم پاک پر ہوں مصطفیٰ ﷺ نے جہاں سے قدم اٹھایا میں نے اسی جگہ قدم رکھا مگر نبوت کے قدم کہ ان کی طرف غیر نبی کو اصلاً (بالکل) راہ نہیں۔

(بہجہ الاسرار لا امام ابی الحسن علی عظیمونی ذکر کلمات اخیر بھا عن نفسہ ص 22)

حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت سے کم درجہ پر فائز نہ تفرود کی دلیل اور نہ ہی تفضیل کی دلیل ہے وہ سینکڑوں میں سے مشترک ہے، ہر غوث و صدیق اس میں مشترک ہے

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”جس کے پاس ملک الموت آئیں اور وہ طلب علم میں ہو، اس میں اور انبیاء علیہم السلام میں صرف ایک درجے کا فرق ہے کہ درجہ نبوت ہے۔ (اسے ابن نجار حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے)

”من اتاه ملك الموت وهو يطلب العلم كان بينه وبين الانبياء درجة واحدة ودرجة النبوة رواه ابن نجار انس رضی اللہ عنہ“

(کنز العمال بحوالہ ابن نجار عن انس حدیث 28829 موسسة الرسالة بیروت 160/10)

دوسری حدیث میں ہے:

قریب ہے حاملان قرآن انبیاء ہوں مگر یہ کہ ان کی طرف وحی نہیں آتی۔ (اسے دیلمی نے ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا)

كاد حملة القرآن ان يكونوا انبياء الا انه لا يوحى اليهم (رواه الديلمي عن عبد الله بن عمر) الفردوس للديلمي بماثورا الخطاب حدیث 221 دارالکتب العلمیہ بیروت 75/1)

نتیجہ واضح ہے:

تو اس قسم کے امثال سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تفصیل کا وہم نہیں ہو سکتا۔ (فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 678 ص 679) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صدیق اکبر ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

صدیق اصغر ہیں:

صدیق اکبر کا مقام اعلیٰ صدیقیت سے بلند و بالا ہے۔ نسیم الریاض شرح شفاء للامام قاضی عیاض میں ہے:

اما تخصیص ابی بکر رضی اللہ عنہ فلاه لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تخصیص اس لئے کہ



الصدیق الاکبر الذی سبق الناس کلهم لتصدیقہ ﷺ ولم یصدر منه غیر قط وکذا علی کرم اللہ وجہہ فأنه یسمی الصدیق الاصغر الذی لم یعلمس بکفر قط ولم یسجد لغير الله مع صفرة وکون ابیه علی غیر الملة ولذا عمن بقول علی کرم اللہ وجہہ

وہ صدیق اکبر ہیں جو تمام لوگوں میں آگے ہیں کیونکہ انہوں نے جو حضور ﷺ کی تصدیق کی وہ کسی کو حاصل نہیں اور یوں ہی علی کرم اللہ وجہہ کا نام صدیق اصغر ہے جو ہرگز کفر سے متلبس نہ ہوئے اور نہ ہی انہوں نے غیر اللہ کو سجدہ کیا باوجودیکہ وہ نابالغ تھے اور ان کے والد ملت اسلامیہ پر نہ تھے اسی وجہ سے انہوں نے علی کرم اللہ وجہہ کے قول کو خاص طور پر لیا۔ (ت)

(تیم الریاض شرح عقائد امام عیاض الباب الاول الفصل الاول دار الفکر بیروت 172/1)

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا ارشاد:

حضرت خاتم الولاية احمدیة فی زمانہ بحر الحقائق ولسان القوم بجنابہ و بیانہ سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نفعنا اللہ فی الدارين بفیہما نہ فتوحات مکیہ شریفہ میں فرماتے ہیں:

یعنی اگر حضور سید عالم ﷺ اس موطن میں تشریف نہ رکھتے ہوں اور صدیق اکبر حاضر ہوں تو حضور اقدس ﷺ کے مقام پر صدیق قیام کریں گے کہ وہاں صدیق سے اعلیٰ کوئی نہیں جو انہیں اس سے روکے وہ اس وقت کے صادق و حکیم ہیں۔ اور جوان کے سوا ہیں سب ان کے زیر حکم، یہ مقام جو ہم نے ثابت کیا صدیقیت اور نبوت شریعت کے بیچ میں

"فلو قلنا النبی ﷺ فی ذلك الوطن وحضرة ابوبکر لقام فی ذلك المقام الذی لکم فہو رسول اللہ ﷺ لانه لیس کم اعلیٰ منه یحجبه عن ذلك فهو صادق ذلك الوقت وحکمہ وما سواہ تحت حکمہ (تم قال) وهذا المقام الذی اهتمنا بہ من الصدوقیة ونبوة العشریم الذی ہو مقام القرية وهو للأفراد هو دون النبوة العشریم

و فوق الصدیقۃ فی المنزلة عند اللہ  
والمشار الیہ بالشر الذی وقر فی صدر ابی  
بکر ففضل بہ الصدیقون اذ حصل له ما  
لیس فی شرط الصدیقۃ ولا من لوازمها  
فلیس بین ابی بکر و بین رسول اللہ ﷺ  
رجل لانه صاحب الصدیقۃ وصاحب  
السر

ہے۔ یہ مقام قربت افراد (فردوں) کیلئے  
ہے، اللہ کے نزدیک نبوت شریعت سے نچا  
اور صدیقیت سے مرتبے میں بالا ہے۔ اسی  
کی طرف اس راز سے اشارہ ہے جو سینہ  
صدیق میں متمکن ہوا جس کے باعث وہ  
تمام صدیقیوں سے افضل قرار پائے کہ ان  
کے قلوب میں وہ راز الہی حاصل ہوا جو نہ  
صدیقیت کی شریعت نہ اس کے لوازم سے  
ہو، ابوبکر صدیق اور رسول اللہ ﷺ کے  
درمیان کوئی شخص نہیں کہ وہ تو صدیقیت  
والے بھی ہیں۔ اور صاحب راز بھی (ﷺ)

(الفتوحات المکیۃ الباب الثالث والسبعون دار  
احیاء التراث العربی بیروت ج 2 ص 25)

فتاویٰ رضویہ، ج 15 ص 680, 681 مطبوعہ رضاء فاؤنڈیشن لاہور

### خلاصہ کلام:

صدیقیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصف بھی ہے، اس وصف میں بھی  
آپ کو کمال درجہ حاصل ہے، اسلئے آپ صدیق اکبر ہیں۔  
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہ وصف حاصل ہے لیکن وہ درجہ حاصل نہیں جو  
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، اسلئے آپ صدیق اصغر ہیں۔  
پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سینے میں ایک راز پایا گیا ہے جس کی وجہ  
سے آپ کو صدیقیت سے بھی بلند مقام حاصل ہے۔ وہ مقام نبوت سے کم ہے  
اور صدیقیت سے بلند ہے، پھر اس مرتبہ کے متعلق کیا پوچھتے ہو کہ آپ کو مقام  
صدیقیت بھی حاصل ہے اور آپ صاحب راز بھی ہیں، صاحب راز ہونے کی پہلے  
وضاحت ہو چکی ہے۔

### سیدنا صدیق کی سبقت کی چار وجوہات:

خیثمہ طراءسی واہن عسا کر ابو الزناد سے راوی، ایک شخص نے مولیٰ علیؑ سے عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا بات ہوئی کہ مجاہدین و انصار نے ابو بکر کو تقدیم دی حالانکہ آپ کے مناقب بیشتر (بہت زیادہ) اور اسلام و سوابق بیشتر۔ فرمایا: اگر مسلمان کے لئے خدا کی پناہ نہ ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا، افسوس تجھ پر، ابو بکر چار وجہ سے مجھ پر سبقت لے گئے:

- ① افشائے اسلام میں مجھ سے پہلے
- ② ہجرت میں مجھ سے سابق (پہلے)
- ③ صحبت غار بھی انہیں کا حصہ
- ④ نبی کریم ﷺ نے امانت کیلئے انہیں کو مقدم فرمایا۔

ويحك ان الله ثم العباس كلهم ومدح سب کی مذمت اور ابو بکر کی مدح فرمائی کہ  
 ابا بکر فقال الاتصروا فقد نصره الله ارشاد فرماتا ہے، اگر تم اس نبی کی مدد نہ کرو تو  
 الآيه اللہ تعالیٰ نے اسکی مدد فرمائی، (الخ)

(جامع الاحادیث بحوالہ خیثمہ واہن عسا کر، حدیث 7689 دار الفکر بیروت 290/16)

### حضرت ابو بکر صدیق کا تقدم:

خطیب بغدادی واہن عسا کر اور دیلمی مسند الفردوس اور عشاری فضائل  
 الصدیق میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی رسول اللہ ﷺ  
 فرماتے ہیں: سألت الله ثلاثا ان يقدمك فابى علي الا تقديم ابي بكر اے  
 علی! میں نے اللہ عزوجل سے تین بار سوال کیا کہ تجھے تقدیم دے اللہ تعالیٰ نے نہ مانا  
 مگر ابو بکر کو مقدم رکھا۔

(تاریخ بغدادی حدیث 8921 دارالکتب العربی بیروت 213/11 وکنز العمال بحوالہ ابی طالب)

العشاری وغیرہ حدیث 35680 موسسة الرسالة بیروت 515/12

حضرت علیؑ کی مدح افراط و تفریط کا شکار:

عبداللہ بن احمد زوائد مسند میں اور ابو یعلیٰ و دورقی و حاکم و ابن ابی عاصم و ابن

شاہین امیر المومنین مولیٰ علیؑ کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ انہوں نے فرمایا:

مجھے رسول اللہ ﷺ نے بلا کر ارشاد فرمایا: اے علیؑ! تجھ میں ایک کہاوت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے۔ یہود نے ان سے دشمنی کی یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا اور نصاریٰ ان کے دوست بنے یہاں تک کہ جو مرتبہ ان کا نہ تھا وہاں جا اتارا۔ مولا علیؑ فرماتے ہیں: سن لو! میرے معاملہ میں دو شخص ہلاک ہوں گے: ایک دوست میری تعریف میں حد سے بڑھنے والا، جو میرا مرتبہ وہ بتائے گا جو مجھ میں نہیں اور ایک دشمن مفتری جسے میری عداوت اس پر باعث ہوگی کہ مجھ پر بہتان باندھے گا۔ خبردار! میں نبی نہیں اور نہ ہی میری طرف وحی آتی ہے تو جہاں تک ہو سکے اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہوں تو میں جب تمہیں اطاعت کا حکم دوں تو میری فرمانبرداری تم پر لازم ہے چاہے تمہیں پسند ہو خواہ ناگوار، اور اگر میں معصیت کا حکم دوں یا کوئی اور (تمہیں معصیت کا حکم دے)

دعائی رسول اللہ ﷺ فقال يا علي ان فوك من عيسى مثلا ابفضتہ اليهود حتى بهتوا امه واحبته النصارى حتى انزلوه بالمدزلة التي ليس بها وقال علي الا وانه يهلك في رجلان محب مطرني يفرطني بما ليس في ومبغض مفتر يحمله شئاني علي ان يبهتني الا واني لست بنبي ولا يوحي اليّ ولكني اعمل بكتاب الله وسنة نبيه ﷺ ما استطعت فما امرتكم به من طاعة الله فحق عليكم طاعتي فيما احببتم او كرهتم وما امرتكم بمعصية انا وغیره فلا طاعة لاحد في معصية الله اما الطاعة في المعروف“

(المسند رك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة، دار الفكر بيروت 123/3 ومسند احمد بن حنبل مروی از علیؑ، دار الفكر بیروت 160/1)

تو اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو مشروع بات میں ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج 15 ص 686، 687)

### عبداللہ بن حسن کا ارشاد:

سینچین کی افضلیت: امام دارقطنی جندب اسدی سے راوی

ان محمد بن عبد اللہ بن الحسن اناہ قوم  
من اهل الكوفة والجزيرة فسألوہ عن ابی  
بكر وعمر فالتفت الی فقال انظر الی اهل  
بلادك یسألونی عن ابی بكر وعمر لهما  
افضل عندی من علی

یعنی امام نفس زکیہ محمد بن عبداللہ محض ابن امام  
حسن ثنی ابن حسن مجتبیٰ ابن مولیٰ علی مرتضیٰ  
رضی اللہ عنہ کے پاس اہل کوفہ وجزیرہ سے کچھ لوگوں  
نے حاضر ہو کر ابو بکر صدیق و عمر فاروق کے  
باب میں سوال کیا، امام نے میری طرف  
التفات (توجہ) کر کے فرمایا: اپنے وطن  
والوں کو دیکھو! مجھ سے ابو بکر و عمر کے باب  
میں سوال کرتے ہیں بیشک وہ دونوں میرے  
نزدیک علی سے افضل ہیں (رضی اللہ عنہم  
اجمعین)

(الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی عن جندب  
الاسدی، مکتبہ مجیدیہ ملتان، ص 53)

### رافضی اور خارجی نظریات:

حافظ عمر بن شعبہ سیدنا امام زید شہید ابن امام زین العابدین ابن امام حسین  
شہید کر بلا ابن مولیٰ علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) سے راوی، انہوں نے رافضیوں سے فرمایا:  
انطلقت الخوارج فہرنت ممن دون ابی بكر  
وعمر ولم یستطیعوا ان یقولوا فیہما شہنا  
وانطلقتم انتم فطفرتم فوق ذلك فہرنتم  
منہا فمن ہلک فواللہ ما ہلک احد الا ہرنتم  
منہ

خارجیوں نے چل کر تو انہیں سے برأت  
(بیزارگی) کی جو ابو بکر و عمر سے نیچے (درجہ  
) میں ہیں یعنی عثمان و علی مگر ابو بکر و عمر کی شان  
میں کچھ نہ کہہ سکے، اور اے رافضیو! تم نے  
ان سے اوپر ہمت (چھلانگ) لگائی کہ خود

ابو بکر و عمر سے برأت کر بیٹھے تو اب کون رہ گیا  
 (الصواعق المحرقة بحوالہ الحافظ عمر بن شعبہ، مکتبہ  
 مجیدیہ ملتان، ص 53)

تہرانہ کیا۔

### رافضی کی سزا اہل بیت کی نظر میں:

دارِ قطنی فضیل بن مرزوق سے راوی، فرمایا:

قلت لعمر بن علی بن الحسین بن علی  
 (رضی اللہ عنہم) انہکم امام تفترض  
 طاعتہ تعرفون ذلك من لم يعرف ذلك له  
 فمات ممتة جاهلیة فقال لا والله ما ذلك  
 فینا من قال هذا فهو کاذب فقلت انہم  
 یقولون ان هذه المنزلة كانت لعلی ثم  
 للحسن ثم للحسین قال قاتلہم اللہ ویلہم  
 ما هذا من الدین واللہ ما هولاء الا  
 متاکلین بنا هذا "مختصر"  
 (الصواعق المحرقة بحوالہ الدارِ قطنی عن فضیل بن  
 مرزوق، الباب الثالث، مکتبہ مجیدیہ ملتان  
 ص 56)

میں نے امام زین العابدین علیہ السلام کے  
 صاحبزادے امام باقر کے بھائی امام عمر بن  
 علی سے پوچھا: آپ میں کوئی ایسا امام ہے  
 جس کی طاعت فرض ہو؟ آپ اس کا یہ حق  
 پہچانتے ہیں جو اسے بے پہچانے مر جائے  
 جاہلیت کی موت مرے۔ فرمایا: خدا کی قسم!  
 ہم میں کوئی ایسا نہیں جو ایسا کہے، جھوٹا ہے۔  
 میں نے کہا: رافضی تو کہتے یہ مرتبہ موئی علی کا  
 تھا، پھر امام حسن، پھر امام حسین کو ملا۔ فرمایا:  
 اللہ رافضیوں کو قتل کرے خرابی ہو ان کیلئے یہ  
 کیا دین ہے؟ خدا کی قسم یہ لوگ نہیں مگر ہمارا  
 نام لے کر دنیا کمانے والے والعیاذ باللہ  
 عزوجل۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 15 ص 688، 689 مطبوعہ رضاء فاؤنڈیشن لاہور)

### اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے مختصر ارشادات:

(۱) حضرات شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم علیہما السلام) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے  
 سب سے افضل و اکمل مرید تھے۔ اولیاء کرام فرماتے ہیں: تا جہاں است نہ

ہجو مصطفیٰ ﷺ پیرے بود نہ ہجو ابو بکر صدیق مریدے، پوری کائنات میں مصطفیٰ ﷺ جیسا نہ کوئی پیر ہے، اور نہ ابو بکر صدیقؓ جیسا کوئی مرید (ت) (فتاویٰ رضویہ، ج 11، ص 326)

2- رایت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام  
وضلت افہام عما رفعت له الرايات الی  
لرفع الغایات واشمغ النہایات من توافر  
الآیات وتظانر الاخبار وتواتر الآثار من  
العترۃ الاطہار والصحابة الکبار والاولیاء  
الاخیار والعلماء الابرار من تفضیل  
الشہنہن علی ابی الحسن رضی اللہ  
عنہم وجعلنا لہم۔

میں نے دیکھا کچھ لوگ منحرف ہوئے اور  
کچھ قدم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ  
ہوئے جس کیلئے نہایت بلندی تک علم بلند  
کئے گئے آیات و اخبار و آثار کی کثرت سے  
اور اس پر صحابہ کبار اہل بیت اطہار، پیشوایان  
اخیار، اور علمائے ابرار کا اجماع ہو چکا یعنی  
شیخین ابو بکر و عمر کی فضیلت ابو الحسنین علی پر  
، اللہ ہمیں ان کیلئے کرے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 497)

(۳) تفضیلی شیعہ کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیر سے یاد کرتا ہو، خلفائے اربعہ  
رضوان علیہم کی امامت برحق جانتا ہو، صرف امیر المؤمنین مولیٰ علی کو شیخین  
رضی اللہ عنہم سے افضل مانتا ہو، اسے کفر سے کچھ علاقہ نہیں، بد مذہب ضرور ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 11 ص 346)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دلالت کرنے والی احادیث:

اعلیٰ حضرت ﷺ نے سترہ احادیث وہ ذکر فرمائیں جن میں صراحتاً حضرت  
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا ذکر ہے، احادیث مبارکہ ذکر کرنے سے پہلے جو آپ  
نے بیان فرمایا اس سے پتہ چل رہا ہے کہ آپ کے زمانہ کے تفسیلیوں نے یہ کہا تھا  
یا کشف سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ تھا کہ پچاسی سال بعد یوں کہا جائے گا۔

لبدۃ التحقیق میں جو بیان کیا گیا ہے:

”چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عبداللہ بن عمر کا ایک قول یا حدیث تقریری ملتی ہے اور چند دوسری احادیث ملتی ہیں جو اخبار واحدہ ہیں یا ظنی الدلالة یا متعارض ہیں اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر بیس (۲۰) حوالہ جات از قسم احادیث مرفوعہ واقوال مرفوعہ واقوال صحابہ گزشتہ صفحات میں پیش کئے جا چکے ہیں اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کے ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار تھوڑے ہیں اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعوادار بھی زیادہ ہیں اور دلائل بھی کثیر از قسم احادیث مرفوعہ ہیں۔“ (زبدۃ التحقیق ص ۲۶۷)

سبحان اللہ! کیا خوب بیان ہے، تمام ممالک اسلامیہ کو دیکھئے بفضلہ تعالیٰ شیعہ پانچ فیصد تک نہیں پہنچیں گے۔ اگر تقضیلیوں کو ساتھ ملا لیں تب بھی دو فیصد سے اور زیادہ نہیں ہوں گے، ابھی تو ان کی ابتدائی کوشش ہے، ان شاء اللہ وہ بھی مٹ کر رہے گی۔

ابن عبدالبر کی مرجوح روایت سے پانچ چھ صحابہ ثابت کئے گئے اور ابو زہرہ مصری غیر معتبر شخص کے قول سے بیس صحابہ کرام ثابت کئے گئے اور دعویٰ اکثریت کا پھر اس جملہ کا اہل علم تقابلی جائزہ لیں ”اخبار واحدہ ظنی الدلالة متعارض کے مقابل اقوال مرفوعہ، احادیث مرفوعہ، اقوال صحابہ ذکر کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا آپ کی پیش کردہ احادیث متواتر ہیں قطعی الدلالة، غیر متعارض ہیں، زبانی دعویٰ کرنا تو بہت آسان ہے ثبوت پیش کرنا بہت مشکل ہے۔“

آئیے! دیکھئے حدیث ایک ہے یا زیادہ۔ پہلے آپ احادیث کتب احادیث میں مناقب میں دیکھئے۔ ضمنی طور پر بیان کردہ کو دیکھنے سے تعداد بہت زیادہ ہوگی،



تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

نام کتاب	حضرت ابو بکر <small>رضی اللہ عنہ</small> کی شان میں	حضرت علی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی شان میں
بخاری	۲۳	۷
مسلم	۱۶	۱۴
ترمذی	۳۰	۲۵
ابن ماجہ	۹	۸
ابوداؤد	۱۰	(جو ضمناً مذکور ہیں) ۳
موطا امام محمد	۴	○

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے عنوان قائم کیا:

الفصل الثالث فی الاحادیث النبویة والبوارق المصطفویة وعلی

آلہ الصلوٰۃ والتحیة

احادیث کے ذکر سے پہلے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان فرماتے ہیں:

واضح ہوا احادیث مرفوعہ اثبات تفصیل شیخین رضی اللہ عنہما میں ایسی کثرت محدودہ پر نہیں جن کے استقصاء واستیعاب کی طرف دست طمع دراز کیا جائے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ باب ثانی میں ایک جم غفیر ان میں سے ذکر کرے استقر ال رحمت الہی کریں گے قولاً وفعلاً۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح بوضاحت تمام روشن و آشکارا فرما دیا کہ جو ترجمہ شیخین کا دربار الہی و بارگاہ رسالت پناہی علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے کسی کا نہیں اور جس جلالت شان و رفعت مکان پر یہ سرفراز کسی کو میسر نہیں۔ ہم یہاں صرف دانہ از خرمن و غنچہ از گلشن کے قبیل سے ان معدود حدیثوں پر اقتصار کرتے ہیں جو افادہ مقصود میں اصرح و اوضح و اجلی و اسی اور نظر و فکر تمہید مقدمات و ترتیب دلائل تفصیر مباحث سے

اغنی ہیں۔ (آگے طویل عبارت کے بعد فرماتے ہیں) اب کہ اس تمہید سے فراغت پائی۔ ہاں! اکناف عالم میں ندائے دلنواز کیجئے اور اطراف زمین میں صدائے جاں گزار دیتجئے، وہ دل نواز ندا جس سے ارباب ارشاد کے دلوں کی کلیاں کھل جائیں اور وہ جاں گزار صدا جس سے اصحابِ عناد کے جگر ہل جائیں، وہ دلنواز کہ ابر بہاری بن کر چمن ہدایت میں پھول برسائے اور وہ جاں گزار صدا کہ گرجتی امنڈ کر خرمینِ ضلالت پر بجلیاں گرائے، وہ دلنواز ندا جس میں اہل حق کیلئے فرحیتِ ابدی کے سامان نکلیں اور وہ جاں گزار صدا جس سے ابنائے باطل کے کلیجے چار چار ہاتھ اچھلیں۔

(پھر کچھ طویل خوبصورت عبارت کے آخر میں فرماتے ہیں:) طوبی (مبارک) طوبی ہزار طوبی اس خوش نصیب کو جو اس کے حضور گردنِ اذن خم کرے، وائے مصیبت و بلا آفت اس حرمانِ مقدر کی جو اس سے سرتابی کر کے اپنی جان زار پر جفا و ستم کرے۔

### حدیث اول:

(۱) حضرت محمد بن اسمعیل بخاری اور ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (رحمہم اللہ) حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ”وہذا اللفظ الطبرانی وهو اصرح فی الرفع“ جو حدیث ذکر کی جا رہی ہے، اس کے الفاظ مبارک طبرانی کے ہیں جو حدیث کے مرفوع ہونے کو زیادہ واضح کر رہے ہیں:

کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی الفضل  
 هذه الامة بعد نبیہا صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر وعمر  
 عثمان فسمع ذلك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلا  
 یبکروا  
 (العجم الکبیر للطبرانی حدیث (۱۳۱۳۲) دار احیاء  
 التراث بیروت ۲۲۱/۱۲)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کہا کرتے افضل اس امت کے بعد اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر و عمر و عثمان پس یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع اقدس تک پہنچی اور حضور انکار نے فرماتے۔

حدیث دوم:

عبد بن حمید اپنی مسند اور ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری صحیح مستدرک اور حافظ ابو نعیم حلیہ الاولیاء میں اور حافظ محمد دین البخاری چند طرق اسناد سیدنا ابو ذر و ابی ذرؓ راوی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

ما طلعت الشمس ولا غربت علی احد نہ طلوع آفتاب نے اور نہ غروب کیا کسی شخص افضل ابی بکر الان یکون نبی“ پر جو ابوبکر سے افضل ہو سوا نبی کے۔

(کنز العمال فضائل ابوبکر الصدیق حدیث ۳۲۶۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۱/۲۵۴)

فائدہ:

یہاں دو امر قابل لحاظ جو اس حدیث اور اس کے ماوراء میں اکثر بکار آمد ہوں گے (یعنی دو چیزوں کو یاد رکھیں جو اس حدیث اور دوسری حدیثوں میں بھی کام آئیں گی۔)

اولاً: (پہلی چیز) بلغاء کا قاعدہ ہے جب کسی شے کی نفی کلی مقصود ہوتی ہے اسے اسی قسم (کے) الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں کہ آفتاب ایسی چیز پر طالع نہ ہوا، یا اس پر غروب نہ کیا، یا زیر سایہ آسمان ایسا کوئی نہیں، یا وجہ ارض اس سے خالی ہے، یا زمین نے نہ اٹھایا اور فلک نے سایہ میں نہ لیا کسی ایسے کو، یا دن نہ چمکا اور رات نہ تاریک ہوئی اس پر۔ اور مقصود ان سے بطریق اثبات لازم بیہوت ملزوم، خواہ یوں کہئے کہ نفی ملزوم باثغاء لازم، وہی سلب مطلق وعدم عام ہوتا ہے۔ پس حاصل یہ کہ زمانہ آدم علیہ السلام سے آج تک بعد انبیاء و مرسلین کے کوئی شخص ابوبکر سے افضل پیدا نہ ہوا۔

ثانیاً: (دوسری چیز) عرف دائر و سائر ہے کہ معنی تفصیل کو نفی افضل کے پیرایہ میں ادا کرتے ہیں۔ کہتے یہ ہیں: فلاں شخص سے کوئی افضل نہیں، اور مراد یہ کہ نہ اس سے کوئی بہتر نہ اس کا کوئی ہمسر بلکہ وہی سب سے خیر و برتر، اور شاید سر (راز) اس میں

یہ ہے کہ مساوات تامہ کلیہ حقیقیہ دو شخصوں میں کہ ہر وصف و ہر نعت و ہر خوبہ و ہر کمال میں کانٹے کی تول ایک سانچے کی ڈھال ہوں از قبیل مجال عادی پس نئی افضل افادۃ مقصود میں کافی۔ تو معنی حدیث یہ ہوئے کہ تمام جہاں میں انبیاء و مرسلین کے بعد نہ کوئی صدیق سے اٹھل نہ کوئی اکامٹھل و مثیل بلکہ وہی ساری مخلوق سے افضل۔

حدیث سوم (۳):

طبرانی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ما طلعت الشمس علی احد منکم افضل من ابی بکر، تم میں کسی ایسے پر آفتاب نہ نکلا جو ابو بکر سے افضل ہو۔

(انجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۳۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۲۷۳/۵)

فائدہ:

اس حدیث کیلئے شواہد کثیرہ ہیں اور حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صحت کی طرف اشارہ فرمایا۔

حدیث چہارم (۴):

طبرانی حضرت اسعد بن زرارہ سے راوی، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان روح القدس جبریل ان غیر امتک بعدک ابو بکر۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بیشک روح القدس جبریل علیہ السلام نے مجھے خبر دی کہ بہتر آپ کی امت کے بعد آپ کے ابو بکر ہیں۔

(انجم الاوسط للطبرانی حدیث ۶۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۸/۵)

حدیث پنجم (۵):

طبرانی معجم کبیر اور احمد بن صدی کامل میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ابو بکر خیر الناس الا ان یكون

نبی، ابو بکر سب آدمیوں سے بہتر ہیں سوا انبیاء کے۔

(الکامل فی شعفاء الرجال لابن عدی، عکرمہ بن عمار، حدیث ۱۴۱۲، دارالکتب العلمیہ بیروت،  
۳۸۴۶)

حدیث ششم (۶):

حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور ﷺ فرماتے ہیں: ما صاحب  
النبيين والمرسلين ولا صاحب ينس افضل من ابى بكر، اور انبیاء و مرسلین کے  
جس قدر صحابی اور صاحب یاسین (یعنی حبیب نجار جن کا قصہ حق سبحانہ نے سورۃ یس  
شریف میں ذکر فرمایا اور جنتی اور مکرم ہونا بیان کیا) ان میں کوئی صدیق سے افضل نہیں۔  
(کنز العمال، فضائل ابی بکر الصدیق حدیث، ۳۲۵۶۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۱/۲۵۰)

حدیث ہفتم (۷):

دیلمی مسند الفردوس میں جناب امیر (حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے راوی  
حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: اتانى جبريل فقلت من يهاجر معي قال ابو بكر  
وهو بلى امر امتك من بعدك وافضل امتك، یعنی جبریل امین علیہ السلام میرے پاس  
آئے، میں نے کہا: میرے ساتھ مدینہ طیبہ کو کون ہجرت کرے گا؟ عرض کیا: ابو بکر اور وہ  
والی ہوں گے امر امت کے بعد حضور کے اور وہ حضور کی تمام امت سے افضل ہیں۔

(کنز العمال، فضائل ابی بکر الصدیق حدیث، ۱۲۵۸۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۱/۲۵۱)

حدیث ہشتم (۸):

ابن عساکر حضرت مولیٰ المسلمین اسد اللہ الغالب اور حواری رسول اللہ ﷺ  
حضرت زبیر بن العوام سے راوی، حضور افضل الانبیاء ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: خیر  
امتی بعدی ابو بکر و عمر، بہترین امت محمدیہ ﷺ بعد میرے ابو بکر و عمر ہیں۔

(کنز العمال، فضائل ابی بکر و عمر، حدیث، ۳۲۶۶۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۱/۲۵۸)

حدیث نہم (۹):

حاکم کنی اور ابن عدی کامل اور خطیب تاریخ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت خیر البریۃ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کا ارشاد ہے: ابو بکر و عمر خیر الاولین والمرسلین، ابو بکر و عمر بہترین سب اگلوں و پھلوں کے اور بہترین سب آسمان والوں سے اور بہترین سب زمین والوں سے سوا انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے۔ (جمع الجوامع حرف الہمزۃ، حدیث ۱۲۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۳۹/۱)

حدیث دہم (۱۰):

ترمذی نے جامع اور ابن ماجہ نے سنن اور عبد اللہ بن احمد نے زوائد مسند میں روایت کی: یعنی حضرت امام حسن مجتبیٰ کے پوتے حضرت حسن بن زید فرماتے ہیں: مجھ سے میرے پدر بزرگوار حضرت زید بن حسن نے اپنے والد ماجد حضرت امام حسن سے انہوں نے حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے تحدیث کی کہ جناب مرتضوی نے فرمایا: میں خدمت اقدس حضور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر تھا کہ ابو بکر و عمر سامنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! یہ دونوں سردار ہیں اہل جنت کے سب بوڑھوں اور جوانوں کے بعد انبیاء و مرسلین کے۔

وہذی روایۃ ابن الامام عن حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجوہہم قال حدیثی ابی عن ابیہ عن علی قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاقبل ابو بکر و عمر فقال یا علی ہذان سیدا کھول اہل الجنة و شبایہا بعد النبیین والمرسلین،

(مسند احمد بن حنبل، مسند علی بن ابی طالب، حدیث ۶۰۲، دارالکتب، بیروت، ۱۷۳/۲)

حدیث یازدہم (۱۱):

دسویں حدیث والا مضمون ترمذی نے جامع میں بیان کیا۔

(سنن ترمذی، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲۰۷/۲، ۲۰۸)

حدیث دوازدهم (۱۲):

دسویں حدیث والا مضمون ابو یعلیٰ نے مسند میں ذکر کیا۔

(مسند ابو یعلیٰ معرفۃ العلوم والقرآن، بیروت۔ ۳۰۴/۱)

حدیث سیزدهم (۱۳):

دسویں حدیث والا مضمون ضیاء نے مختارہ میں حضرت یونس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

(الاحادیث المختارۃ مکتبۃ تحفۃ الحدیثیۃ، مدینہ ۲/۱۶۷، ۶/۲۳۳)

حدیث چہاردهم (۱۴):

دسویں حدیث والا مضمون ابن ماجہ نے سنن میں حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

(ابن ماجہ، ص ۱۱)

حدیث پانزدهم (۱۵):

یہی مضمون طبرانی نے معجم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ترمذی کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے اور ترمذی نے حدیث کو حسن کہا ہے۔ تیسرے میں ہے حدیث علی کے رجال رجال صحیح ہیں اور بعض علماء حاضرین نے اسے متواترات سے شمار کیا۔

تعمیر:

ایک مضمون کی حدیث جب مختلف راویوں سے آئے تو تعداد کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ بھی قدرے مختلف ہوتے ہیں، صرف مضمون ایک ہوتا ہے۔

حدیث شانزدهم (۱۶):

دارقطنی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ابن جریر سے

جو انہوں نے عطاء سے روایت کی:

ان النبی ﷺ رأی ابا الدرداء یمشی امام  
ابی بکر فقال تمشی قدام رجل ما طلعت  
الشمس علی خیر منه،

(کنز العمال، تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۲/۲۲۳)

حدیث ہفد ہم (۱۷):

عن ابی الدرداء قال رأی رسول اللہ ﷺ  
وانا امشی امام ابی بکر قال یا ابا الدرداء  
اتمشی من ہو غیر منک ما طلعت الشمس  
ولا غربت علی احد بعد النبیمن و  
المرسلین افضل من ابی بکر قال ومن  
وجه آخر اتمشی یمن یدی من ہو غیر  
منک فقلت یا رسول اللہ ابو بکر غیر منی  
قال ومن اهل مكة جميعا؟ قال ومن اهل  
المدينة جميعا قلت یا رسول اللہ ابو بکر  
غیر منی ومن اهل الحرمین؟ قال ما اظلت  
الخطراء ولا اقلت الغبراء بعد النبیمن

والمرسلین غیرا وافضل من ابی بکر  
(کنز العمال، کتاب الفضائل، فضل النبیمن)

دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳/۷۷، بالفاظ مختلفہ  
والمعنی واحد)

”نبی کریم ﷺ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ کو دیکھا  
کہ وہ حضرت ابو بکر کے آگے چل رہے تھے  
تو آپ نے فرمایا: تم اس شخص (حضرت  
ابو بکر) کے آگے چلتے ہو کہ جس کے  
بہتر پر سورج طلوع نہیں ہوا۔“

خلاصہً محصل روایات یہ کہ حضرت ابو درداء کو  
حضور ﷺ نے صدیق اکبر کے آگے چلتے  
دیکھا، ارشاد فرمایا: تو اس شخص کے آگے چلنا  
ہے جس سے بہتر پر آفتاب نے طلوع نہ کیا  
اور ایک روایت میں ہے تو اسکے آگے چلنا  
ہے جو تجھ سے بہتر ہے آفتاب نے انبیاء  
و مرسلین کے بعد کسی ایسے پر طلوع وغروب نہ  
کیا جو ابو بکر سے افضل ہو۔ اور ایک میں یوں  
ہے کیا تو اسکے آگے چلنا ہے جو تجھ سے بہتر  
ہے، ابو درداء نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ  
(کیا) ابو بکر مجھ سے بہتر ہیں؟ فرمایا اور تمام  
اہل مکہ سے (وہ بہتر ہیں) عرض کیا یا رسول  
اللہ ﷺ (کیا) ابو بکر مجھ سے اور تمام اہل مکہ  
سے بہتر ہیں؟ فرمایا تمام اہل مدینہ (سے بھی  
بہتر ہیں) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (کیا



(کیا ابو بکر مجھ سے اور تمام اہل مکہ و مدینہ سے بہتر ہیں؟ فرمایا: آسمان نے سایہ نہ ڈالا کسی ایسے پر اور زمین نے نہ اٹھایا کسی ایسے کو جو انبیاء و مرسلین کے بعد ابو بکر سے بہتر و افضل ہو۔

(ماخوذ از مطلع القمرین از، ص ۲۲۹ تا ص ۲۳۰)

اعلیٰ حضرت نے جتنی احادیث بیان کی ہیں وہ سب مرفوع ہیں۔ محبان صحابہ! اللہ کرے آپ کو یاد رہیں، کسی اور کو نظر آئیں یا نہ آئیں۔

اعلیٰ حضرت ﷺ فرماتے ہیں:

قال الذہبی وقد تواتر فلک عنہ فی علاقہ و کرسی مملکتہ و بین الغفر من شیعته ثم بسط الاسانید الصحیحة فی فلک قال ویقال رواہ عنہ نیف وثمانون نفساً و عدد منہم جماعة ثم قال قہم اللہ الرافضة ما اجهلہم اتھمی،

ذہبی نے کہا: امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گرتے تھے تو اتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جم غفیر میں افضلیت شیخین کو بیان فرمایا، کہا جاتا ہے کہ اسی (۸۰) سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رافضیوں کا برا کرے وہ کس قدر جاہل ہیں۔ اتھی (ت)

(الصواعق المحرقة، الباب الثالث الفصل الاول)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیع تفصیل شیخین اختیار کی اور کہا: جب خود حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ انہیں اپنے نفس کریم پر تفصیل دیتے تو مجھے اسکے اعتقاد سے کب مفر ہے۔ مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں، صواعق میں ہے:

ما احسن ما سلكہ بعض الشيعة المنصفين كعهد الرزاق فانه قال الفصل الشيعين

کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ جیسے عبدالرزاق کہ اس نے کہا: میں اس لئے

بتفضیل علیٰ ایہما علیٰ نفسہ والالما  
 فضلتہما کفیٰ فیٰ ذلکا ان احبہ ثم اعانہ  
 تنجین کو حضرت علیؑ پر فضیلت دیتا ہوں  
 کہ حضرت علیؑ نے انہیں فضیلت دی  
 ہے ورنہ میں انہیں آپ پر فضیلت نہ دیتا  
 (الصواعق المحرقة، الباب الثالث، الفصل  
 الاول)  
 میرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے  
 محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 28 ص 479، 480)

قدیم زمانہ میں اور موجودہ زمانے میں لفظ شیعہ کے اطلاق میں فرق:

زبدۃ التحقیق میں جو بیان کیا گیا ہے:

”فلاں پر شیعہ ہونے کا الزام ہے اس طرح فلاں فلاں پر یہ  
 خوارج کی پرانی عادت ہے کہ محبت اہل بیت کا تصور بھی نہ کر سکیں  
 اور اس کی تہمت کے خوف کے پردے میں خارجیت پرورش پاتی  
 ہے۔“

اعلیٰ حضرت محمدؐ نے پہلے ہی اسے بیان کر دیا:

آئے ان سنگین الفاظ کو بھی دیکھئے اور اعلیٰ حضرت محمدؐ کے بیان ذیشان کو  
 بھی دیکھئے:

متاخرین کی اصطلاح میں شیعہ روافض کو ہی کہتے ہیں ’نخذ لہم اللہ جمیعا  
 اللہ ان سب کو رسوا کرے‘ (بلکہ آجکل کے لئے بیہودہ مہذبین روافض کہنا خلاف  
 تہذیب جانتے ہیں اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں حالانکہ  
 سلف جو تمام خلفاء کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ  
 علی کرم اللہ وجہہ کوان میں افضل جانتا شیعہی کہا جاتا بلکہ صرف امیر المومنین کو عثمان  
 غنیؓ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعہی کہتے حالانکہ یہ مسک بعض علماء اہل سنت کا تھا اسی

بنام پر متعدد دائرہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات (محبت) تھا و بس (اور فقط)

محمد بن فضیل بن غزوان المحدث الحافظ کان من علماء هذا الشأن وثقة یحییٰ بن معین وقال احمد حسن الحدیث شعی قلت کان متوالیا فقط  
 محمد بن فضیل ابن غزوان جو کہ محدث اور حافظ حدیث کے علماء میں سے تھا، یحییٰ ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد بن حنبل نے کہا کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے میں (ذہبی) نے کہا ہے،  
 (تذکرۃ الحفاظ ۲۹۰۱)

بخاری اور مسلم کے راویوں میں تمیں سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح حقد میں پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب الراوی شرح تقریب الراوی شرح النوای رولیۃ المبتدع مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور) میں حاکم سے نقل کیا گیا ہے کہ "کتاب مسلم ملان من الشیعة" مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ (مختصر از فتاویٰ رضویہ ج 5 ص 175 تا 176)

اعلیٰ حضرت علیہ السلام کا مسلک یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر علیہما السلام پر فضیلت دینے والا کافر نہیں لیکن مبتدع ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے اضطراری طور پر زیادہ محبت رکھنے والا نہ کافر ہے اور نہ ہی مبتدع۔ اختیاری محبت حضرت ابوبکر صدیق علیہ السلام سے ہی زیادہ ہو جیسے راقم نے "مجموع التحقیق" ص ۳۸۲ تا ۳۸۷ اور نجوم الفرقان میں بیان کر دیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جان فثاری و پروانہ واری:

(۱) حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

”یرحمک اللہ یا ابا بکر کنت الف رسول

اللہ ﷺ انسہ ومسترجمہ وثقته کنت

احوطهم علی رسول اللہ ﷺ صدقت

رسول اللہ ﷺ حمن کذبه العاس و

واسيته حمن بخلوا وقمت به عند المکاره

حمن عنه قعدوا وصحته فی الشدة“

(البحر الاذکار المعروف بسمند البرار مستد علی بن

ابی طالب حدیث ۹۲۲۸ مکتبہ العلوم والحکم

المدنیۃ الممورۃ ۱۳۸/۳)

فقد اخرج البخاری فی صحیحہ عن عروۃ

بن الزبیر قال سألت عن عبد اللہ بن عمر

رضی اللہ عنہ عنہما من اشد ما صنع

المشركون برسول اللہ ﷺ قال رایت

عقبہ بن ابی معیط جاء الی النبی ﷺ

وهو یصلی فوضع رداءه فی عنقه فخنقه به

حنقا شدیدا فجاء ابوبکر حتی دفعه عنہ

فقال اتعلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد

جاء کم“

(صحیح بخاری کتاب الفعائل باب قول النبی ﷺ

لو کنت معذرا خلیلا الحدیث)

(۳) العاکم عن انس بن مالک رضی

اللہ عنہ قال لقد ضربوا رسول اللہ ﷺ

اے ابوبکر! خدا آپ پر رحمت کرے آپ

رسول اللہ ﷺ کے دوست تھے اور ان کے

مونس و مرجع کار معتمد علیہ محافظت سرور عالم

ﷺ آپ کے برابر کوئی نہ تھا، آپ نے ان

کی تصدیق کی جب لوگوں نے جھٹلایا اور

غمنواری کی جب اور وہ نے بخل کیا،

مکروہات میں ان کی خدمت پر ہوئے جب

لوگ انہیں چھوڑ کر بیٹھ رہے اور مصیبتوں میں

ان کا ساتھ دیا۔

عروہ بن زبیر فرماتے ہیں: میں نے عبد اللہ

بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا، رسول اللہ ﷺ کو

مشرکین کی شدید تکلیف پہنچانے کے بارے

میں تو انہوں نے فرمایا: میں نے عقبہ بن ابی

معیط کو دیکھا کہ وہ آیا نبی کریم ﷺ کی طرف

اس حال میں کہ آپ نماز پڑھا رہے تھے۔ اس

نے اپنی چادر آپ گلے میں ڈال کر سخت دبایا

تو ابوبکر آگئے یہاں تک اسے آپ سے دور

ہٹایا تو فرمایا: کیا تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو

کہتا ہے میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ لایا ہے

تمہارے پاس کھلی نشانیاں اپنے رب سے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کفار نے ایک بار حضور کو یہاں تک ایذا دی

کہ غش آگیا ابوبکر نے کھڑے ہو کر ندا دی خرابی ہو تمہارے لئے کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ وہ کہتا ہے ”رب میرا اللہ ہے کافر آپس میں بولے یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ابو قحافہ کا بیٹا ہے و دیوانہ۔

(المستدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابة باب خلافة ابی بکر حدیث

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: صحابہ کرام نے ان سے پوچھا وہ کیا شدت تھی جو تم نے مشرکین کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی تو انہوں نے کہا مشرکین مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے وہ ذکر کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اس کا جو آپ ان کے خداؤں کا برا ذکر کرتے تھے وہ اسی حال میں تھے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے وہ سب آپ کی طرف (حملہ کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے۔ وہ آپ سے جو پوچھتے، آپ سچ سچ بتا رہے تھے۔ تو انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے معبودوں کو ایسا نہیں کہتے؟ ارشاد ہوا کیوں نہیں کفار نے اکہارگی حضور پر حملہ کیا فریادی ابوبکر کے پاس آیا کہ اپنے یار کی خبر لو یہ مسجد میں آئے اور حال ملاحظہ کیا فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے کیا مار ڈالتے ہو ایک مرد کو اس پر کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار

حتى غشي عليه فقام ابوبكر فجعل ينادي ويقول ويلكم اتقتلون رجلا ان يقول ربي الله قالوا من هذا قالوا هذا ابن ابي قحافة المجنون“

(المستدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابة باب خلافة ابی بکر حدیث ۲۴۲۴ جلد ۴ ص ۱۱۱ دار المعرفة بیروت )

(۳) ابو عمرو فی الاستیعاب عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما الہم قالوا لہا ما اشد ما رايت المشركين بلغوا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالت كان المشركون قعودا فی المسجد فنادوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما يقول فی آلتهم فبینا ہم كذلك اذ دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المسجد فقاموا الیہ وكان اذا سألوا عن شیء صدقہم فقالوا الست فی آلتنا کذا وکذا قال بلی فنشوا بہ باجمعہم فأتی الصریخ الی ابی بکر فقبل لہ ادرك صاحبك فخرج ابوبکر حتى دخل المسجد فوجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس مجتمعون علیہ فقال ويلكم اتقتلون رجلا ان يقول

رسى الله وقد جاءكم بالبينات من ربكم قالت فلهاوا عن رسول الله ﷺ واقبلوا على ابي بكر يرضونہ قالت فرجع اليها لا يمسن شيئاً من غنائره الا جاء معه وهو يقول تباركت يا ذا الجلال والاكرام

اللہ ہے حالانکہ وہ لایا ہے تمہارے پاس روشن نشانیاں اپنے رب سے مشرکین حضور کو چھوڑ کر انہیں مارنے لگے جب مکان کو واپس آئے شدت ضرب کا یہ حال تھا جد ہر ہاتھ لگایا لیٹیں ساتھ آگئیں تو وہ کہتے تھے برکت والا ہے تو اے ذوالجلال والا کرام۔

(مسند ابی یعلیٰ موصلی مسند ابی بکر الصدیق الحدیث ۴۸/۱۱۲۲ دار لکتب العلمیہ بیروت)

(۵) وروی عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال ما تنال رسول اللہ ﷺ بشيء كان اشد من ان طاف بالبيت ضحي فلقوه حين فرغ فاحذوا بمجامع رداه وقالوا انت الذي تنهانا عما كان يعبد آباؤنا قال انا ذاك فقال ابو بكر فالتزمه من ورائه ثم قال اتقتلون رجلا ان يقول ربي الله وقد جاءكم بالبينات من ربكم ان كاذبا فعليه كذبه وان يك صادقا يصببكم بعض الذي يعدكم ان الله لا يهدي من هو مسرف كذاب رافعا صوته بذلك وعينه تسيحان حتى ارسلوه

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو شدید تکلیف پہنچی وقت چاشت سید المرسلین ﷺ خانہ کعبہ کا طواف فرماتے تھے فارغ ہوئے تو کافروں نے چادر اقدس پکڑ کر کھینچی اور کہا: تم ہی ہو جو ہمیں ان چیزوں سے منع کرتے ہو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے تھے؟ فرمایا: میں ہی ہوں پس ابو بکر حضور کی پیٹھ کو چپٹ گئے اور کہا کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ وہ خدا کو اپنا رب بتائے اور وہ تو کھلی نشانیاں لایا ہے تمہارے پاس اپنے پروردگار سے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر جھوٹ اس کا اور جو سچا ہے تو تمہیں پہنچے گی بعض وہ چیز جس کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے بے شک خدا راہ نہیں دکھاتا فضول خرچ بڑے جھوٹے کو

تاریخ دمشق لابن عساکر ابو بکر صدیق دار الفکر بیروت ۵۳/۳۰

باواز بلندیہ کہتے جاتے تھے اور آنکھیں بہ رہی تھیں یہاں تک کہ کفار نے حضور کو چھوڑ دیا۔

مولیٰ علیؑ نے فرمایا: اے لوگو! مجھے بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے انہوں نے کہا: آپ سب سے بہادر ہیں، فرمایا: خبردار رہو! میں جس کے مقابلہ میں میدان میں آیا اس سے آدھا رہا لیکن مجھے بتاؤ سب آدمیوں سے زیادہ بہا ور کون ہے؟ بولے: نہیں معلوم، آپ بتائیے! فرمایا: ابوبکر۔ جب بدر کا دن تھا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کیلئے عریش تیار کیا (عریش سے مراد پاکی) تو ہم نے کہا: کون ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس رہے تاکہ مشرکوں میں سے کوئی ایک آپ کی طرف بڑھنے نہ پائے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ہم میں سے کسی نے وفانہ کی سوائے ابوبکر کے، وہ تلوار لے کر نبی کریم ﷺ کے سر پر موجود رہے، کوئی ایک بھی نبی کریم ﷺ کی طرف نہیں بڑھ سکتا تھا مگر پہلے وہ آپ پر ہی بڑھتا (حملہ کرتا) تو یہ سب سے بہادر ہوئے اور مولیٰ علیؑ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ قریش نے حضور ﷺ کو پکڑا تھا اور وہ کہتے جاتے تھے تم ہی ہو جو بہت خداؤں کو ایک خدا کر دیا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اللہ

(۳) واخرج البزار في مسنده عن علي رضي الله عنه انه قال اخبروني من اشجع قالوا انت قال اما اني ما بارزت احدا الا انتصفت منه ولكن اخبروني باشجع الناس قالوا لا نعلم فمن قال ابوبكر انه لما كان يوم بدر جعلنا لرسول الله ﷺ عريشا فقلنا من يكون مع رسول الله ﷺ لئلا هوى اليه احد من المشركين فوالله ما وفي منا احد الا ابوبكر شاهد بالسيف على راس رسول الله ﷺ لا يهوى اليه احد الا هوى اليه فهذا اشجع الناس قال علي ولقد رايت رسول الله ﷺ واعذب به قریش فهذا يجوء ههنا ويتلقاه وهم يقولون انت الذي جعلت الالهة الها واحدا قال فوالله ما وفي منا احد الا ابوبكر يضرب هذا و يجوء ههنا ويتلقاه وهو يقول ويلكم اتقلون رجلا ان يقول ربي الله ثم رفع علي برقة كانت عليه فهكى حتى اخطت اللحية ثم قال اؤمن آل فرعون عهرا ام ابوبكر فسكت القوم فقال الاتجسوني لوالله لساعة ابي بكر عهرا من مثل آل فرعون فلك رجل كتم ايمانه وهذا رجل

اعلن ايمانه

(البحر الذخار مسند علی بن ابی طالب حدیث  
۷۱ مکتبہ العلوم والحکم المدینہ المنورہ ۱۳/۳)

کی ہم سے کوئی آگے نہ بڑھا جب وہ رسول  
اللہ ﷺ کو ایذا پہنچا رہے تھے حضرت  
ابوبکر ہی آگے بڑھے جنہوں نے آپ  
کا دفاع کیا ان لوگوں نے انہیں بھی مارنا  
شروع کر دیا اور وہ یہی کہہ رہے تھے خرابی  
ہو تمہارے لئے کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد  
کو اس پر کہ وہ کہتا ہے رب میرا اللہ ہے پھر  
جناب مرتضوی چادر شریف منہ پر رکھ کر اس  
قدر روئے کہ ریش اقدس تر ہو گئی، پھر  
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آل فرعون  
کامومن بہتر ہے یا ابوبکر؟ لوگ خاموش  
رہے، آپ نے فرمایا: تم جواب کیوں نہیں  
دیتے؟ قسم ہے اللہ کی، ابوبکر کی یہ ایک  
گھڑی بہتر ہے آل فرعون کے مومن شخص کی  
تمام کوشش اس لئے کہ اس نے اپنا ایمان  
چھپایا ہوا تھا لیکن ابوبکر نے اپنا ایمان ظاہر  
کر رکھا تھا۔

فائدہ:

آل فرعون کے مومن سے مراد وہ شخص ہے جس نے اپنا ایمان چھپا رکھا  
تھا لیکن فرعون اور اس کے درباریوں کو یہ کہتا تھا کیا تم اس شخص کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا  
ہے میرا رب اللہ ہے۔



(۷) فی ریاض النضرة عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت لما اجتمع اصحاب رسول اللہ ﷺ وکانوا تسعة وثلاثین رجلاً ثم ابوبکر علی رسول اللہ ﷺ جالس وکان اول خطیب دعا الی اللہ عزوجل و الی رسولہ ﷺ وثار المشركون علی ابی بکر وعلی المسلمین فضربوهم فی نواحی المسجد ضرباً شديداً و وطنی ابوبکر و ضرب ضرباً شديداً و دنا منه الفاسق عتبة ربيعة فجعل يضربه بقلین مخصوفتین و یخرقهما بوجهه و اثر فلك حتى ما يعرف الفه من وجهه وجاءت بنو تمیم فدخلوا المسجد و قالوا و اللہ لعن مات ابوبکر لتقتلن عتبة ورجعوا الی ابی بکر فجعل ابوقحافة و بنو تمیم يتكلمون ابابکر حتى اجابهم فتكلم آخر النهار ما فعل رسول اللہ ﷺ فقالوا بالسنتهم و عدلوا ثم قاموا و قالوا لام الخیر بنت صخر انظری ان تطعمیه شینا او تسقيه ایاہ فلما حلت به و اتت جعل يقول ما فعل رسول اللہ ﷺ قالت و اللہ ما لى علم لصاحبك فقال انھى الی امر جمہل بنت الخطاب فاستلھا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اسیس کی تعداد میں ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بہت عاجزانہ طور پر چٹ کر (گڑ گڑا کر) رسول اللہ ﷺ سے اسلام کو ظاہر کرنے اور سب لوگوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے کے بارے میں سوال کیا، حضور نے فرمایا: اے ابوبکر! ابھی ہم تھوڑے ہیں لیکن ابوبکر گڑ گڑا کر سوال کرتے ہی رہے یہاں تک رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے، مسلمان بھی مسجد کے اطراف میں متفرق ہو گئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اور یہ پہلے خطیب تھے جنہوں نے خدا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف دعوت دی، کافر نہایت ضرب شدید سے پیش آئے پاؤں سے پامال کیا، عتبہ بن ربیعہ نے سخت بے ادبیاں کیں۔ چہرہ کی چوٹ سے ناک منہ پھپھانے نہ جاتے تھے۔ لوگوں کو ان کے مرنے میں کچھ شک نہ رہا، کپڑے میں لپیٹ کر گھر لائے، دن بھر بات منہ سے نہ نکلی، آخر نہار (دن) میں کلام کیا تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ ان کے باپ اور

عنه فخرجت حتى جاءت امر جميل  
 فقالت ان ابابكر ليسالك عن محمد ﷺ  
 بن عبد الله قالت ما اعرف ابابكر ولا  
 محمد ﷺ بن عبد الله وان تجيء ان  
 امضى معك الى ابيك فعلت قالت نعم  
 فمضت معها حتى وجدت ابابكر صريعا  
 دنفا فذنت من امر جميل واعلمت بالصباح  
 وقالت ان قوما نالوا من هذا لاهل الفسق  
 واني لارجو ان ينتقم الله لك قال ما فعل  
 رسول الله ﷺ قالت هذه امك تسمع قال  
 فلا عين عليك منها قالت سالم صحيح قال  
 فابن هو قالت في دار الارقم قال فان لله  
 على آلمته ان لا اتوق طعاما ولا شرابا او  
 آتى رسول ﷺ فامهلنا حتى اذا هذات  
 الرجل و سكن الناس عرجتها به يعكف  
 عليهما حتى ادخلناه على النبي ﷺ قالت  
 فانكب عليه فقبله وانكب عليه المسلمون  
 ورق له رسول الله ﷺ رقة شديدة فقال  
 ابوبكر باهي انت وامى ليس في ما قال  
 الفاسق من وجهى هذه امى برة بوالديها  
 وانت مبارك فادعها الى الله تعالى وادع الله  
 عزوجل لها عسى ان يستغذها بك من

اقارب ملامت کرنے لگے اور برا بھلا کہا،  
 یعنی اپنا تو یہ حال ہے اور اس وقت بھی انھیں  
 کا خیال ہے، ان کی ماں سے کہا: ان کو کچھ  
 کھلاؤ پلاؤ، انہوں نے تنہائی میں نہایت  
 الحاح کیا (بہت زاری کی) آپ نے یہی  
 جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے  
 ؟ ماں نے کہا: خدا کی قسم مجھے تمہارے یار کا  
 حال معلوم نہیں۔ فرمایا: ام جمیل بنت خطاب  
 کے پاس جا کر پوچھو ام الخیر (حضرت  
 ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ) ام جمیل کے پاس گئیں  
 اور ان سے کہا: ابوبکر تم سے محمد ﷺ بن عبد  
 اللہ کا حال پوچھتا ہے، انہوں نے برا و احتیاط  
 چھپایا اور کہا نہ میں ابوبکر کا پچھانوں نہ محمد ﷺ  
 بن عبد اللہ کو۔ ہاں! اگر تم چاہو کہ میں  
 تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں  
 تو میں ایسا کروں۔ ام الخیر نے کہا: ہاں! ام  
 جمیل آئیں۔ صدیق اکبر کو دیکھا، پڑے  
 ہوئے ہیں، ام جمیل نے نزدیک جا کر آواز  
 بلند کی اور کہا: یہ لوگ تم سے اس طرح پیش  
 آئے، اہل فسق ہیں، مجھے امید ہے کہ خدا  
 تمہارا بدلہ اس سے لے، انکا تو وہی کلام تھا  
 کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ ام جمیل

قدعالمها رسول الله ﷺ فاسلمت فاقاموا  
مع رسول الله ﷺ شهرا وهم تسعة و  
ثلاثون رجلا وكان اسلام حمزة يوم  
ضرب ابوبكر

(الرياض الخضراء في مناقب الحرة الباب  
الاول الجزء ٥ ص ٥٥ دار الكتب العلمية بيروت)  
نے کہا: تمہاری ماں سن رہی ہیں، وہ (ان کی  
ماں) اس وقت تک ایمان نہ لائی تھیں خوف  
ہو امبادا (ایسا نہ ہو کہ) مشہور کر  
دیں۔ صدیق اکبر نے فرمایا: ان کی طرف  
سے کچھ خیال نہ کرو، کہا: صحیح و سالم ہیں۔ کہا  
: کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ کہا: دار الارقم  
میں (آپ نے کہا: میں نے قسم کھائی ہے

جب تک حضور کو نہ دیکھ لوں گا کچھ نہ کھاؤں گا۔ بالآخر جب رات کو سب سو رہے تھے چل (پہل  
چل) موقوف ہوئی، اپنی والدہ اور ام الجہیل پر تکیہ لگا کر محبوب کی خدمت میں حاضر ہوئے  
۔ دیکھتے ہی پروانہ پروار شمع رسالت پر گر پڑے اور بوسہ دینے لگے اور صحابہ بے تاب ہو کر ان  
پر گر پڑے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کیلئے نہایت رقت فرمائی۔ ابوبکر نے عرض کیا: میرے  
باپ حضور پر قربان! میرے ساتھ جو کیا مجھے اس کا کوئی غم نہیں یعنی جب حضور کو سلامت پایا تو  
اپنے مصائب کی فکر کیا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه۔

(یہ حدیث انجم الاوسط میں ج ٥ ص ٢٤٣ میں بھی ہے رقم ٤٠٦)

(٨) عن حلبة بن محسن قال قلت لعمر  
بن الخطاب انت خير من ابى بكر فهكى و  
قال والله من ابى بكر فهكى وقال والله  
ليلته ويومه خير من عمر هل لك ان  
احديثك عن ليلته ويومه قال قلت نعم يا  
ابى بكر المؤمن قال اما ليلته فلما خرج  
رسول الله ﷺ هاربا من اهل مكة خرج  
ليلة فبعه ابوبكر فجعل يمشى مرة امامه

حلبہ بن محسن فرماتے ہیں: میں نے حضرت  
عمر بن الخطاب سے عرض کیا آپ ابوبکر سے  
بہتر ہیں تو آپ روئے اور ارشاد فرمایا: قسم  
ہے اللہ تعالیٰ کی ابوبکر کی ایک رات اور ایک  
دن عمر کی ساری زندگی سے بہتر ہیں لیکن  
رات جب شب ہجرت سرور عالم ﷺ کفار  
سے پوشیدہ شب کو برآمد ہوئے (باہر تشریف  
لے گئے) ابوبکر ہمراہ تھے، کبھی حضور ﷺ

و مرة خلفه و مرة عن يمينه و مرة عن يساره فقال له رسول الله ﷺ ما هذا يا ابا بكر من فعلك؟ قال يا رسول الله اذكر الرصد فاكون امامك و اذكر الطلب فاكون خلفك و مرة عن يمينك و مرة عن يسارك لا امن عليك قال فمشى رسول الله ﷺ ليلة على اطراف اصابعه حتى حفت رجلاه فلما راها ابو بكر رضی اللہ عنہ انھا قد حفت حملاه على كاهله جعل يشتمه به حتى اتى به فم الغار فانزله ثم قال والذي بعثك بالحق لا تدخله حتى ادخله فان كان فيه شيء نزل به قبلك فدخل فلم ير شيئا فحملاه فادخله و كان في الغار فرق فيه حيات و افاعي فخشى ابو بكر ان يخرج منه شيء فيؤذي رسول الله ﷺ فالتصم قدمه فجعلن يضربنه و تصمته الحيات و الافاعي و جعلت دموعه تنحدر رسول الله ﷺ يقول له يا ابا بكر لا تحزن ان الله معنا فانزل الله سكرة الاطمانية لابي بكر فهذه ليلة الحديث

تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر الرقم ۱۳۳۹۸  
یوکر الصدیق دار الفکر بیروت ۸۰/۳۰

کے آگے چلتے، کبھی پیچھے، کبھی دائیں، کبھی بائیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو بکر! یہ کیا کرتے ہو؟ عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! جب یہ خیال آتا ہے مبادا کوئی کین گاہ میں بیٹھا ہو تو حضور کے آگے چلتا ہوں جب یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید لوگ پیچھے آتے ہوں تو پس پشت اور کبھی داہنے کبھی بائیں۔ کافروں کی جانب سے مجھے حضور پر اطمینان نہیں پس شب بھر رسول اللہ ﷺ پنچوں کے بل راہ چلے یعنی کہ تا نشان قدم سے سراغ نہ لگے یہاں تک کہ پائے اقدس ورم کر گئے جب صدیق اکبر نے یہ کیفیت دیکھی حضور کو اپنے کندھوں پر سوار کر کے دوڑے یہاں تک کہ غار ٹوٹک لائے، پھر حضور کو اتار کر عرض کیا اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا حضور غار میں تشریف نہ لے جائیں جب تک میں نہ جاؤں کہ اگر اس میں کوئی چیز ہو تو پہلے میری ہی جان پر آئے، جب غار میں گئے وہاں کچھ نہ دیکھا۔ حضور کو اٹھا کر اندر لے گئے اور غار میں سوار خ تھا جس میں سانپ اور اڑدھے تھے ولد اودہ جانان (حضرت ابو بکر محبت مصطفیٰ کریم ﷺ)

کو خوف ہوا مبادا اس میں کوئی چیز نکل کر محبوب کو ایذا پہنچائے اپنا پاؤں سوراخ میں رکھ دیا اور سید المرسلین علیہم السلام نے ان کی گود میں سر رکھ کر آرام فرمایا۔ ادھر سانپوں اور اژدھوں نے کاٹنا اور سر مارنا شروع کیا۔ صدیق اکبر نے اس خیال سے کہ جان جائے مگر محبوب کی نیند میں خلل نہ آئے، مطلق حرکت نہ کی یہاں تک کہ آنسو ان کے شبنم وار گلستانِ اصطفاء علیہم السلام کے چہرہ اقدس پر پڑے۔ حضور کی آنکھ کھل گئی، ارشاد ہوا: اے ابوبکر! کیا ہے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، مجھے سانپ نے کاٹا۔ حضور نے لعابِ دہن اقدس لگا دیا تکلیف زائل ہو گئی آخر عمر میں اسکا اثر لوٹ آیا اور سبب شہادت ہوا۔

عن انس بن مالك قال لما كانت ليلة الفار قال ابوبكر يا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دعني فلا دخل قبلك فان كانت حية او شاة كانت بي قبلك قال ادخل فدخل ابوبكر فجعل يلمس بيديه فكلما رأى جحرا قال بثوبه فشقه ثم القه الحجر حتى فعل ذلك بثوبه اجمع وبقى جحرا فوضع عليه عقبه وقال ادخل فلما اصبم قال له النبي صلی اللہ علیہ وسلم فابن ثوبك يا ابوبكر فاعبره بالذي صنع فرفع النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال اللهم اجعل ابوبكر معي في درجاتي يوم القيامة فوحى الله اليه ان استجاب الله لك۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے شبِ غار صدیق اکبر نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مجھے جانے دیجئے کہ اگر سانپ یا کوئی اور چیز ہو تو پہلے مجھے پہنچے، فرمایا: جاؤ! پس گئے اور بسبب تاریکی غار اپنے ہاتھوں سے تلاش کرنے لگے جہاں کہیں سوراخ پایا اپنے کپڑے پھاڑ کر اس میں رکھ دیئے یہاں تک کہ کپڑے سوراخوں میں بھر دیئے (سوائے ستر عورت کے) ایک سوراخ باقی رہ گیا اس پر ایڑی رکھ دی اور حضور سے عرض کیا: تشریف لائیے، پس جب صبح ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کپڑے تمہارے کہاں ہیں اے ابوبکر؟ انہوں نے جو کیا تھا سب اقدس تک پہنچا یا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعاء کی:

(حلیۃ الاولیاء ذکر الصحابۃ من المهاجرین ذکرا بی بکر الصدیق حدیث دار لکتب العلمیۃ بیروت ۲۷/۱۰)

الہی! ابوبکر کو قیامت کے دن میرے جنت کے درجے میں میرے ساتھ کر۔ حضور کو وحی آئی کہ اللہ نے آپ کی دعا قبول کی۔

(۱۰) مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

”ان الله فخر الناس كله و مدح ابا بكر يعني الله جل جلاله نے سب لوگوں کی خدمت فقال لا تنصروه فقد نصره الله الایة“ فرمائی اور ابوبکر کی مدح و ستائش کہ فرمایا (تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر ابوبکر صدیق ہے ”لا تنصروه الایة“ اگر تم رسول کی مدد حدیث ۳۳۹۸ دار الفکر بیروت ۲۹۱/۳۰) نہ کرو گے تو اللہ نے اس کی مدد کی۔

(ماخوذ از مطلع القمرین تصنیف اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ از ص 241 تا ص 260 بحذف)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ارشاد مذکورہ بالا دس احادیث سے پہلے نتیجہ کی حیثیت رکھتا ہے:

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے حکمت کاملہ کے مطابق صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو دین متین کی تائید و اعانت اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نصرت و حمایت کیلئے پیدا کیا اور جنہیں زیارت فضل عطاء کرنا منظور ہوا ان سے وہ کارہائے خطیر لئے کہ غیر سے نہ بن پڑے۔ کسی کو سیاست بلا و اور تدبیر جہاد میں ورعایت رعایا میں کمال سلیقہ بخشا اور ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک کفر سے صاف اور دین میں معمور کر دیا جس کی حمایت سے رعیت نے آرام پایا، یہ ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

کسی کو جیش العسراء (غزوہ تبوک کے لشکر) کی تیاری، اور پیر رومہ کے وقف اور مسجد نبوی کی وسعت کیلئے جگہ لے کر ملانے اور فقراء کی خبر گیری عطاء فرمائی، اسکے صلہ میں عظیم تحفہ سے نوازا، یعنی ”ما علی عثمان ما فعل بعد هذا“ عثمان اسکے بعد جو کام کریں ان کو کوئی نقصان نہیں یہ انعام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملا۔

اور کسی کو نیزہ سے جہاد میں کمال بخشا کہ ضدی اور بڑے کفار کو قتل کیا، خیبر

کے دروازہ کو ڈھال بنایا "اسد اللہ الغالب" لقب پایا اور قضاء (فیصلوں) میں کامل دسترس عطاء فرمائی "اقضاهم علی" (سب سے بہتر فیصل علی ہیں) کا تمغہ ملا، یہ ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

اور کسی کو مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرانے کا منصب عطاء ہوا ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کو ضائع ہونے سے بچا کر سیادت کا کمال ملا یہ ہیں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شریف ترین کارہا یعنی سید اکھو بین رضی اللہ عنہم پر جانثاری اور حضور رضی اللہ عنہم کی شمع جمال پر پروانہ داری سے مخصوص فرمایا کہ لوگوں کے اعمال ہزار سالہ انگی خدمت یک ساعت کو نہیں پہنچتے۔ یہاں تک کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابو بکر کا ایک دن رات عمر کی عمر سے بہتر ہے۔

شب (رات) سے مراد غار ثور کی رات، اور دن سے مراد عرب کے مرتد ہونے اور ان سے مقابلہ کرنے کا دن ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جان ثناری کو دس احادیث سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا اور آسان الفاظ سے بدل کر راقم نے پیش کیا۔ (ماخوذ از مطلع القمرین بالاختصار ص ۲۳۰، ۲۳۱)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا ارشاد دیکھئے:

تفضیلیہ کا حدیث "علی خیر البشر" (علی سب انسانوں سے افضل ہیں) اور حدیث طیر اور غزوة تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر فرمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر و اسی (کنزور) (راویان ثقہ کے مقابل راویان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انھیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہر بد مذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راجحت نہیں۔

فتاویٰ کی عربی عبارت (جس کا ترجمہ پیش کیا) بھی دیکھتے چلے جائیں۔

استمساک المفضلة بحديث علي غير البشر وحديث الطير وحديث استخلاف في غزوة  
التبوك وما ضاهاها فمناها كذب مختلق ومنها منكر واها ومنها ما لا يفيدهم شيئا  
وكذلك مضت سنة الله في كل مبتدع يبتدع ولا حجة ويحتج به حيث لا محجة

(فتاویٰ رضویہ، ج ۲۸ ص ۵۲۷)

جس حدیث کو آپ نے کذب من گھرت قرار دیا وہ ”علی خیر البشر“ ہے، اگر  
بالفرض اسکی صحت ثابت ہو جائے تو اسکا جواب پہلے دیا چکا ہے اور جس کے متعلق آپ  
نے فرمایا کہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود تفصیلیوں کو فائدہ نہ دیتی، وہ ہے غزوة تبوک  
کے زمانہ میں آپ کو خلیفہ بنانا، اس کی مختصر وضاحت راقم نے نجوم التحقیق میں اور تفصیل  
انوار التحقیق میں ذکر کر دی ہے۔

ومما تشبت به الروافض في تقديمهم عليا علي ابى بكر، جس  
حدیث سے رافضیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی ہے۔  
(اس حدیث کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ضعیف بیان کیا ہے) وہ ہے حدیث طیر۔ آئیے!  
حدیث طیر کیا ہے اور اسکے متعلق کیا بیان کیا گیا ہے؟ وہ حدیث طیر یہ ہے:

انه صلى الله عليه وسلم اتى بطير مشوى فقال اللهم اتنى باحب خلقك اليك يا كل  
معنى من هذا الطير فاتاه على رضى الله  
عنه،  
بیشک بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھونا ہوا پرندہ  
لایا گیا، تو آپ نے کہا: اے اللہ میرے  
پاس وہ شخص لا جو تجھے اپنی مخلوق سے زیادہ  
محبوب (پسند) ہو جو میرے ساتھ یہ پرندہ  
کھائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آگئے۔

اس حدیث پر یوں بیان کیا گیا:

وهذا الحديث ذكره ابن الجوزي في  
الموضوعات وافرده الحافظ الذهبي جزأ  
في حديث ابن جوزي في موضوعات  
میں ذکر کی ہے اور حافظ ذہبی نے علیحدہ جزء میں ذکر



کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند کے سب طریقے باطل ہیں۔ اسلئے اہل علم نے حاکم پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو مستدرک میں کیوں ذکر کیا ہے۔

اہل سنت کی دلیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت حدیث صحیح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر کو تم پر زیادہ روزوں اور نمازوں کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں لیکن ایک چیز ان کے سینے میں ہے جس کی وجہ سے ان کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ صریح نص ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور بخاری کی حدیث کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم کہتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر و افضل ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر عثمان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر انکار نہیں فرماتے تھے۔

وقال ان طرقه كلها باطلة واعترض الناس على الحاكم حيث ادخله في المستدرک

ودليل اهل السنة في تفضيل ابي بكر عن علي الحديث الصحيح ما فضلكم ابوبكر بكثرة صوم ولا صلوة ولكن بشيء وقر في صلوة وهو نص صريح في انه افضلهم وفي البخاري عن ابن عمر قال كنا نقول غير الناس بعد النبي صلی اللہ علیہ وسلم ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ولا ينكر ذلك علينا،

(الواقیت والجواہر ص 437)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قا قول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ کی توفیق سے) ہر مسلمان ہر عاقل کو جس طرح وجوب وجود توحید الہی کا اذعان تام (کامل یقین) حاصل ہے ویسا ہی اس امر پر یقین کامل ہے کہ کارخانہ تقدیر ازلی ایک بڑے حکیم جلیل الحکمتہ کی صنعت ہے جس کے سراپردہ اتقان و متانت کے گرد فضول و لالیعی کو ہرگز بار نہیں، جو کام کرتے ہیں میں حکمت ہوتا ہے اور جو تقدیر فرماتے ہیں سراپا مصلحت (صنع اللہ الذی اتقن

کل شیء پ ۲۰ سورۃ نمل آیہ نمبر ۸۸ (ترجمہ) یہ کام ہے اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز (کنز الایمان) مالک مختار ہیں مگر کبھی تفصیل مفضول، ترجیح مرجوح روا نہیں رکھتے اور جس کام کی غایت اصلاح منظور ہوتی ہے ہرگز غیر الیق کے ہاتھ میں نہیں دیتے۔

### آسان مختصر مطلب:

ہر مسلمان عقلمند یقین سے جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، وہ خود موجود ہے اسے کسی نے موجود نہیں کیا۔ اسی طرح ہر مسلمان کو اس پر یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے بڑی حکمت کا مالک، اس کا ہر کام حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

وہ کوئی فضول اور بے مقصد کام نہیں کرتا اس کے ہر کام میں بہتری پائی جاتی ہے اس کا اپنا اور ارشاد اس پر دلالت کر رہا ہے یہ کام اللہ کا جس نے حکمت سے بنائی ہر چیز وہ مالک و مختار ہے لیکن اختیار کے باوجود وہ کبھی غیر افضل کو افضل نہیں بناتا اور نہ ہی مرجوح (غیر راجح) کو راجح بناتا ہے جس کام کی بہت اصلاح منظور ہوتی ہے اس کے جو لائق ہو اسی کے ہاتھ میں وہ کام دیتا ہے۔

ہاں! اگر اللہ تعالیٰ کسی ملک کو خراب اور تباہ ویراں بنا دے اس پر شریر اور مفسد لوگ مقرر کر دیتا ہے جیسے یزید پلید اور جابر مروانی لوگوں کو تباہی کیلئے مقرر فرمایا۔ کفار کے قول کی رب تعالیٰ نے حکایت بیان فرمائی "حتی نوتی مثل ما اوتی رسل اللہ" جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ ملے جیسا اللہ کے رسولوں کو ملا تو رب تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ حدیث شریف میں ہے "یاہی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر" اللہ تعالیٰ اور مومنین ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سوا کونساں فرماتے ہیں۔

(المصدر: علی المحسن للحاکم حدیث ۶۰۱۶ دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۰۱)

امیر المؤمنین حضرت علیؑ فرماتے ہیں "ان بعلم اللہ فیکم خیرا یولّ علیکم خیار کم" اللہ تعالیٰ تم میں خیر جانتا ہے لہذا تم میں سے بہتر کو خلیفہ بنائے گا۔ (المصدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابة باب ذکر خلافة النبوة ثلاثون سنة حدیث ۴۷۵۲ دار المعرفۃ بیروت ۱۲۳/۳)

آیات و احادیث سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو منصب جلیل عطاء فرمایا، اس کے صرف آپ ہی حقدار تھے، وہ منصب کسی اور کو عطاء کرنا رب تعالیٰ کی حکمت کے خلاف تھا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بنانے میں بھی مصلحت و حکمت پائی گئی۔ یہاں تک تو راقم نے اعلیٰ حضرت مدینہ کے الفاظ کو عوام کیلئے آسان صورت میں اختصار طور پر پیش کیا۔ آگے آپ کے اپنے الفاظ کو ہی اہل علم دیکھ کر آپ کی فصاحت و بلاغت کا بھی اندازہ لگائیں۔

اب وجدان سلیم کی طرف مراجعت ضرور ہے کہ ایسے کام کی لیاقت میں کیا

درکار ہیں:

(۱) اولاً محبت ناصر کے صفات و اخلاق نفسانیہ محبوب منصور کے عادات و اوصاف سے فائیت تشہ و مماثلت بلکہ کمال اتحاد و یک رنگی پر واقع ہوں اس کی رضاء ہو اور جو اسے ناپسند ہو اسے مکروہ تاکہ محبوب اس سے مانوس و مالوف ہو اور وابستگی تام پیدا کرے اور یہ بوجہ اسی اتحاد و یک جہتی کے ہر کام میں اس کی مرضی کے مطابق چلے ورنہ مخالف مزاج سبیل تنافر سے بنیان تناصر کو ازہم رختہ کر دیتا ہے۔

(۲) ثانیاً: محبوب کو اس پر وثوق و اعتماد تام حاصل ہو اور سب کاموں میں اسے اپنا مرجع بنائے پردہ تکلیف درمیان سے بالکل اٹھ جائے ورنہ ایک ہاتھ سے تالی بہما معلوم (کہ نہیں بھتی)

(۳) حالاً آتش محبت سیدہ محبت میں اس درجہ مشتعل ہو کہ ماوراء اس کا نسیا منسیا اور اس کی ادنیٰ تکلیف پر اپنی جان دے دینا بطوع و رغبت گوارا ہو ورنہ جان فحاری سے معذور ہے او آکہ حفظ الہ ہونا بہت دور۔

(۴) رابعاً: اسے صبر تام عطاء فرمائیں کہ احوال و شدائد اس کے زمام استقلال کو ہاتھ سے نہ لے جائیں۔

(۵) خامساً: شجاعت و ہمت و جرأت و سخاوت الی غیر ذلک من الامور التی لا یحکم علی بللیب“ (اس کے علاوہ اور چیزیں جو عقلمند پر مخفی نہیں) پس بالیقین ثابت ہو گیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپر ہونے کے لئے سب سے زیادہ لائق تھے اور حضور کی نمکساری و رازداری و اخلاق نفسانیہ میں عادات کریمہ سے یک رنگی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہاء درجہ کی شیفتگی میں کوئی ان کا مماثل نہ تھا اور جو انس و میلان حضور کو ان سے تھا کسی سے نہ تھا اور جو اطمینان و وثوق ان پر تھا کسی پر نہ تھا۔ یا لیت شعری (کاش مجھے علم ہوتا یا کاش میرے جیسا علم کسی کو حاصل ہوتا) کیا ایسا شخص افضل امت اور قرب الہی میں سب پر فائق اور جنات عدن میں سب کا سردار نہ ہو گا یا جو لوگ تفصیل صدیق میں مراتب اور اذعان حق سے مراتب ہیں مضامین اس کے فصل کے غیر صدیق کیلئے بھی ثابت کر دکھائیں گے؟ ”وان ذلک لا یتسانی لہم بحمد اللہ هذا ما الہمنی ربی ان ربی للو فضل عظیم“ اور مجھ اللہ وہ ایسے مضامین نہیں لاسکیں گے یہ میرے رب نے مجھ پر ظاہر کیا ہے بے شک میرا رب عظیم فضل والا ہے۔ کلام طویل ہے اور فرصت قلیل و قصیر اور مزاج سامعان کے نازد امن گیر ورنہ ہم اس دلیل کو چند تقریبات میں بیان کرتے ”وفیما ذکرنا کفایۃ لا ولی النہی“ جو ہم نے ذکر کیا عقل والوں

کیلئے کافی ہے۔ (ماخوذ از مطلع القمرین ص ۲۶۱ تا ص ۲۶۶)  
 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت کی چھ وجوہ:

پہلی مشابہت:

اعلیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو رائے شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی وہی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی ہوتی اور جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آتی وہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی آتی ہے نمونہ از چمن ملاحظہ کیجئے:

صلح حدیبیہ میں جب چند شرائط پر عمرہ کرنے کے بغیر واپس ہونا قرار پایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت ناگوار گذرا:

”عمر بن الخطاب فی قصة صلح الحديبية  
 قال عمر بن الخطاب فانت النبي صلی اللہ علیہ وسلم  
 قلت انت نبی لله حقا قال ہلی قلت السنا  
 علی الحق وعدونا علی الباطل؟ قال ہلی  
 قلت فلم تعطی الدنیا فی دیننا انا قال انی  
 رسول اللہ ولست اعصیہ وهو ناصری قلت  
 اولیس کنت تحدثننا اننا سنأتی البیت  
 فنعطوف بہ؟ قال ہلی افا عیرتک اننا نآتیہ  
 العاصم؟ قلت لا قال فانک آتیہ ومعطوف بہ  
 قال فانیت ابا بکر فقلت یا ابا بکر اہس  
 هذا نبی اللہ حقا؟ قال ہلی قلت السنا علی  
 الحق وعدونا علی الباطل قال ہلی قلت  
 فلم تعطی الدنیا فی دیننا انا قال یا ابا

حضرت عمر بن الخطاب فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کیا حضور خدا کے سچے نبی نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: تو جب یہ حال تو ہم اپنے دین میں ذلت کیوں آنے دیں۔ ارشاد ہوا: بے شک میں خدا کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتا اور وہ میری مدد کرنے والا ہے عرض کیا: کیا ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم خانہ کعبہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ سو (تو) میں نے تجھے یہ خبر دی تھی کہ ہم اسی سال کو پہنچیں گے۔ عرض

الرجل انه رسول الله ولمس بعضي ربه وهو ناصره فاستمسك بفرزه فوالله انه على الحق المس كان تحدثنا انا سنانى البهت فنطوف به قال بلى افاعبرك انك تاتيه العام قلت لا قال فلك آتبه ومطوف به

الرجل انه رسول الله ولمس بعضي ربه وهو ناصره فاستمسك بفرزه فوالله انه على الحق المس كان تحدثنا انا سنانى البهت فنطوف به قال بلى افاعبرك انك تاتيه العام قلت لا قال فلك آتبه ومطوف به

(صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد حدیث ۳۲ / ۲۷۳۱ دار الفکر بیروت ص ۶۶۵)

کیا: نہ فرمایا، تو تو کعبہ پہنچے گا اور اس کا طواف کرے گا یعنی فاروق نے عرض کیا حضور نے ہمیں یہ مژدہ دیا تھا اب ہم واپس جاتے ہیں حضور نے فرمایا: خاص اس سال کا نام کب لیا تھا، وعدہ بیشک سچا ہے اور جو ہم نے کہا وہ ہونے والا ہے، اگرچہ اس سال نہ ہو عرض ان کے دل کو چین نہ آیا۔ صدیق کے پاس گئے شاید ان کی رائے میری رائے کی موافقت کرے اور وہ حضور میں عرض کریں اور ان کی بات سنی جائے۔ پس کہا: اے

ابوبکر! کیا یہ سچے نبی نہیں ہیں خدا کے؟ فرمایا کیوں نہیں۔ عرض کیا: کیا ہم حق اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ کہا: جب یہ حال ہے تو ہم اپنے دین میں محنت (حقارت) کو کیوں جگہ دیں؟ فرمایا: اے شخص بے شک وہ خدا کے رسول ہیں اور اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ ان کی مدد کرنے والا ہے تو ان کے رکاب تھامے رہ کہ خدا کی قسم وہ حق پر ہیں۔ کہا: کیا ہم سے انہوں نے نہ کہا تھا کہ ہم کعبہ پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ سو (تو) کیا تمہیں یہ خبر دی تھی کہ اسی سال پہنچیں گے۔ عرض کیا نہ فرمایا تو تو کعبہ پہنچے اور اس کا طواف کرے گا۔

عزیزا!!! دیکھا ہم رنگی صدیق کو کہ ہر سوال کا حرفاً حرفاً بچتہ وہی جواب ان کی زبان سے نکلا جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور جب سلطان جوارج قلب ہے تو ہم زبانی بے یکدلی کے کب متصور۔

مشابہت نمبر ۲:

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اول روز سے کفر و کافرین کی مجالس سے محترز و خلوت پسند و

عزت پسند تھے (یعنی کفار کی مجالس سے دور رہتے تھے) صدیق اکبر کو بھی تمام جہان میں کسی کی صحبت پسند نہ آئی اور حکم حدیث صحیحین "الارواح جنود مجنونة فما تعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف" (روحیں لشکر کے لشکر ہیں جن میں وہاں تعارف ہوا ان میں یہاں الفت ہے اور جن میں وہاں پہچان نہ ہوئی یہاں ان میں اختلاف ہوا۔) صحیح بخاری ج ۲ کتاب احادیث انبیاء باب الارواح جنود مجنونة

اٹھارہ برس کی عمر سے سید العالمین علیہ السلام کی ملازمت اختیار کی، سفر و حضر میں ہمراہ رکاب رسالت مآب رہتے۔ یہاں تک کہ حضور والا مبعوث ہوئے (اعلان نبوت فرمایا) پھر تو جن امور کو اپنی قوت فراست سے ادراک کر کے رفاقت والا (حضور کی رفاقت) اختیار کی تھی اب عین الیقین ہو گئے اس رابطہ اتحاد نے اور ہی استحکام پایا جس کی گرہ قیامت تک نہ کھلے گی۔

مشابہت نمبر ۳:

بتوں اور بت پرستوں سے تمام انبیاء کرام کو کامل نفرت تھی۔ کبھی کسی نبی نے بچپن میں بھی بتوں کی تعظیم نہ کی۔ حضور والا نے پیدا ہوتے ہی واحد ذوالجلال کو سجدہ کیا اور توحید الہی کی علی الاعلان گواہی دی۔ صدیق کو دیکھ کہ اس فضل سے کیسا بہرہ دانی (کامل حصہ) پایا اور صغیر سن (بچپن) میں بتوں کی عاجزی اور محض بے دست و پاکی ان کی عدم الوہیت پر استدلال اور بت شکنی کر کے شان ابراہیم کا خلف دکھایا (یعنی صدیق اکبر نے بچپن میں ہی بتوں کو عاجز اور بے ہمت جان کر اس پر دلیل پکڑی کہ یہ خدا نہیں ہو سکتے ان کو توڑ کر ابراہیم علیہ السلام کی سنت پر عمل کر دکھایا گویا کہ آپ ان کے خلیفہ ہیں)

بعد ذکر امام احمد بن الخطیب ایک بار مہاجرین و انصار دربارہٴ زہار سید القسطلانی فی ارشاد الساری شرح صحیحہ الامیر طیبہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر تھے کہ البخاری قال قال ابن ظفر فی انباء نبیاء صدیق نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ

الانبياء ان العاضى ابا حسن احمد بن  
 محمد الزبيدى روى باسناده فى كتابه  
 المسمى المعالى الفرش الى غوالى العرش  
 ان ابا هريرة رضى الله عنه قال اجمع  
 المهاجرون والانصار عند رسول الله ﷺ  
 فقال ابو بكر رضى الله عنه وعيشك يا  
 رسول الله ﷺ انى لم اسجد لصنم قط  
 فغضب عمر الخطاب رضى الله عنه وقال  
 تقول وعيشك رسول الله انى لم اسجد  
 لصنم قط وقد كنت فى الجاهلية كذا او  
 كذا۔

صدیق اکبر نے فرمایا: (میرے باپ) ابو قحافہ میرا ہاتھ پکڑا کر ایک بت خانہ  
 میں لے گئے اور مجھ سے کہا: یہ تیرے بلند و بالا خدا ہیں، انہیں سجدہ کر۔ اور وہ مجھے چھوڑ  
 کر چلے گئے میں صنم (بت) کے پاس گیا اور اس سے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے!  
 اس نے کچھ جواب نہ دیا، پھر کہا: میں ننگا ہوں مجھے کپڑا دے! اس نے کچھ جواب نہ دیا  
 تو میں نے ایک (پتھر کی) سل اٹھائی اور اس سے کہا: تیرے (تجھے) یہ سل مارتا ہوں،  
 اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچالے! اس نے جب کچھ جواب نہ دیا تو میں نے پتھر سے ما  
 رو دیا وہ منہ کے بل گر پڑا اور میرے باپ آئے کہا: اے میرے بیٹے! یہ کیا کیا؟ میں نے  
 کہا: وہی جو تم دیکھتے ہو پس وہ مجھے میری ماں کے پاس لے گئے اور ان سے حال بیان  
 کیا ماں نے کہا اسے دروزہ (پیدائش کا درد) تھا میرے پاس کوئی نہ تھا کہ ایک ہاتھ  
 کو میں نے پکارتے سنا اے خدا کی سچی بندی تجھے آزاد بنے کا مژدہ ہو، نام اس



کا آسمان میں صدیق ہے محمد ﷺ کا یا رورفتی ہے۔

حدیث میں ہے جب صدیق اکبر اپنا یہ قصہ بیان کر چکے جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ابو بکر صیح کہتے ہیں تین بار صدیق کی تصدیق کی۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۲ ص ۷۸ کتاب المناقب باب مناقب ابی بکر)

وقال تعالیٰ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (اور خصوصی طور پر ایمان والوں کیلئے رحمت ہیں، اسی طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ارحم امت ہیں) سب سے زیادہ امت پر رحم کرنے والے ہیں) یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد امت مرحومہ پر کوئی ایسا مہربان نہیں۔

قال مطہر فی الحدیث المشہور ارحم رسول اللہ ﷺ کا ارشاد، حدیث مشہور: میری امت میں سے میری امت پر سب سے (سنن الترمذی کتاب المناقب باب مناقب زیادہ رحم کرنے والا ابو بکر ہے۔ معاذ بن جبل)

اور بعض روایات میں از آفت امتی ہے یعنی حضور نے فرمایا میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ بڑا مہربان ابو بکر ہے ہے اور رافت رحمت سے زیادہ ہے۔

مشابہت نمبر ۴:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے سید المرسلین ﷺ کو جامع فضائل کیا، کوئی خوبی و کمال اگلے انبیاء کو نہ ملا کہ اس کی مثل یا اس سے امثل (افضل) حضور کو عطاء نہ ہوا۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں اور قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب میں اور بھی مصنفین نے اپنی اپنی کتب میں جیسے کبیر میں "فبہداهم اقتدہ" کے تحت یہی بیان فرمایا کہ سب انبیاء کرام کے مجموعی فضائل نبی کریم ﷺ کو حاصل ہیں۔

اسی طرح صدیق اکبر کو جامع خیرات کیا کہ سید المرسلین ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: خیر کی تین سو ساٹھ خصلتیں، جب خدا بندے سے ارادہ بھلائی کا فرماتا ہے ان میں ایک عطاء کرتا ہے کہ وہ اسے جنت میں لے جاتی ہے۔ صدیق نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ان میں سے مجھ میں کوئی بھی خصلت ہے؟ ارشاد ہوا: شادمانی تمہارے لئے اے ابوبکر! تو ان سب کا جامع ہے یعنی تمام تین سو ساٹھ بھلائی کی خصلتیں تمہیں حاصل ہیں۔ (تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰/۱۳۰)

اخرج البخاری فی صحیحہ من حدیث الزہری قال اخرج حمید بن عبد الرحمن بن عوف ان ابا ہریرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من انفق من زوجہ من شیء من الاشیاء دعی من ابواب یعنی الجنة یا عبد اللہ ہذا غیر فمن کان من اهل الصلوۃ دعی من باب الصلوۃ ومن کان من اهل الجہاد ومن کان من اهل الصدقۃ دعی من باب الصدقۃ ومن کان من اهل الصیام دعی من باب الصیام و باب الریان فقال ابوبکر ما علی هذا الذی یدعی من تلك الابواب من ضرورۃ و قال هل یدعی منها کلہا احد یا رسول اللہ؟ قال نعم و ارجو ان تکون منهم یا ابوبکر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، زوجین میں سے کسی ایک نے کوئی چیز خرچ کی تو اس کو جنتی دروازوں سے بلایا جائے گا۔ اے عبداللہ (حضرت ابوبکر کی کنیت) یہ خیر ہے پس نمازی جنت کے باب نماز سے بلائیں جائیں گے اور مجاہد باب جہاد اور اہل زکوٰۃ باب زکوٰۃ اور روزہ دار باب ریان سے صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سب دروازوں سے بلائے جانے کی کوئی ضرورت تو نہیں یعنی مقصود تو دخول جنت ہے کہ ایک ہی دروازے سے حاصل ہے پس یا رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا بھی ہے جو ان سب سے پکارا جائے؟ ارشاد ہوا: ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تو ان میں ہواے ابوبکر!

(بخاری کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذاً الخ)

علماء فرماتے ہیں: جو کسی قسم کی عبادت بکثرت کرے گا کہ اس سے ایک خصوصیت خاصہ اسے حاصل ہوگی جس کے سبب اسے بالتخصیص اسی عبادت کی طرف اضافت کریں اور اس کا اہل کہیں وہ اس خاص دروازے سے ندا کیا جائے گا جو اس کے مناسب ہو اور جو تم عبادات کا جامع ہو اور تمام اعمال اس کے درجہ نہایت میں واقع ہوں کہ ایک دوسرے پر ترجیح نہ دے سکیں وہ ازراہ تشریف و تکریم سب دروازوں سے بلایا جائے گا، اگرچہ دخول ایک ہی دروازہ سے ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”وارجو ان تکون منہم یا اباہکر“ رجاہ (امید) نبی کریم ﷺ کی واجب ہوتی ہے جس امر میں آپ فرمائیں مجھے امید ہے ایسا ہوگا وہ یقینی طور پر ویسا ہی ہوگا پس بالیقین ثابت ہو گیا کہ یہ جامعیت صدیق اکبر کو حاصل ”وہو المقصود“ مقصد بیان یہی ہے۔

مشابہت نمبر ۵:

رسول اللہ ﷺ کو جوامع الکلم عطاء فرمائے گئے، تھوڑے لفظوں میں اتنا مضمون ارشاد فرماتے ہیں جس کے شرح و بسط میں کتابیں تصنیف ہو سکیں ان ارشادات میں سے ہی ہے ”انما الاعمال بالنیات“ بیشک اعمال کی دار مداریتوں پر ہے (بخاری کتاب بدء الوجدی) اور آپ کا ارشاد ”اسلم تسلم“ اسلام لاؤ سلامتی میں رہو گے (بخاری کتاب بدء الوجدی) اور آپ کا ارشاد ”المعراج بالضممان“ نفع ضمان کے مطابق ہے الی غیر ذلک۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اس کی ایک جھلک ہیں آپ کو فصلی خطاب اور حسن کلام میں بلند مرتبہ عطاء ہوا یہاں تک کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں اور

”كنت اعلمهم كلاما واصوبهم منطقا“ آپ کا کلام سب سے بہتر تھا اور گفتار سب سے زیادہ درست اور طول خاموشی اور

(البحر الزخار بسند ابو اسد علی بن ابی طالب بلاغت کلام میں آپ کا مثل کوئی نہ تھا۔

حدیث نمبر ۸۳۳ ج ۳ ص ۱۳۱)

اسی طرح امیر المؤمنین فاروق اعظم یا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے انھیں ”ابلیغ

الناس“ کہا:

اخرج البخاری من حدیث عروة بن الزبير عن امر المؤمنین عائشة رضی اللہ عنہا فی حدیث طویل قال و اجتمعت الانصار الی سعد بن عبادہ فی سفینة بن ساعدة فقالوا منا امیر و منکم امیر فذهب الیہم ابو بکر الصديق و عمر بن الخطاب و ابو عبیدہ بن الجراح فذهب یتکلم فاسکتہ ابو بکر و کان عمر یقول و اللہ ما اردت بذلك لا الی قد هیأت کلها قد اعجبتی عشت ان لا یبلغہ ابو بکر ثم تکلم ابو بکر فتکلم ابلیغ الناس“ (بخاری کتاب الفعائل باب قول النبی لو کنت متخذاً خلیلاً)

ومن حدیث ابن عباس عن عمر فی حدیث ذکر بطولہ قال عمر اردت ان اتکلم و کنت زورت معالمة اعجبتنی لرید ان اقدمها بین یدی ابی بکر و کنت اوارى معہ بعض الحدیث فلما اردت ان اتکلم قال ابو بکر علی رسلک فکرهت ان اغتضبه فتکلم ابو بکر فكان هو احلم منی و اوقر و اللہ ما ترک من کلمة اعجبتنی فی تزویری الا قال فی ہدیئته معلها او افضل منها“ (صحیح بخاری کتاب الحد و دہاب الرجم)

ان دونوں حدیثوں کا مختصر مجموعی مطلب اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے یوں بیان

فرمایا:

امیر المؤمنین عمر نے سفینہ بنی ساعدہ میں لوگوں کے اجتماع اور انصار کے دعویٰ خلافت کے قصہ فرمایا میں نے فکر کر کے ایک کلام اپنی جی میں بنا رکھا تھا کہ انصار سے یوں یوں کہوں گا اور مجھے خوف تھا شاید ابو بکر ایسا نہ کر سکیں مگر جب ابو بکر نے کلام کیا مہیا (ذہن میں تیار کی ہوئی) باتوں میں سے ایک کلمہ نہ چھوڑا کہ اس کے مثل اور اس سے افضل فی البدیہہ نہ فرمادیا۔

مشابہت نمبر ۶:

پہلی وحی کے بعد جب نبی کریم ﷺ گھر واپس لوٹے تو آپ پر ایک عجیب رعب طاری تھا تو حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا کہ آپ ذوی القرب کی خبر گیری فرماتے ہیں اور بات سچ کہتے ہیں اور امانت ادا کرتے ہیں اور عاجزوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، نایاب نعمتیں عطا فرماتے ہیں اور مہمانوں کی مہمان داری کرتے ہیں اور حق حادثوں میں مدد فرماتے ہیں۔ یہ ساری صفات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی تھیں۔

(ماخوذ از مطلع القرین ص ۳۰۰ تا ص ۳۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ:

اعلیٰ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں: اب چند احادیث مرتضوی سنئے !!!

حدیث اول:

صحیح بخاری شریف میں سیدنا واہب بن سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجوہہما سے مروی نقلت لابی ای الناس خیر بعد النبی ﷺ قال ابو بکر قال قلت ثم من قال عمر " میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کی رسول اللہ ﷺ کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہے؟ فرمایا: ابو بکر میں نے عرض کی: پھر کون؟ فرمایا: عمر رضی اللہ عنہما۔

(صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی ﷺ مناقب ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی 1/518)

حدیث دوم:

امام بخاری اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المؤمنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی کہ فرماتے تھے:

خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر و بہترین مرد بعد سید عالم ﷺ ابو بکر ہیں اور

عمر الناس بعد ابي بكر عمر رضی اللہ بہترین مرد بعد ابو بكر عمر رضی اللہ عنہما ہذا حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)  
 (سنن ابن ماجہ فضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما صحیح ایم سعید کمپنی کراچی)

حدیث سوم:

امام ابوالقاسم اسمعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنۃ میں راوی:

اخیرنا ابو بکر بن مردویہ ثنا سلیمان بن احمد ثنا الحسن بن المنصور الرمائی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو بکر سلمة العتکی عبد اللہ بن عبد الرحمن عن سعید بن ابی عروبة عن منصور بن المعتمر عن ابراہیم عن علقمة قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونہ علی ابي بكر و عمر فصعد المنبر فحمد اللہ و اتى علیہ ثم قال یا ایہا الناس انہ بلغنی ان قوما یفضلونى علی ابي بكر و عمر ولو كنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ فمن سمعہ بعد هذا الیوم یقول هذا فهو مفتر علیہ حد المفتری ثم قال ان غیر هذه الامة بعد نبیہا ابو بکر ثم اللہ اعلم بالخیر بعد قال و فی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لو سمی الثالث لسمی عثمان

ہم کو خبر دی ابو بکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان کی حسن منصور رمائی نے، ہم کو حدیث بیان کی داؤد بن معاذ نے، ہم کو حدیث بیان کی ابو سلمہ عتکی عبد اللہ بن عبد الرحمن نے، انہوں نے سعید بن ابو عروبة سے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے نے ابراہیم سے، اور انہوں نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امیر المؤمنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل بتاتے ہیں۔ یہ سن کر منبر پر جلوہ فرما ہوئے، حمد و ثنائے الہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) سے افضل کہتے ہیں، اس بارہ میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنا دیا ہوتا تو ہیک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے

سنوں گا وہ مفتری ہے، اس پر مفتری کی حد یعنی اسی کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بیشک نبی کریم ﷺ کے بعد افضل امت ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں: مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہما بھی تشریف فرماتے تھے۔ انھوں نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے رضی اللہ عنہم اجمعین (ت)

(ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنہ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور 1/68)

### حدیث چہارم:

امام دارقطنی سنن میں اور ابو عمر بن عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے راوی حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:  
لا اجد احدا افضل علی ابی بکر و عمر الا جلدتہ حد المفتری  
میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابو بکر و عمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

(الصواعق المحرقة بحوالہ دارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ص 91)

### حدیث پنجم:

سنن دارقطنی میں حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ حضور سید عالم ﷺ کے صحابی اور امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی:

انہ کان یری ان علیا افضل الامة نسیم یعنی ان کے خیال میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ

کریم تمام امت سے افضل تھے۔ انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا، سخت رنج ہوا۔ حضرت مولیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشا سے ولایت میں لے گئے۔ غم کی وجہ پوچھی، گز ایش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے؟ ابوبکر ہیں، پھر عمر حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولیٰ نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

اقواما یخالفونہ فحزن حزنا شدیداً فقال لہ علی بعد ان اخذ بیدہ وادخلہ فذکر لہ الخیر فقال الا اخبرک بخیر هذه الامة عیرھا ابو بکر ثم عمر قال ابو جحيفة فاعطیت اللہ عہدا ان لا اکتتم هذا الحدیث بعد ان شافہنی بہ علی ما بقیت

(الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی الباب الثالث الفصل الاول دارالکتب العلمیہ بیروت ص 91)

### حدیث ششم:

امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ عنہما میں ابن ابی حازم سے راوی:

یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ابوبکر و عمر کا مرتبہ کیا تھا؟ فرمایا: جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔

قال جاء رجل الی علی بن الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما فقال ما کان منزلة ابی بکر و عمر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال منزلة ہما الساعة و ہما ضجیعاه

(مسند احمد بن حنبل حدیث ذی الیدین رضی اللہ عنہما عنہما 7714)

### حدیث ہفتم:

دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں: یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا

اجمع بنو فاطمة رضی اللہ عنہم علی ان



يقولوا في الشئ من احسن ما يكون من القول

ليسا الكريم وعليها عليهم وبارك وسلم كما اجماع  
 واتفق ہے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں وہ  
 بات کہیں جو سب سے بہتر ہو ظاہر ہے۔  
 ظاہر ہے سب سے بہتر بات اسی کے حق میں  
 کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو

حدیث ہشتم:

امام ابن عسا کر وغیرہ سالم بن ابی الجعد سے راوی:

قلت لمحمد بن الحنفية هل كان ابو بكر  
 اول العوم اسلاما قال لا قلت فبم علا  
 ابو بكر وسبق حتى لا يذكر احد غير ابي  
 بكر قال لانه كان افضلهم اسلاما حين  
 حتى لحق به

یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی کیا  
 ابو بکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے  
 ؟ فرمایا: نہ، میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابو  
 بکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے  
 یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی  
 نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام  
 میں سب سے افضل تھے، جب اسلام لائے  
 یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

(الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی عن محمد الباقر  
 الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت ص 78)

حدیث نهم:

امام ابو الحسن دار قطنی جناب اسدی سے راوی کو امام محمد بن عبد اللہ محض بن  
 حسن ثنی بن حسن مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کریم کے پاس کچھ اہل کوفہ و جزیرہ  
 نے حاضر ہو کر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا، امام ممدوح نے میری طرف  
 متوجہ ہو کر فرمایا:

انظروا الى اهل بلادك يسألون عن ابي  
 اپنے شہر والوں کو دیکھو مجھ سے ابو بکر و عمر کے

بکر و عمر انہما عدی افضل من علی“ بارے میں سوال کرتے ہیں وہ دونوں  
(الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی عن جناب میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں  
الاسدی الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔  
ص 83)

یہ امام اجل حضرت حسن مجتبیٰ کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے  
نواسے ہیں۔ ان کا لقب مبارک ”نفس زکیہ“ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ  
سب سے پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہذا محض کہلوائے، اپنے زمانے  
میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن ثنی اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ  
صغریٰ بنت امام حسین صلی اللہ تعالیٰ علیہم وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث و ہام:

امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین  
العابدین ابن امام حسین سعید شہید صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیما علیہم الکریم و علیہم سے  
روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فہرت ممن دون ابی بکر یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تمہری کی جو  
و عمر ولم لسطھون ان یقولوا فیہما ابو بکر و عمر سے کم تھے یعنی عثمان و علی رضی اللہ عنہم مگر  
شہنا انطلقتم انتم فظفرتم اسی و ثبتم ابو بکر و عمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ  
فوق ذلک فہرتتم منہما فمن بقی فواللہ ما پائی اور تم نے اے کوفیو! اوپر جست کی کہ  
بقی احد الا ہرتتم منہ“ ابو بکر و عمر سے تمہری کی تو اب کون رہ گیا خدا کی  
قسم اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تیرا نہ کیا ہو۔

(الصواعق المحرقة بحوالہ الدار قطنی عن الخافظ عمر بن شبہ الباب الثانی دارالکتب العلمیہ بیروت  
ص 79)

والعیاذ باللہ رب العالمین اللہ اکبر“ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ جو پروردگار

ہے تمام جہانوں کا اللہ سب سے بڑا ہے (ت)

امام زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد مجید ہم غلامانِ خاندانِ زید کو بحمد اللہ کافی ودانی

ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ ج ۴ ص 480 تا 484)

آیاتِ قرآنیہ سے استدلال:

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“  
(پ ۲۶ سورۃ الحجرات آیہ نمبر ۱۳) بے شک تم میں بزرگ تر اللہ کے نزدیک تمہارا  
”اتقی“ ہے یعنی بڑا پرہیزگار۔

یہاں تو اتقی کو سب پر تفصیل اور زیادتِ کرامت عند اللہ میں ترجیح دیتے ہیں  
اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”وسجنہا الاتقی O الذی یؤتی مالہ  
یتزکی O وما لاحد عنده من نعمۃ  
تجزی O الا ابتغاء وجہ رب الاعلی O  
ولسوف یرضی O  
(پ 30 سورۃ واللیل آیہ نمبر 17 تا 20)

یعنی اور نزدیک ہے کہ جہنم سے بچایا جائے گا  
وہ بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے ستمرا ہونے  
کو اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ  
دیا جائے مگر تلاش اپنے برتر پروردگار کی  
رضاء کی اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی  
ہو جائے گا۔

آیہ کریمہ میں باجماع مفسرین اتقی سے جناب سیدنا امام المتقین  
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

امام محی السنۃ بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی ابابکر فی قول الحمیع  
”یعنی اتقی سے مراد جمیع مفسرین کے قول میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

(معالم التنزیل للبعوی)

اور امام علامہ شمس الدین ابن الجوزی نے بھی اس پر اجماع نقل کیا اور یہ معنی

ابوبکر بن ابی حاتم و طبرانی و ابن زحیر و محمد بن اسحاق وغیر ہم محدثین کی احادیث میں وارد حتی کہ طبری نے باوجود رفض تفسیر مجمع البیان میں اسی کو مقبول رکھا اور انکار کا یا را (طاقت) اور اقرار سے چارہ نہ پایا مع ہذا آیت کیلئے دوسرا محمل صحیح متصور ہی نہیں کہ بالضرور یہاں وہی مقصود جو افضل امت محمدی ﷺ ہے، ورنہ آیت اولیٰ (پہلی آیت) سے مناقضت (مخالفت) لازم آئے اور ہم اور ہمارے مخالفین متفق کہ ماورائے (ما سوائے) صدیق و مرتضیٰ علیہما السلام افضل امت نہیں۔ (یعنی اہل سنت کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور شیعہ خواہ عالی رافضی ہوں یا تفضیلی ہوں وہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں) پس بالاتفاق تیسرا مراد نہیں ہو سکتا مگر آیت اخیرہ کا سیاق شاہد کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ مراد نہیں کہ آگے ارشاد ہوتا ہے ”وما لاحد عنده من نعمة تجزي“ (پ ۳۰ سورۃ واللیل آیت نمبر ۱۹) اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا عوض دیا جائے۔

یہ صفت جناب علی مولیٰ کرم اللہ وجہہ پر کب صادق کہ ان پر رسول اللہ ﷺ کے احسانات دنیویہ بھی جن میں معاوضہ و مکانات جاری بکثرت ہیں کہ انہوں نے اس پاک گود میں تربیت پائی، حضور والا نے اولاد کی طرح پالا، طعام و شراب سے خبر گیری فرمائی اور انتہاء نعمت تزویج بتول زہراء پر ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”بخلاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہ چند جس قدر منتیں رسول اللہ ﷺ کی ان پر ہیں، تمام امت میں کسی پر نہیں مگر وہ نعمتیں ایسی نہیں جن کا عوض ہو سکے وہ انعام اس قسم کے ہیں جن کی نسبت حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے ”ما اسالکم علیہ من اجر ان جری الاعلیٰ رب العالمین“ پ ۱۹ سورۃ الشعرا آیت نمبر ۱۰۹) میں نہیں مانگتا ہدایت پر تم سے نیک (اچھا بدلہ) میرا نیک تو اللہ ہی پر ہے جو پالنے والا سارے جہان کا۔

شاید اسی لحاظ سے قرآن عظیم میں قید ”تجزئ“ ذکر فرمائی گئی پس بالیقین آیت کریمہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل اور شان نزول بھی ولی اللہ صدیق اور عدو اللہ امیہ بن خلف کا قصہ وہ اسی پر شاید ہے۔

اب اس آیت کو صغریٰ اور پہلی کو کبریٰ کیجئے تو شکل اول بدیہی الانتاج ہے یہ نتیجہ بشہادت قرآن عزیز نکلتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل امت ہیں ”وہو المقصود و کفی باللہ شہیدا“ اور مقصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔

تنبیہ نمبر ۱:

جس طرح علماء کے اس استدلال سے صدیق کی افضلیت ثابت ہوئی یوں ہی یہ معنی بھی خوب روشن ہو گئے کہ مناط افضلیت اکرمیت عند اللہ ہے اور خدا کے نزدیک عز و وجاہت و قدر و منزلت کا زیادہ ہونا ہونا نہ کہ وہ جو تفضیلیہ شیعہ اپنی خیالی قینچیوں سے پھول تراشتے ہیں۔

تنبیہ ۲:

آیت کریمہ جس طرح افضلیت صدیق پر دلیل ساطع (روشن دلیل) یونہی ان کے عرفان الہی و ولایت ذاتی میں کافہ امت سے زیادت پر برہان قاطع (قطعہ دلیل) کہ بداہت ایمانی شاید کہ کم رتبہ کا ولی ہرگز اعلیٰ درجہ کے ولی سے اکرم عند اللہ و کثیر العز والجاہ (اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم اور بہت عزت و مرتبہ والا) نہیں ہو سکتا اور اس کا انکار محض مکابرہ (صرف ہٹ دھرمی) اب نہیں معلوم جنہیں صدق کے اعرف باللہ و اعظم الاولیاء ہونے میں ترد آیت کریمہ سے انکار کر جائیں گے یا ولی ادنیٰ کو ولی اعلیٰ سے اکرم عند اللہ (اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم) ہونا تسلیم فرمائیں گے۔

(مطلع القمرین تصنیف اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ص ۱۹۷ تا ۲۰۰)

اختصار مذکور کے بعد تفصیل:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۗ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْلُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (سورة الحجرات آیت نمبر ۱۳)

(۱) اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ وہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

(کنز الایمان)

(۲) اے لوگو بیشک ہم نے پیدا کیا تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے، اور بنایا ہم نے تمہیں شاخیں اور قبیلے کہ تم پہچانو آپس میں ایک دوسرے کو۔ بیشک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے ہاں وہ جو زیادہ پرہیزگار ہے، تم میں سے بیشک اللہ علم والا خبردار ہے۔ (نجوم الفرقان)

شان نزول کی ایک وجہ:

لوگ اپنے نسب پر فخر کرتے تھے اور دوسرے کے نسب پر طعنہ زنی کرتے اور دوسروں کو حقیر سمجھتے تو ان کے رد میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یعنی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مراد اس کا رد ہے جو زمانہ جاہلیت میں وہ اپنے آباؤ اجداد (یعنی نسب) پر فخر کرتے تھے اور اپنے نسب کو دوسروں کے نسب پر بلند سمجھتے تھے، یہاں تک کہ دوسرے لوگوں کو غلام یا غلام سے بھی زیادہ ذلیل سمجھتے تھے۔

اس ذلیل جھگڑے کی ابتداء ذلیل خسیس اللہ کے دشمن ابلیس سے ہوئی "اذ قال: انسا خیر منه خلقتنی من نار و خلقتہ من طین" جب اس نے کہا: اے میرے رب

میں بہتر ہوں اس سے کہ پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تو نے اسے مٹی سے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کا یوں رد فرمایا کہ بیشک تمہارا باپ ایک ہے اور تمہاری

ماں ایک ہے "قال تعالیٰ: بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا "خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرا ونساء" اس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے نسب سے اسی طرح تعلق رکھتا ہے جس طرح دوسرا اپنے نفس سے تعلق رکھتا ہے، برابر ہے ایک جیسا سب کا تعلق ہے اپنے اپنے نسب سے، اس لئے نسب میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایک دوسرے پر فخر کی مجال نہیں لیکن ہم نے جو تمہیں اپنے آباؤ اجداد (نسب) پر مرتب کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اپنی شاخوں اور قبائل کے ذریعے ایک دوسرے کو پہچانو اور صلہ رحمی کرو یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھو اور کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب نہ کرے "لا ان تتفاخروا ویزدري بعضکم بعضا" تمہاری شاخیں اور قبیلے اسلئے نہیں بنائے کہ تم ایک دوسرے پر فخر کرو اور تم ایک دوسرے کو حقیر جانو اور دوسروں پر عیب لگاؤ:

"نعم ان اردتم التفاضل فالفضل عندنا بالتقوى فكلما زاد الانسان تقوى زاد كرامه عند ربه تبارك وتعالى فاکرمکم عندنا من كان اتقى لامن كان انسب ان الله عليهم بکرم النفوس وتقواها عظیم بهم النفوس فی هواها"

ہاں! اگر تم برتری چاہتے ہو تو برتری ہمارے نزدیک پر ہیزگاری سے ہے جب انسان پر ہیزگاری میں بڑھے گا تو اس کی رب تعالیٰ کے ہاں عزت بھی بڑھے گی تو تم میں سے ہمارے ہاں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ پر ہیزگاری والا ہے نہ کہ وہ جو اچھے

نسب والا ہے بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے نفوس

کی عزت و تقویٰ کو اور رب تعالیٰ کو خبر حاصل نفوس کے خواہشات میں مبتلا ہونے کو بھی۔

### شان نزول کی دوسری وجہ :

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: یہ آیت کریمہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ آئے ایک محفل میں تو ایک شخص نے ان کو جگہ نہ دی تو انہوں نے کہا: ”ابن فلانة یعیرہ بامہ“ ”فلاں عورت کے بیٹے! یعنی انہوں نے اس شخص کو ماں کی عار دلائی“ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الذاکر فلانة؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون شخص ہے جس نے فلاں عورت کہہ کہ اس کا تذکرہ کیا؟ حضرت ثابت نے عرض کیا: میں ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ نے فرمایا: قوم کے چہروں کو دیکھو، تو انہوں نے دیکھا تو آپ نے فرمایا: ثابت تم نے کیا دیکھا؟ انہوں نے عرض کیا: میں نے کوئی سرخ، کوئی سفید، کوئی سیاہ چہرے دیکھے ”قال فانک لا تفضلہ الا فی الدین والتقوی“ تو آپ نے ارشاد فرمایا: بیشک تمہیں ان پر فضیلت حاصل نہیں سوائے دین اور تقوی کے تو یہ آیت حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔

اور دوسرے شخص جس نے جگہ کہ کشادہ نہیں کیا تھا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ”یا ایہا الذین آمنوا اذا قبل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا“ ”اے ایمان والوں جب تمہیں کہا جائے جگہ کشادہ کرو مجالس میں تو کشادہ کر لیا کرو۔“ (معالم التنزیل للبغوی)

### شان نزول کی تیسری وجہ:

مقاتل نے بیان کیا ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا تو ”امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلالا حتی علا علی ظهر الکعبۃ واذن“ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیں تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور اذان دی تو عتاب بن اسید بن ابوالعیص نے کہا: الحمد لله الذی قبض ابی حتی لم یر هذا الیوم“ ”سب تعریفیں اللہ کی ہی ہیں جس نے میرے باپ کو وفات دے دی یہاں تک کہ اس نے یہ دن نہیں دیکھا“ ”اما وجد محمد غیر هذا الغراب الاسود موذنا“ ”کیا نہیں پایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے



سوائے اس سیاہ کوئے کے کوئی اور موذن۔ سہل بن عمرو نے کہا ”ان یرد اللہ شیثا بغير  
 ۰“ اگر ارادہ کیا اللہ نے کسی چیز کے ناپسند ہونے کا تو وہ اسے بدل دے گا ابوسفیان  
 نے کہا: ”انی لا اقول شیثا اخاف ان یخبر بہ رب السماء“ بیشک میں تو کچھ نہیں  
 کہوں گا کیونکہ آسمانوں کا رب انھیں بتا دے گا تو جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس  
 حاضر ہوئے، آپ کو سب کے اقوال کی خبر دی آپ نے ان کو بلایا اور ان سے پوچھا جو  
 انہوں نے کہا تو سب نے اقرار کر لیا۔

فانزل اللہ تعالیٰ هذه الایة وزجرهم عن  
 التفاعر بالانساب والتکائر بالاموال  
 والانداء بالفقراء  
 تو اللہ تعالیٰ آیہ اتاری اور ان کو ڈانٹا نسب پر  
 فخر کرنے اور مال کی زیادتی پر فخر کرنے  
 اور فقراء (غریبوں) کو حقیر سمجھنے سے۔  
 (معالم التنزیل للبعوی)

### شان نزول کی چوتھی وجہ:

علامہ نسفی نے مدارک میں زمخشری کے کشاف میں قول کی تابعداری کرتے  
 ہوئے کہا: یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے بازار میں گزرے  
 تو ایک سیاہ قام غلام دیکھا، جو کہتا تھا: مجھے جو خرید لے تو اس شرط پر خرید لے کر مجھے  
 رسول اللہ ﷺ کے بچگانہ نمازیں ادا کرنے سے نہیں روکے گا، تو اسے کسی نے خرید لیا،  
 پھر وہ مریض ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے، پھر وہ فوت ہو گیا تو  
 آپ اس کے دفن میں حاضر ہوئے ”فقالوا فی ذلك شیثا فنزلت“ تو لوگوں نے  
 اس کے بارے میں کچھ کہا تو یہ آیہ کریمہ اتری۔

”و بالجمله فمحصل الایة نفس التفاعر  
 بالانساب و انما الکرم عند اللہ تعالیٰ انما  
 حاصل کلام یہ ہے نسب پر فخر کی نفی کی گئی ہے  
 بیشک عزت اللہ کے ہاں سے ہی حاصل ہوتی

یعال بالتقوی فمن لم یکن تکیا لم یکن ہے جس شخص کو تقویٰ حاصل نہیں اسے عزت  
 له حظ من الکرامة“ کا بھی کوئی حصہ حاصل نہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی بات یاد رکھنے کے قابل:

جو آگے نتیجہ میں کام دے گی، اس آیت کی تفسیر کو آپ نے مطلب سمجھانے کا  
 پہلا مقدمہ بنایا ہے:

وسلبہ کلیا لایصح الا عن کافر اذ کل من  
 عزت کی مکمل نفی صرف کافر سے صحیح ہے،  
 یتقی اکبر الکبائر الکفر و الشک و من  
 اسلئے کہ ہر مؤمن کو سب سے گناہ کفر و شرک  
 کان تکیا کان کریمًا و من اتقی کان  
 سے بچنے والا تقویٰ حاصل ہے اسلئے جو شخص  
 اکرم عند اللہ“  
 پر ہیزگار ہے یعنی تقی (متقی) ہے وہ اللہ کے

ہاں کریم ”عزت والا ہے“ اور جو اتقی یعنی بڑا  
 پر ہیزگار ہے وہ زیادہ عزت والا ہے

یعنی تقویٰ کا درجہ جس طرح کا ہوگا، اس طرح کی عزت رب تعالیٰ کے ہاں  
 ہوگی۔ جب تقویٰ سب سے زیادہ ہوگا تو عزت بھی سب سے زیادہ ہوگی، صرف نسب  
 کام نہیں آئے گا۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۵۰۰ تا ۵۰۴)

زبدۃ التحقیق ص ۳۵ پر عنوان قائم کیا گیا:

”دور حاضر میں جو سنی حنفی کہلانے والے کہتے ہیں: نسبت کوئی چیز

نہیں، میں نہایت ادب سے سوال کروں گا یہ عقیدہ تو خارجیوں

کا ہے، آپ کے ہاتھ کیسے لگا؟“

کبھی اعلیٰ حضرت <sup>رحمہم اللہ</sup> کا نام لئے بغیر کوسنییت سے خارج کیا گیا اور کبھی  
 ”خارجی“ کہا گیا۔ دور حاضر کی قید کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوا کہ کیونکہ اعلیٰ حضرت  
 کا موقف بھی یہی ہے کہ فقط نسب کام نہیں آتا، دار و مدار تقویٰ پر ہے، یہی حدیث

پاک سے بھی ثابت ہے۔

علامہ محمد لطف الرحمن بردوانی مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ (بنگال) نے ایک فتویٰ لکھا، جس میں مطلقاً نسب کے نفع مند ہونے کی نفی کی تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے: اراء الادب لفاضل النسب۔

مولانا محمد لطف الرحمن کا فتویٰ:

بداں کہ قولہ تعالیٰ ”جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ابطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبه“  
(سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضائل العلم)

وقول دیگر اعملی یا فاطمة ولا تقولی انی بنت الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
(مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۱۳، کنز العمال ۹/۱۶)

باعلیٰ صوت ندا کند کہ شرافت نسب کہ اکثر جہال بہ سبب و حماقت و از عدم واقفیت حالات بزرگان دین و سلف صالحین و صحابہ کاطین، انبیاء و مرسلین بداں مباہات میکند نزد حق سبحانہ تعالیٰ بہ چیزے نمی ارزد و بہ منزلہ ہباء منشور باشد کما قال اللہ تعالیٰ و الذین اتوا العلم درجات ”القرآن الکریم“ ۵۸ / ۱۱ و انما یخشی اللہ من عباده العلماء ”القرآن الکریم“ ۳۵ / ۲۷ و قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما العلماء وراثۃ انبیاء (سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء) و ان فضل العالم علی العابد کفضل علی ادناکم ”جامع الترمذی ابواب العلم“ بلکہ شرافت علم فوق شرافت نسب می باشد کما فی فی الدر المختار لان شرفۃ العلم فوق شرف نسب و المال کما جزم بہ البزازی و ارتضاه الکمال وغیره۔

(الدر المختار کتاب النکاح باب الکفارة)

اگر کے عالم صالح ماہر را بالفاظ مذکورۃ الصدر طعناً و تحقیراً مخاطب سازد و بدائرہ

کفر یا نہادہ پاشد۔

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم پر ہیزار گار ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے شریعت کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا اس کو نسب کام نہ دے گا اور حضور کا دوسرا قول کہ ”شریعت پر عمل کرواے فاطمہ اور یہ نہ کہو کہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ہوں“ بلند آواز سے اعلان کر رہا ہے کہ شرافت نسب کہ اکثر جاہل لوگ جہالت و حماقت اور حالات بزرگان دین اور سلف صالحین اور صحابہ کاطین اور انبیاء و مرسلین کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے اس پر فخر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے وقعت ہے مثل ہباء منشور ہے، البتہ مرد کی شرافت علم سے ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جنہیں علم دیا گیا وہ درجوں میں ہیں اور ارشاد فرمایا اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور ارشاد فرمایا: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ادنیٰ پر بلکہ علم کی شرافت نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے جیسا کہ در مختار میں ہے اس لئے کہ علم کی شرافت نسب و مال کی شرافت سے اوٹی ہے جیسا کہ اس پر بزازی نے جزم فرمایا ہے۔ اگر کوئی شخص عالم صالح ماہر کو الفاظ مندرجہ سے طعن و تحقیر کے طور پر مخاطب کرے تو دائرہ کفر میں پاؤں رکھے گا ”اتھلی۔“

یہ فتویٰ اس سوال کے جواب میں دیا گیا:

کیا فرماتے ہیں: علماء اس مسئلہ میں کہ اگر جد اعلیٰ کسی کا کاشت کار یا نور باف یا مابعی فروش ہو بعدہ اس کی نسل میں یہ پیشہ معمول رہا ہو یا متروک ہو گیا ہو تو اس صورت میں ان کی اولاد کو ماٹھایا جو لاہا یا شکاری یا اطراف کہہ کہ پکارنا جس سے ان کی دل شکنی

ہوتی ہے درست ہے یا نہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے تفصیل بیان کی ہے:

وہ بہت مبسوط ہے لیکن راقم جہاں کئی کئی روایات آپ نے نقل کی ہیں انکو مختصر

کر کے پیش کر رہا ہے آپ فرماتے ہیں:

کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بھی بلا حاجت شرعیہ ایسے الفاظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو، اسے ایذا پہنچے، شرعاً ناجائز و حرام ہے، اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو فان کل حق صدق و لیس کل صدق حقاً (ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں)

ابن السنی عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من

دعا رجلا بغير اسمه لعنته الملائكة جو شخص کسی کا نام بدل کر پکارے فرشتے اس پر

لعنت کریں

(عمل الیوم واللیلۃ ۱۳۷ باب الوعد فی ان یدعی الرجل بغير اسمه حدیث ۳۹۶ نور محمد کراچی)

فی التیسیر ای بقلب یکرهہ لا ینحویا عبد اللہ

(تیسیر شرح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۱۶)

تیسیر میں ہے کہ ایسے لقب سے پکارنا جو اسے برا لگے، اس پر فرشتے لعنت

کرتے ہیں نہ کہ یہ کہنے سے اے اللہ کے بندے وغیرہ۔

طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں: "من آذی مسلماً فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ"

(الاجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ ج ۲ ص ۳۷۳ مکتبۃ المعارف ریاض)

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے

ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

بحر الرائق دور مختار کتاب الحد و باب التعزیر میں ہے "فسی القنیۃ قال

لیہودی او مجوسی یا کافر یا تم ان شق علیہ و مقتضاه انہ یعزر لارتکابہ  
الاثم ” جس نے کسی ذمی یہودی یا مجوسی سے کہا: اے کافر اور یہ بات اسے گراں گذری  
تو کہنے والا گھنگار ہوگا اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے تعزیر کی جائے۔ (قدیہ)  
تحقیق مقام و مقال بکمال اجمال یہ ہے:

کہ مدارِ نجات تقویٰ پر ہے ”علی تبائن مراتب و ثمراتها“ مختلف مراتب  
اور ان کے نتائج کے مطابق تقویٰ کے مراتب اور نجات کے بھی مراتب ہوں گے (فقط  
نسب کا لحاظ نہیں بلکہ صرف تقویٰ کا لحاظ ہے۔

”ان الزبانیۃ اسرع الی فسقۃ القراء منہم الی عبدة الاوثان“

(کنز العمال بر مزطب حل حدیث ۲۹۰۰۵ ج ۱۰ ص ۱۹۱)

پیشک عذاب کے سپاہی فاسق علماء کی طرف سبقت کریں گے (اور یا جیسے)  
بتوں کے بچاری کی طرف۔

جو عمل میں سست ہوگا فضل نسب میں آگے نہ ہوگا۔ حدیث ”من ابطاہ عملہ  
لم یسرع بہ نسبہ“ کے یہی معنی ہیں نہ کہ فضل نسب شرعاً محض باطل و مجبور و ہباء منشورا  
یا شرافت و سیادت، نہ دنیاوی احکام شرعیہ میں وجہ امتیاز، نہ آخرت میں اصلاً نافع  
و باعث اعزاز، حاشا ایسا نہیں بلکہ شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرق کو معتبر رکھا ہے۔

قریش کی خلافت:

الائمة من قریش ”حکام (خلفاء) قریش سے ہوں گے۔

(مسند احمد بن حنبل عن انس متدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابة السنن ابکری کتاب الصلوة)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”الا ان الامراء من قریش“

(مسند ابی یعلیٰ عن علی رضی اللہ عنہ)

خبردار!! پیشک تمام خلفاء قریش سے ہوں گے۔

## قریش کی افضلیت:

مسند احمد میں حضرت ابو بکر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ”  
 قدموا قریشا ولا تقدموها“ قریش کو آگے کرو خود ان سے آگے نہ بڑھو۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یا معشر الناس احبوا قریشا من احب  
 قریشا احببني ومن ابغض قریشا فقد ابغضني “اے لوگوں کی جماعت! قریش  
 سے محبت رکھو کہ قریش سے محبت کرنے والے مجھ سے محبت رکھنے والے ہیں اور جس  
 نے قریش سے بغض رکھا اس سے بغض رکھا۔

## قریش عزت دار:

حضرت ابو ذر فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ”کنانة عز العرب  
 “ نئی کنانہ سارے عرب کی عزت ہیں۔  
 (الفردوس بما ثور الخطاب ج ۳ حدیث ۳۹۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت کنز العمال بحوالہ ابن عساکر  
 ج ۲ ص ۵۵ ص ۶۹)

من یرد هوان قریش اهانہ اللہ “جو قریش کی ذلت چاہے اللہ سے ذلیل  
 کرے)  
 (جامع الترمذی ج ۲ ابواب المناقب فضل الانصار والقریش، المسند رک للحاکم ج ۳ کتاب معرفۃ  
 الصحابة، مسند احمد بن حنبل سعد بن ابی وقاص)

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:  
 ”خیر الناس العرب وخیر العرب قریش وخیر قریش بنو ہاشم“  
 (الفردوس بما ثور الخطاب ج ۲ ص ۱۷۸ حدیث ۲۸۹۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)  
 سب لوگوں سے بہتر عرب ہیں اور عرب سے بہتر قریش ہیں اور قریش سے  
 بہتر بنو ہاشم ہیں۔

## اللہ تعالیٰ کا انتخاب اور اس کی پسند:

حضرت واثلہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

”ان الله عزوجل اصطفى كنانة من ولد بيثك الله عزوجل نے جن لیا اولاد اسمعیل اسمعیل و اصطفی قریشا من كنانة سے کنانہ کو اور جن لیا کنانہ سے قریش کو اور واصطفی من قریش بنی ہاشم جن لیا قریش سے بن ہاشم کو اور جن لیا مجھے واصطفانی من بن ہاشم“۔  
 بنی ہاشم سے۔

(مسلم ج ۲ کتاب الفقاہل نسب النبی ﷺ جامع الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ)

## حضور ﷺ افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے:

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بعثت من خیر قرون بن آدم قرنا فقرنا میں ہر قرن و طبقہ میں ابن آدم کے بہترین حتی کنت فی القرن الذی کنت فیہ“ طبقات میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میں اس بخاری ج ۱ کتاب المناقب باب صفۃ النبی ﷺ طبقہ میں آیا جس میں موجود ہوں۔

## چھ چیزوں میں نسب کا لحاظ کیا گیا:

- (۱) امامت کبریٰ جس کا ذکر ”الاعمة من قریش“ سے کیا جا چکا ہے
- (۲) امامت صغریٰ تنویر الابصار میں ہے ”الأحق بالامامة الأعلم الی قوله ثم الأشرف نسباً ثم الأنظف ثوباً“ (در مختار شرح تنویر الابصار باب الامامة) سب سے زیادہ امامت کا حقدار وہ ہے جو زیادہ علم رکھتا ہو۔ (مصنف کے اس قول تک پھر جو نسب کے لحاظ پر اشرف ہو پھر جس کے کپڑے صاف سترے ہوں۔

- (۳) نکاح: نکاح میں کف کا لحاظ کیا گیا جو نسب کے اعتبار کا قاعدہ دے رہا ہے۔



(۴) عرب کبھی بحالی کفر بھی غلام نہ بنائے جائیں گے قتل الاساری ان شاء

اللہ ان لم یسلموا او استرقہم او ترکہم احرارا ذمۃ لنا الا مشرکی العرب“ (در مختار کتاب الجہاد باب المغنم) مشرکین عرب کے علاوہ دیگر عرب نژاد اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے بارے میں اختیار ہے کہ قتل کریں یا انہیں غلام بنائے یا ان کو چھوڑ دے آزاد ہمارے ذمہ۔

(۵) مشرکین عرب پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا کیونکہ جو غلام نہ بنایا جاسکے اس پر

جزیہ بھی مقرر نہیں کیا جاسکتا ”توضع علی کتابی و محوسی و وثنی عجمی لحواز استرقاقہ فجاز ضرب الجزیۃ علیہ لا علی وثنی عربی“ (در مختار فصل فی الجزیۃ) جزیہ مقرر کیا جائے کتابی مجوسی اور عجمی بت پرست پر کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز ہے تو ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی جائز ہے عربی بت پرست پر جزیہ مقرر نہیں کیا جائے گا۔

(۶) ان کی زمین سے کبھی خراج نہیں لیا جائے گا ان کی زمین ہر حال میں عشری ہے

”لان کما لارق علیہم لا خراج علی اراضیہم“ (در مختار باب العشر والخراج والجزیۃ) اس لئے کہ جیسا ان کو غلام بنانا جائز نہیں اسی طرح ان کی زمین پر خراج نہیں۔

تنبیہ:

مشرکین عرب کیلئے سخت حکم ہے کہ یا وہ اسلام لے آئیں یا ان کو قتل کر دیا جائے، اسلئے آخری تین صورتوں میں ظاہر طور پر سمجھ آتا ہے شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب انہیں نفع دے رہا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔

بڑوں کی لغزشوں پر نظر نہ رکھو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اقبلوا ذوی الہیبات عشراتہم الا الحدود

“عزت داروں کی لغزشیں معاف کر دو مگر حدود۔

(اس کو احمد نے مسند اور بخاری نے ادب المفرد میں اور ابو داؤد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے)

آج کل تو گنگا الٹی بہ رہی ہے، صحابہ کرام کے کفر کے حالات کے واقعات اور مسلمانوں پر سختیوں کو بیان کر کے ان کی شان میں توہین کی جارہی ہے اور جاہلوں کو الو بنایا جا رہا ہے۔

تعظیم:

“لا یقوم الرجل من مجلسه الا لبني هاشم“

(رواہ الخطیب عن ابی امامۃ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۸۸)

آدمی اپنی جگہ چھوڑ کر کسی کیلئے نہ اٹھے سوائے بنی ہاشم کے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اول من اشفع يوم القيامة من امتي اهل بيتي ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من آمن بی و اتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع له اولاً افضل“

جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے۔

(المعجم الکبیر عن ابن عمر ج ۱۲ ص ۲۲۱ کنز العمال بحوالہ طب ک حدیث ۳۴۱۳۵ ج ۲ ص ۹۴)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطہ نگاہ تفصیل سے پیش کر دیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ نے افضل البشر بھی کہا لیکن آپ کے اپنے افضل الانبیاء میں کوئی فرق نہ آیا۔ اہل بیت کی شفاعت پہلے کرنے پر ان کو افضل بھی کہا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سب سے افضل ہونے میں کسی قسم کا کوئی فرق لازم نہ آیا۔

حضور سے قرابت:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة الا  
سببی ونسبی“  
ہر تعلق اور رشتہ قیامت کے دن منقطع  
ہو جائے گا مگر میرا تعلق اور رشتہ (برقرار رہے  
گا)۔

(الحکم الکبیر حدیث ۳۳ ۲۶۳۵ ج ۳ ص ۳۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت و حدیث ۱۶۲۱ ج ۱۱ ص ۲۳۳، کنز الکنز الکبریٰ کتاب النکاح ج ۷ ص ۱۱۳، المسد رک کتاب معرفۃ الصحابہ ج ۳ ص ۱۳۲ کنز العمال حدیث ۳۱۹۱۴ ج ۱۱ ص ۴۰۹)

حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے کہا: اس کی سند صالح ہے، اور دارقطنی اور بیہقی نے سنن میں اور ضیاء امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے حضرت ابن عباس اور مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنہما) سے اور احمد اور حاکم اور بیہقی نے مسر سے روایت کی اس حدیث کے اول میں ”فاطمة بضعة منی“ قاطمہ رضی اللہ عنہما میرے جسم کا ٹکڑا ہیں۔

و حدیث الفاروق مع قصة تزوجه سيدتنا  
ام كلثوم بنت علي رضي الله عنهم“  
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی بیٹی ام کلثوم سے  
نکاح کرنا اسی وجہ سے تھا کہ میرا سببی رشتہ  
قرب سے حضور ﷺ سے قائم ہو جائے۔  
(رواہ سعد بن الطیبقات والبیہقی فی المعرفة وابن  
عسا کر لطریق وابن راہویہ مختصراً)

علمائے اہل سنت!!! تمہاری غیرت کا جنازہ کیوں نکل گیا؟ گنگ زبان ہو کر،  
بے بسی کی تصویر بن کر شیعہ حضرات کی محافل میں بیٹھ کر اس روایت پر مرجح مصالحو لگا کر  
شیعہ مبلغین کی تقاریر سن رہے ہو۔ اگر تمہارا مطالعہ نہیں تو کم از کم ایسی محفلوں سے قطع  
تعلق کر لو جس میں بزرگان دین اور روایت کا طنز اڑانے کی آڑ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی  
توہین کی جا رہی ہے۔ یہ لیڈریاں یہی رہ جائیں گی، کام آئے گا تو ایمان۔

حضور اور اہل بیت سے محبت کرنے والے جنتی ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آیہ کریمہ ”ولسوف يعطيك ربك فترضى“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”من رضا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یدخل احد من اهل بیتہ النار“

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ بیشک عنقریب تمہارا تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

(جامع البیان المعروف بتفسیر الطبری لابن جریر و درمنثور) کی رضاء یہ ہے کہ حضور کے اہل بیت سے کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے۔

### حاصل کلام:

(۱) بالجملہ تفاضلِ انساب بھی یقیناً ثابت اور شرعاً اس کا اعتبار بھی ثابت اور انساب کریمہ کا آخرت میں نفع دینا بھی جزاً ثابت اور نسب کو مطلقاً محض بے قدر و ضائع و برباد جاننا سخت مردود و باطل۔

(۲) پہلے ایمان، پھر تقویٰ، پھر نسب۔ اگر نسب قریش لیکن ایمان نہیں تو نسب بے کار کیونکہ ابولہب بھی قریشی تھا۔

(۳) نسب پر فخر جائز نہیں۔

(۴) نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا، جائز نہیں۔

(۵) دوسروں کے نسب پر طعن جائز نہیں۔

(۶) انہیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں۔

(۷) نسب کو کسی کے حق میں عاریا گالی سمجھنا جائز نہیں۔

(۸) نسب کے سبب کسی مسلمانوں کا دل دکھانا جائز نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۲۰۲ تا ۲۵۵ بحذف کثیر)

سیدنا حضرت پیر مہر علی شاہ گڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہ بھولئے:

”ان الفقهاء صرحوا بان العجم ضيعوا انسابهم“ فقہائے کرام نے وضاحت فرمائی کہ بیشک عجمی لوگوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے ہیں یعنی ان کا اعتبار نہیں رہا۔ (فتاویٰ مہریہ ص ۱۹)

اے سادات!!! اپنے سید زادہ ہونے پر فخر کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا ایمان کامل ہوگا اور تقویٰ حاصل ہوگا تو سیادت بھی کام آئے گی۔ سب صحابہ کرام سے محبت کیجئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل مانجئے۔ تمام اہل بیت سے محبت کریں تو ہمیں پہلی طرح اپنا غلام اور محبت پالیں گے ورنہ تم کون، ہم کون؟؟؟

والمقدمة الاخرى: (اور دوسرا مقدمہ یہ ہے) پہلے جو آیت ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ ذکر کی، اسے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے پہلا مقدمہ بنایا۔ اب آپ دوسری آیت کو دوسرا مقدمہ بنا رہے ہیں جس سے نتیجہ نکالنا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستمرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضاء چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔ (کنز الایمان)

فَسَمِعْتَهَا الْاَتَقَىٰ ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ  
يَتَزَكَّىٰ ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ  
۝ اِلَّا اِنْغِثَاءً وَجْهَ رَبِّهِ الْاَعْلَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ  
يَرْضَىٰ ۝

(سورۃ الليل آیہ نمبر ۱ تا ۴)

اجمع المفسرون من اهل السنة و الجماعة على ان الایة نزلت فی الصديق رضی اللہ عنہ وانه هو المراد بالاتقی

اہل سنت وجماعت کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ بیشک یہ آیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں اتری ”الأتقی“ سے وہی مراد ہیں۔

## ابن ابی حاتم اور طبرانی کی روایت:

ان ابابکر اعتق سبعة كلهم يعذب في الله  
فانزل الله تعالى قوله وسيجنبها الاتقى  
الى آخر السورة

بیٹک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان  
سات غلاموں کو آزاد کیا (خرید کر) جو سب  
کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو  
اللہ تعالیٰ نے اپنا فرمان ”وسيجنبها الاتقى“  
تا آخر سورۃ نازل فرمایا۔

(در المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم والطبرانی تحت الآیۃ ۹۲/۲۱ تا ۲۱۷، الحاوی للفتاویٰ القتاویٰ القرآنیۃ  
سورۃ اللیل الفصل الاول ج ۱ ص ۳۲۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت، الصواعق المحرقة الباب الثالث  
الفصل الثانی)

## علامہ بغوی رحمہ اللہ کا قول:

قال ابن الزبير وكان ابو بكر يتباع الضعفة  
فيعتقهم فقال ابو ه اي بُني لو كنت تتباع  
من يمنع ظهرك؟ قال منع ظهري اريد  
فتزل وسيجنبها الاتقى الى آخر السورة۔

ابن زبیر فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ  
کنزور حال غلاموں کو خریدتے، پھر انہیں  
آزاد کر دیتے تو آپ کے باپ نے کہا: اے  
میرے بیٹے! کاش کہ تم ایسے غلام خریدتے  
جو تمہاری حفاظت کرتے (پشت پناہی کرتے  
) آپ نے کہا: میں اپنی حفاظت ہی چاہتا  
ہوں (یعنی کنزور حال غلاموں جنہیں کفار

(معالم التنزيل للبغوي)

ستاتے ہیں ان کو خرید کر آزاد کرنے میں میرا ارادہ یہی ہوتا ہے کہ یہ مجھے اخروی عذاب سے  
بچائیں گے) تو یہ آیت ”وسيجنبها الاتقى“ تا آخر سورۃ نازل ہوئیں۔

## حضرت بلال اور چھ اور غلاموں کو آزاد کیا:

تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت محمد بن اسحاق نے ذکر کیا بلال رضی اللہ عنہ قبیلہ  
بنی نضج کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام ہے اور بلال

ﷺ اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے اور امیہ بن خلف انھیں باہر لاتا، جب گرم دوپہر ہوتی تو انھیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا، پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتا، جوان کے سینہ پر رکھ دی جاتی۔ پھر کہتا: تم ایسے ہی پڑے رہو گے، یہاں تک کہ مر جاؤ یا تم محمد ﷺ سے کفر کر لو اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس مصیبت میں بھی اُحداً حد (اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے) پکارتے۔

”وقال بن اسحاق عن هشام بن عروة قال مر به ابوبکر يوما وهم يصنعون به ذلك وكانت دار ابي بكر في بني جمح فقال لامية (بن خلف) الاتتقى في هذا المسكون؟ قال انت افسدته فانذره مما ترى قال ابوبكر اقل عندى غلام اسود و اجلد منه و اقوى على دينك اعطيكه؟ قال قد فعلت فاعطاه ابوبكر غلامه واحذره فاعتقه ثم اعتق معه على الاسلام قبل ان يهاجر ست رقاب بلال ساہمہم“

اور محمد بن اسحاق ہشام بن عروہ سے روایت کی وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ”ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک دن بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا اور وہ لوگ ان کے ساتھ یہی برتاؤ کر رہے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گھر بھی بنی جمح میں تھا تو آپ نے امیہ کو کہا کیا تو اس مسکین کے بارے اللہ سے نہیں ڈرتا؟ تو اس نے کہا: تم نے ہی اسے بگاڑا ہے تو جو تم اس کا حال دیکھ رہے ہو، اس سے چھڑالو۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھیک میں یہ کر لیتا ہوں

میرے پاس ایک حبشی غلام ہے جو اس سے زیادہ بہادر اور طاقتور ہے اور وہ تمہارے دین پر ہے (کیا اس کے بدلے) میں وہ تمہیں دے دوں؟ امیہ نے کہا: مجھے منظور ہے تو حضرت ابو بکر نے اسے اپنا غلام دے دیا اور حضرت بلال کو اس سے لے کر آزاد کر دیا، پھر حضرت بلال کے ساتھ اسلام لانے کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ اور غلام آزاد کئے، ساتویں ان میں حضرت بلال تھے۔

وہ چھ اور غلام اور کنیزیں یہ تھے:

(۱) عامر بن قہیرہ (مصغر) کو آپ نے خرید کر آزاد کیا جو بدر اور اُحد کے غزوات

میں شریک ہوئے اور سرِ معونہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔

(۲) ام عسیس کو آپ نے خرید کر آزاد کیا۔

(۳) اور زہرہ کو خرید کر آپ نے آزاد کیا جب حضرت ابو بکر نے ان کو آزاد کیا تو ان

کی نظر چلی گئی، تو قریش نے کہا: اسے لات اور عزی (بتوں کے نام) نے

ہی اندھا کیا ہے ”فقال کذبوا و بیت اللہ ما تضر اللات والعزی

وماتنفعان فرد اللہ تعالیٰ الیہا بصرہا“ تو انہوں نے کہا: قسم ہے کعبہ کی

لات اور عزی نہ کوئی نقصان دے سکتے ہیں اور نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں تو اللہ

تعالیٰ نے ان کی نظر کو لوٹا دیا۔

(۴، ۵) چوتھی نہد یہ اور پانچویں ان کی بیٹی کو خرید کر آزاد کیا۔ یہ دونوں بنی عبد الدار کی

ایک عورت کی لونڈیاں تھیں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے

گزرے تو ان کی مالکہ عورت نے ان کو آٹا پینے کیلئے بھیجا تھا اور وہ انھیں کہہ

رہی تھی: قسم ہے اللہ کی میں تم دونوں کو کبھی آزاد نہیں کروں گی تو حضرت ابو بکر

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے فلاں! ہرگز نہیں (یعنی یہ ہرگز نہ کہو بلکہ آزاد کر دو) اس

نے کہا: ہرگز نہیں (یعنی آزاد نہیں کروں گی) ہاں! البتہ تم ان دونوں کو آزاد

کر دو۔ آپ نے کہا: کتنی قیمت سے؟ اس نے کہا: اتنی اتنی قیمت سے۔ آپ

نے کہا: ٹھیک ہے، میں نے (تمہاری منہ بولی قیمت سے) ان کو لے لیا ہے

اور ان کو میں نے آزاد کر دیا ہے۔

(۶) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بنی مومل کی ایک لونڈی کے پاس گزرے جس پر ظلم کیا

جا رہا تھا، آپ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ (معالم التنزیل للبعوی)

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں:

مجھے یہ خبر ملی کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو کہا کہ کیا تو بلال کو بیچ دے



گا؟ تو اس نے کہا: ہاں! تمہارے غلام نسطاس کے بدلے بیچ دوں گا۔  
 نسطاس جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غلامیت میں آیا تو وہ دس ہزار  
 دینار اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں اور مویشیوں کا مالک تھا، وہ مشرک تھا۔ حضرت  
 صدیق اس کو اسلام پر ابھارتے رہے کہ یہ اسلام لے آئے تو مال اس کا اسی کے پاس  
 رہنے دیا جائے لیکن اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو آپ کو وہ ناپسند ہو گیا ہے  
 جب امیہ نے کہا: میں بلال کو تمہارے غلام نسطاس کے بدلے بیچتا ہوں تو آپ نے  
 اسے غنیمت جانا تو حضرت بلال کو اس کے بدلے میں خرید لیا تو مشرکین نے کہا کہ  
 ابو بکر نے صرف اس لئے یہ کام کیا ہے کہ بلال کا ان پر کوئی احسان تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ  
 آیت کریمہ اتاری ”وما لاحد عنده من نعمة تجزی“ اور اس پر کسی کا کچھ احسان  
 نہیں کہ بدلہ دیا جائے۔ (معالم التنزیل للبخاری)

تنبیہ:

راقم کو دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی نظر آ رہا ہے کہ وہ نسطاس ہی حبشی تھا  
 اور مالدار ہونے کے ساتھ طاقتور اور بہادر بھی تھا اور مشرک بھی تھا۔

علامہ ابوسعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قد روی عطاء والضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہما (و ذکر قصة شراء بلال  
 واعتاقه قال فقال المشركون ما اعتقه  
 ابو بکر الا لید کانت عنده منزلة اه  
 ملخصاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (حضرت  
 بلال کو خریدنے اور آزاد کرنے کے واقعہ کو  
 ذکر کرنے کے بعد بیان کیا) کہ مشرکین نے  
 کہا: ابو بکر نے بلال کو صرف اسلئے خرید کر  
 آزاد کیا ہے کہ بلال کا ان پر کوئی احسان تھا  
 تو آیت کریمہ ”وما لاحد عنده من نعمة  
 تجزی“ اتری، اہ ملخصاً

(تفسیر ابوسعود)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”عن عروۃ ان ابا بکر الصدیق اعتق سبعة کلہم یعذب فی اللہ بلالا وعامر بن فہرہ و النہدیة وابنتہا وزہیرہ وام عیسی و امامۃ بن المؤمنل وفیہ نزلت وسیجنہا الاتقی الی آخر السورۃ“

عروہ فرماتے ہیں: بیشک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جن پر اللہ کی راہ میں ظلم کیا جا رہا تھا، وہ یہ تھے: بلال، عامر بن فہرہ، نہدیہ اور اسکی بیٹی زہیرہ، ام عیسیٰ اور بنی مؤمل کی لوٹڑی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ”وسیجنہا الاتقی (اور اس سے دوزخ بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے تا آخر سورۃ“

(ازالۃ الخلفاء عن خلافت الخلفاء فصل ہشتم، مقصد اول، مسلک اول، ج ۱ ص ۱۶۸ سہیل اکیڈمی لاہور)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان ابا بکر اشتری بلالا من امیۃ بن بیردۃ وعشرۃ اواق فاعتقہ للہ تعالیٰ فانزل اللہ ہذہ الایۃ ان سعیکم لشتی ای ان سعی ابی بکر وامیۃ وابی لمفترق فرقانا عظیما فشتان ما بینہما“

میں کہتا ہوں ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امیہ (اور ابی) بن خلف سے حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا (عین ممکن ہے یہ اس غلام کی قیمت ہو جس کے بدلے خریدا) پھر انہیں خاص اللہ کیلئے آزاد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ”ان

سعیکم لشتی“ جس کا مطلب یہ ہے: بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ اور خلف کے دونوں بیٹوں امیہ اور ابی کی کوششوں میں عظیم فرق ہے جن میں بہت دوری پائی گئی۔ (یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کوشش اسلامی اور شفقت پر مبنی اور ان دونوں کی کوشش کافرانہ اور ظالمانہ تھی) (الصواعق المحرقة بحوالہ ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی)

اور سردار ابن سردار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے حضرت صدیق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت بلال کو خریدنے اور آواز کرنے کے متعلق اشعار کہے:

جزی اللہ خیرا عن بلال و صحبہ  
عقیقا و اخزی فاکھا و اباجہل  
عشیة ہما فی بلال بسوءة  
ولم یحلرا ما یحذر المرء ذو العقل  
بتوحید رب الانام و قولہ  
شہدت بان اللہ ربی علی مہل  
فان تقتلونی فاقتلونی فلم اکن  
لاشرك بالرحمن من خيفة القتل

فیا رب ابراہیم و لعبد یونس  
وموسی و عیسی نجنی ثم تملی  
علی ظل یہوی الفی من آل غالب  
علی غیر برکات منه ولا عدل  
اللہ جزائے خیر عطا فرمائے بلال اور انکے ساتھیوں کی طرف سے عتیق  
(ابوبکر) کو اور رسوا کرے اکثر بازامیہ اور ابو جہل کو؛

یاد کرو اس شام کو جب ان دونوں نے بلال کا برا چاہا، وہ دونوں نہ ڈرے اس  
سے جس سے ڈرتا ہے انسان عقل والا؛

(انہوں نے بلال کا اس لئے برا چاہا) کہ وہ ایک مانتا ہے مخلوق کے رب کو  
اور اس کا کہنا یہ ہے، میں گواہی دیتا ہوں بیشک اللہ میرا رب میں اس میں  
مطمئن ہوں۔

۴۔ اگر قتل کرو گے مجھے تو تم قتل کرو گے مجھے (اس حال میں) کہ میں نہیں ہوں گا

شریک ٹھہرانے والا رحمان سے قتل کے خون سے؛

۵۔ تو اے ابراہیم کے رب اور اپنے بندے یونس کے اور موسیٰ اور عیسیٰ کے رب

مجھے نجات دے پھر مہلت نہ دے۔

۶۔ اسے جو ہو گیا خواہش کرنے والا آل غالب کے بھٹکنے کی اس کی خواہش میں نہ

برکتیں ہیں نہ عدل۔ (لباب التاویل (تفسیر خازن) تحت الآیہ ۱۷/۹۲)

وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابابکر

الصدیق فی قول الجمیع

(معالم التنزیل للبغوی تحت الآیہ "۱۷/۹۲")

”وقال الرازی فی مفاتیح الغیب اجمع

المفسرون منا ان المراد منه ابوبکر رضی

الله عنہ

(مفاتیح الغیب تفسیر کبیر زیر آیہ ۱۸/۹۲)

ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامة

ابن الجوزی اجمعوا انها نزلت فی ابی بکر

(الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الثاني

حتى بلغنی ان الطبری مع رفضه لم یسغ

له انکاره فی تفسیره مجمع البیان والفضل

ما شهدت به الاعداء الحمد لله رب

العالمین

”الحمد لله رب العالمین“

(فتاویٰ رضویہ از ج ۲۸ ص ۵۰۵ تا ۵۱۲)

علامہ رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر کو دیکھئے:

وسيجنبها ای سيجلها ويحمل منها على جانب يقال جنبته الشي ای بعدته و جنبته وفيه مسالتان

یعنی ”وسيجنبها“ کا معنی ہے دور رکھا جائے گا اس (نارِ جہنم) سے ”اتقی“ کو اور اس کو کنارے پر رکھا جائے گا عام طور پر کہا جاتا ہے ”جنبته الشي“ اس کا معنی ہوتا ہے میں نے فلاں شخص کو دور رکھا کنارے پر کر دیا اس میں دو مسئلے ہیں:

”المسئلة الاولى اجمع المفسرون منا على ان المراد منه ابو بكر رضی اللہ عنہ و اعلم ان الشيعة باسرههم ينكرون هذه الرواية ويقولون انها نزلت في حق علي ابن ابي طالب عليه السلام والدليل عليه قوله تعالى ويؤتون الزكوة وهم راكعون“

اہل سنت مفسرین کا اجماع ہے: اس پر ہے کہ مراد اس ”اتقی“ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ شیعہ سارے متفق ہیں: اس پر کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے والی روایات کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے قول پر بطور دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیش کرتے ہیں ”ويؤتون الزكوة وهم راكعون“ اس آیت میں زکوٰۃ دینے کا ذکر ہے اور آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہے۔

خیال رہے کہ راقم نے اس آیت کی تفسیر اپنے محل میں مفسرین کے اقوال کے اختلاف کے ساتھ ذکر کر دی، وہاں چھٹے پارے میں ہی دیکھی جائے۔ ”تو شیعہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیت ”وسيجنبها الاتقی الذی یؤتی مالہ بتزکی“ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ اس میں بھی اللہ کی راہ میں تزکیہ نفس کیلئے مال خرچ کرنے کا ذکر ہے۔

علامہ رازی رحمہ اللہ عقلی اور نقلی دلائل سے شیعہ کا رد کرتے ہیں:

آپ فرماتے ہیں:

جب بعض لوگوں نے میری محفل میں شیعہ کے قول کا ذکر کیا تو میں نے کہا میں اس پر عقلی دلیل قائم کرتا ہوں کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ ”اتقی“ سب سے بڑا پرہیزگار سے مراد وہ شخص ہے جو انبیاء کرام کے بعد سب مخلوق سے افضل ہو جب یہ بات ثابت ہے تو ضروری ہے کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

”لما ذکر بعضهم فی محضری قلت اقیم الدلالة العقلية على ان المراد من هذه الاية ابو بكر وتقریرها ان المراد من هذا الاتقی هو افضل المخلوق فاذا كان ذلك وحب ان يكون المراد هو ابو بكر“

دعویٰ پر دلیل:

یہاں دو مقدمے ہیں: جب وہ صحیح ہیں تو مقصود بھی صحیح ہے بیشک ہم یہی کہتے ہیں کہ بیشک مراد اس ”اتقی“ سے افضل المخلوق ہے اسلئے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ بیشک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

فہاتان المقدمتان منی صحتناصح المقصود انما قلنا ان المراد من هذا الاتقی افضل المخلوق لقوله تعالیٰ ان اکرمکم عندالله اتقاکم والا کرم الافضل فدل ان کل من اتقی وحب ان يكون افضل“

”اکرم“ کا مطلب افضل ہی ہے لہذا رب تعالیٰ کا ارشاد اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے وہ سب سے افضل ہے۔

اعتراض:

آیت کریمہ سے تو یہ سمجھ آ رہا ہے ہر وہ جو اکرم

فان قبل الآیة دلت على ان کل من كان

ہے وہ اتقی ہے آیہ کریمہ اس پر دلالت نہیں کر رہی کہ جو ”اتقی“ ہے وہ اکرم ہے۔

اکرم کان اتقی وذلک لا یقتضی ان کل من اتقی کان اکرم

جواب:

انسان کا وصف ”اتقی“ بڑا پرہیزگار ہونا تو معلوم ہے اور مشاہدہ میں ہے اور افضل ہونے والا وصف غیر معلوم اور غیر مشاہدہ ہے قانون یہی ہے اور یہی طریقہ مستحسن ہے کہ معلوم سے غیر معلوم پر دلیل قائم کی جاتی ہے لیکن غیر معلوم سے معلوم پر دلیل قائم کرنا کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاہد ووصف کونہ افضل معلوم ولا مشاہد والاخبار عن المعلوم بغیر المعلوم هو الطریق الحسن اما عکسہ فغیر مفید۔

اور دوسری وجہ یہ ہے:

آیہ کریمہ گویا کہ سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ تھا کہ اللہ کے ہاں اکرم افضل کون ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیہ کریمہ کی تقدیر یہ ہے ”اتقاکم اکرمکم عند اللہ“ جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے وہی تم سے زیادہ عزت والا ہے، اللہ کے ہاں۔ ہم کہتے ہیں: ضروری ہے کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد دو گروہ بن گئے: ایک اہل سنت کا جو یہ کہتے ہیں سب سے افضل ابوبکر ہیں اور دوسرا گروہ شیعہ کا جو یہ کہتے ہیں: حضرت علی

تقدیر الآیة کانه وقعت الشبهة فی ان الاکرم عند اللہ من هو افضل هو الاتقی ولانا کان كذلك کان التقدير اتقاکم اکرمکم عند اللہ فثبت ان الاتقی المذکور وان یکون المراد به ابوبکر لان الامة مجمعة علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ ﷺ اما ابوبکر او علی ولا یمکن حمل هذه الآیة علی علی ابن طالب فتصیها حملها علی ابوبکر

افضل ہیں لیکن اس آیت کریمہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر محمول کرنا تو ممکن نہیں اسلئے معین ہو گیا کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ہی محمول ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آیت کریمہ کو محمول کرنا کیوں ممکن نہیں؟

وانما قلنا انه لا يمكن حملها على علي ابن ابي طالب لانه قال في صفة لانه اخذه من ابيه وما لاحده عنده من نعمة تحزى وهذه الوصف لا يصدق على علي بن ابي طالب لانه كان في تربية النبي ﷺ لانه اخذه من ابيه وكان يطعمه ويسقيه ويكسوه ويريه وكان الرسول ﷺ منعماً عليه نعمة بحب جزاؤها اما ابوبكر فلم يكن النبي ﷺ عليه نعمة دنيوية بل ابوبكر كان ينفق على الرسول علي وثبت ان الآية غير سالحة لعلي تعين حملها على ابي بكر رضي الله عنه وثبت دلالة الآية ايضاً على ابا بكر افضل الامة

ہم نے کہا کہ اس آیت کو حضرت علی بن ابی طالب پر محمول کرنا ممکن نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ”اتقی“ سب سے زیادہ پرہیزگار کا وصف یہ بیان کیا گیا ”وما لاحد عند من نعمة تحزى“ اور اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ یہ وصف حضرت علی بن ابی طالب پر سچا نہیں آتا اسلئے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان کے باپ سے تربیت کیلئے لیا تھا آپ ہی ان کو کھلاتے تھے اور پلاتے تھے اور لباس عطاء فرماتے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پر انعامات تھے جن کی جزاء ان پر واجب تھی ان کی کوئی مالی انعام و احسان نہ تھا کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دنیاوی مالی احسان نہیں تھا بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ پر مال خرچ کرتے تھے ہاں البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر پر احسان ہدایت دینے اور دین کی راہنمائی کا تھا مگر یہ کہ اس کا بدلہ نہ ہی طلب کیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی بدلہ دے سکتا ہے رب تعالیٰ کا ارشاد گرامی اس پر واضح دلالت کر رہا ہے ”قل لا اسئلكم عليه من اجر ان اجري على رب



العالمین “آپ فرمادیتے ہیں! میں تم سے سوال نہیں کرتا اس (تبلیغ دین پر) کسی اجر (بدلہ) کا میرا اجر تو صرف سب جہانوں کے مالک کے ذمہ کرم پر ہے۔

یہاں مذکور مطلق نعمت نہیں بلکہ ”نعمتہ تجزئی“ ہے یعنی ایسی نعمت جس کا بدلہ تو دیا جاسکتا ہو لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر وہ احسان کسی کا نہیں، تو یہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ بیشک یہ آیت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کیلئے ثابت نہیں۔

جب یہ ثابت ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو انبیاء کرام کے بعد مخلوق سے افضل ہے، عقلی احتمال دوتھے: اس سے مراد حضرت ابو بکر ہیں یا حضرت علی رضی اللہ عنہما، جب دلائل سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد نہیں تو معین ہو گیا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر محمول ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب امت سے افضل ہیں اس کے بعد علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے نقلی دلیل دی جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دوسرے غلاموں کو آزاد کرنے کا ذکر ہے وہ چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رضویہ سے تفصیلی طور پر ذکر کیا جا چکا ہے اسے دوبارہ ذکر کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳۱ ص ۲۰۵ ص ۲۰۶)

علامہ رازی کی اسی بحث سے ایک اور اعتراض اٹھ گیا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر ان کے والدین کا احسان تھا تو کیسے کہا جاتا ہے کہ ان پر کسی کا احسان نہیں تھا، والدین کا احسان تو بہت واضح اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے سمجھ آ رہا ہے ”ان اشکر لی ولو الدیک“ شکر یہ تو ہے ہی احسان کا، اس کا جواب بھی یہی ہے کہ والدین کا احسان بھی اولاد پر عدم سے وجود میں لانے کا ہے اس احسان کا بھی کوئی بدلہ نہیں دے سکتا لہذا والدین کا احسان ”نعمتہ تجزئی“ میں داخل ہی نہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی مزید وضاحت:

میں کہتا ہوں جو فاضل امام (مخبر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ بیان فرمایا۔

کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت میں تھے:

اور بیشک آپ نے انھیں ان کے والد (ابوطالب) سے لے لیا تھا اس کا ذکر محمد بن اسحاق اور ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحاق کے الفاظ یوں ہیں:

حدثنی عبد اللہ بن ابی نعیح عن مجاہد بن جبیر ابی الحجاج قال کان من نعمة اللہ علی علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ مما صنع اللہ تعالیٰ له و اراده به من الخیر ان قریشا اصابتهم ازمة شديدة و کان ابو طالب ذا عیال کثیر فقال رسول اللہ ﷺ للعباس عمہ و کان من ایسر بنی ہاشم یا عباس ان احاک ابا طالب کثیر العیال و قد اصاب الناس ما تری من هذه الامة فانطلق بنا الیہ فلنخفف عنه من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا و تاخذ انت رجلا فنکلتہما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب فقالا له انا نرید ان نخفف عنک من عیالک حتی ینکشف عن الناس ما ہم فیہ فقال لہما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما فانخذ رسول اللہ علیا فضمه الیہ و اخذ العباس جعفر افضمه الیہ فلم یزل علی رضی اللہ عنہ مع رسول اللہ ﷺ

مجاہد بن جبیر ابو الحجاج فرماتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کی اور بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس کو فرمایا: وہ بنی ہاشم کے بڑے مال داروں میں سے تھے، اے عباس! بیشک آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو مشکل آئی ہوئی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو، ہمارے ساتھ چلو کہ ہم ان کے پاس جائیں، ہم ان سے ان کی اولاد کا بوجھ ہلکا کریں ان کے بیٹوں میں سے ایک میں لے لوں اور ایک تم لے لو ان کا بوجھ ہم برداشت کریں، عباس نے کہا: ٹھیک ہے تو دونوں چلے یہاں تک کہ ابوطالب کے پاس آگئے تو دونوں نے انھیں کہا: ہم چاہتے ہیں کہ تم سے تمہاری اولاد کا بوجھ ہلکا کریں اسی وقت تک کہ لوگ جس سختی میں مبتلا ہیں وہ ان سے دور ہو جائے تو ابوطالب نے ان

دونوں کو کہا: عقیل کو تم میرے پاس چھوڑ دو باقی جو تم چاہتے ہو کرو تو رسول اللہ ﷺ نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگالیا اور عباس نے جعفر کو لے کر اپنے ساتھ ملا لیا، علی رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا (یعنی اعلان نبوت کی اجازت دی) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی تابعداری کی آپ پر ایمان لایا اور آپ کی تصدیق کی، جعفر عباس کے پاس ہی رہے یہاں تک کہ ایمان لا کر بے پرواہ ہو گئے۔

حتى بعثه الله تبارك وتعالى نبيا فاتبعه  
علی وامن به علی وصدقہ ولم یزل جعفر  
عند العباس حتی اسلم واستغنی عنه  
انتهی

(السیرة النبویة لابن ہشام الجزء الاول والثانی  
ص ۲۳۶ دار ابن کثیر بیروت)

### نعمت حضرت بتول سے مکمل ہوئی:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر کے ان کو نعمت عظمیٰ سے نوازا۔  
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ پر مال خرچ کرتے تھے:

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بہت ظاہر اور واضح ہے:

امام احمد اور بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان و مال میں مجھ پر زیادہ احسان ہو سوائے ابو بکر بن ابی قحافہ کے، اگر لوگوں

”اخرج الامام احمد والبخاری عن ابن  
عباس عن النبی ﷺ قال انه لیس من  
الناس احد امن علی فی نفسه وماله من  
ابی بکر بن ابی قحافة ولو کنت متعذرا  
من الناس خلیلا لاتعدت ابا بکر خلیلا

میں سے کسی کو میں خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے اس مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دو سوائے ابو بکر کے دروازہ کے۔

ترمذی نے اپنی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کسی شخص ہم پر احسان نہیں مگر یہ کہ ہم نے اس کا بدلہ دے دیا سوائے ابو بکر کے بیشک ان کا ہم پر وہ احسان ہے کہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن عطاء فرمائے گا اور نہیں نفع دیا مجھے کسی کے مال نے ہرگز اتنا جتنا مجھے ابو بکر کے مال نے نفع دیا اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا خبردار بیشک تمہارے صاحب محمد ﷺ اللہ کے دوست ہیں۔

ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رحم کرے اللہ تعالیٰ ابو بکر پر کہ مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور مجھے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) تک پہنچایا اور آزاد کیا بلال کو اپنے مال سے خرید کر امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ

ولكن خلة الاسلام افضل سدوا عنى كل نحوحة فى هذا المسجد غير نحوحة ابى بكر  
(بخارى كتاب الصلاة ج 1 باب نحوحة الكرمي المسجد مسند احمد بن حنبل عن ابى ابن عباس)

”واخرج الترمذى عن ابى هريرة عن النبى ﷺ ما لاحد عندنا يد الا وقد كافيناها ما احلنا ابابكر فان له عندنا يدا يكافيه الله بها يوم القيامة وما نفعنى مال احد قط ما نفعنى مال ابى بكر ولو كنت متخذنا حليلا لاتخذت ابابكر حليلا الا وان صاحبكم (اى محمد ﷺ) خليل الله“

(ترمذی، ج 2 ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصديق رضی اللہ عنہ)

”واخرج ايضا عن على رضى الله عنه عن النبى ﷺ رحم الله تعالى ابابكر زوجنى اهنته و حملنى الى دار الهجرة واعتق بلا لا من ماله“

(ترمذی ج 2 ابواب المناقب)

واخرج الامام احمد و ابن ماجه عن ابى

ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ ما  
تفعنی مال قط ما تفعنی مال ابی بکر  
فیکی ابوبکر وقال هل انا و مالی الا لك یا  
رسول اللہ  
(سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق و مسند  
احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ)

واخرج الطبرانی عن ابی عباس رضی اللہ  
عنه عن النبی ﷺ ما احد اعظم عندی  
یدا من ابی ابکر و اسانی بنفسه و مالہ  
و لنکحنی ابتہ  
(المجم الکبیر حدیث 11461 المکتبہ الفیصلیہ  
بیروت ج 11 ص 191)

اور ابو یعلیٰ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ  
صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث ابن ماجہ کی  
حدیث کی طرح (ان الفاظ سے ہی) ذکر کی  
جو حضرت ابو ہریرہ سے ابن ماجہ نے روایت  
کی اور ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول یہ  
ہے کہ یہ حدیث علی و ابن عباس و جابر بن  
عبداللہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے بھی مروی  
ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے  
مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا: رسول  
اللہ ﷺ حضرت ابوبکر کے مال سے قرض  
ادا کرتے جیسے اپنے مال سے قرض ادا کرتے

واخرج ابو یعلیٰ من حدیث ام المؤمنین  
الصدیقہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً مثل  
حدیث ابن ماجہ عن ابی ہریرہ قال ابن  
حجر قال ابن کثیر مروی ایضاً من  
حدیث علی و ابن عباس و جابر بن عبد  
اللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہم  
واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب  
مرسلاً و زاد و کان ﷺ یقضى فی مال  
ابی بکر کما یقضى فی مال نفسه  
واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشہ  
و عروہ ان ابابکر اسلم یوم اسلم له اربعون

الف دینار وفي لفظ اربعون الف درهم  
فانفقها على رسول الله ﷺ

(یا) رسول اللہ ﷺ وہی فیصلہ (تصرف)  
فرماتے ہیں جو اپنے مال میں تصرف فرماتے  
۔ ابن عسا کرنے متعدد سندوں حضرت  
عائشہ اور حضرت عروہ سے روایت کی کہ  
بیشک حضرت ابو بکر نے جس دن اسلام قبول  
کیا اس دن آپ کے پاس چالیس ہزار  
دینار تھے اور ایک روایت کے مطابق چالیس  
ہزار درہم تھے وہ سب رسول ﷺ پر خرچ  
کر دیئے۔

### اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

اسی مضمون کی حدیث ابن عدی نے بھی ذکر کی ہے:

”عن انس قال رسول الله ﷺ لابی بکر ما  
اطيب مالک منه بلال مودنی وناقنی التی  
هاجرت علیها وزوجتی انبتک وو  
امتنی بنفسک ومالک کانی انظر الیک  
علی باب الجنة شفیع لامتی“

”ابن عدی نے مکمل اسناد سے حضرت انس  
رضی اللہ عنہ سے روایت کی: رسول اللہ ﷺ نے  
ابو بکر سے فرمایا: تمہارا مال کتنا ستمرا ہے کہ اسی  
سے میرا مؤذن بلال (خریدا گیا) ہے  
اور اسی سے میری اونٹنی ہے جس پر (سوار  
ہو کر) میں نے ہجرت کی، اور تم نے اپنی بیٹی  
میرے نکاح میں دی اور اپنی جان و مال سے  
میری مدد کی گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں جنت  
کے دروازے پر کھڑے ہو میری امت کی  
شفاعت کر رہے ہو۔

(ترجمہ ابانی بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ج ۱  
ص ۳۷۵)

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 515-521)

دونوں آیات سے نتیجہ یہ نکلا حضرت ابو بکر سب سے افضل ہیں:

آئیے! راقم کے اس عنوان کی تفصیل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں دیکھئے:

”فنقول وصف الله سبحانه وتعالى  
الصدیق بانہ اتقی ووصف الاتقی بانہ  
اکرام انتحت المقدمتان ان الصدیق اکرم  
عند الله“

ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صدیق رضی اللہ عنہ  
کا وصف بیان کیا وہ اتقی (سب سے بڑے  
پرہیزگار) ہیں اور اتقی کا وصف بیان فرمایا  
کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ  
دیا کہ صدیق اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکرم  
(سب سے افضل) ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 530)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی دلیل کا انداز احادیث سے مستنبط ہے:

وعن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ  
کل مسکر خمر وکل خمر حرام ومن  
شرب الخمر فی الدنيا فمات وهو یلمنھا  
لم یتب لم یشرھا فی الآخرة“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول  
اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ دینے والی چیز خمر  
سے اور ہر خمر حرام ہے جس نے خمر (شراب)  
دنیا میں پیا تو اس کی موت شراب پینے کی  
عادت پر ہی آگئی اس نے توبہ نہ کی تو وہ

(رواہ مسلم و مشکوٰۃ باب بیان الخمر) آخرت میں اسے نہیں پئے گا۔

یعنی پہلے دونوں مقدموں سے نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ نشہ دینے والی چیز حرام ہے  
اگر حرام کو جائز سمجھا تو جنت میں داخل ہی نہیں ہوگا کیونکہ حرام کو حلال ٹھہرانے والا کافر  
ہوتا ہے اور اگر جائز نہ سمجھا اور بالآخر جنت میں داخل ہوگا لیکن شراب طہور کی نعمت سے  
محروم ہوگا۔ راقم کی بیان کردہ دونوں شقوں کو لمعات کی اس عبارت میں دیکھئے۔

قولہ ﷺ لم یشرھا فی الآخرة اما کفایة عن عدم دخول الجنة او المراد حرمانه من  
هذه النعمة“ (لمعات)

ابوداؤد شریف کی حدیث میں ”کل مسکر حرام“ الفاظ مبارکہ بھی مسلم کی حدیث کے نتیجہ کی طرف دلالت کر رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ حوالہ مذکورہ)

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من اقتبس بابا من علم النجوم لغير ما ذكر الله فقد اقتبس شعبة من السحر المنجم كاهن والكاهن ساحر والساحر كافر  
 حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے علم نجوم سے کچھ حصہ حاصل کیا سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تو اس نے جادو کا ایک حصہ حاصل کر لیا نجومی کاهن ہے اور ساحر ہے اور ساحر کافر ہے۔ (رواہ زرین مشکوٰۃ باب الکہانہ)

پہلے دو مقدمات ”المنجم کاهن“ اور ”الکاهن ساحر“ سے نتیجہ واضح ہے ”المنجم ساحر“ اس کے ساتھ ایک اور مقدمہ ملایا ”والساحر کافر“ تو نتیجہ واضح ہو جاتا ہے ”المنجم کافر“۔

عن عبد الله بن مسعود قال لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله فجاءته امرأة فقالت: انه بلغني انك لعنت كيت وكيت فقال مالي لا العن من لعن رسول الله ﷺ ومن هو في كتاب الله فقالت لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدت فيه ما نقول قال لعن كنت قرأتيه لقد وجدت فيه ما قرأت ما اتاكم الرسول فعذوه وما نهاكم عنه فانتهوا قالت بلى قال فانه قد نهى عنه  
 حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہے جسم میں سوئی سے رنگ بھرنے اور بھروانے والیوں پر اور چہرے سے بال نوچنے والیوں پر اور دانتوں میں جھری بنانے والیوں پر حسن کیلئے یہ اللہ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں تو ایک عورت ان کے پاس آئی اس نے کہا: مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم نے اس طرح لعنت کی ہے، تو آپ نے فرمایا: مجھے کیا ہوا کہ میں لعنت نہ کروں ان پر جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور وہ قرآن میں موجود ہے تو اس سے عورت نے کہا: میں نے

(بخاری و مسلم مشکوٰۃ باب التزیل)



دو تختیوں کے درمیان سارا قرآن پڑھا میں نے (لعنت کو) کہیں نہیں پایا۔ آپ نے فرمایا: اگر تم نے (غور سے) پڑھا ہوتا تو پالیتی، کیا یہ تم نے نہیں پڑھا جو عطاء کریں تمہیں رسول اللہ ﷺ وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ؟ اس عورت نے کہا: ہاں! یہ تو میں نے پڑھا ہے تو آپ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے اس منع کیا ہے۔

صحابی نے کیسے دلیل قائم کی اور نتیجہ نکالا؟

ہاں!! غور کیجئے، بات سمجھ آ جائے۔ آئیے!! پہلے ایک اور حدیث کو دیکھئے:

عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لعن اللہ الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو بالوں کے ساتھ دوسرے (انسانی) بال ملانی والیوں اور طوانے والیوں پر اور جسم میں سوئی سے رنگ بھرنے والیوں اور بھروانے والیوں پر۔

(بخاری مسلم باب الرجل مکتوۃ)

اب آپ دیکھئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کس طرح دلیل پکڑی۔ آپ نے فرمایا: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے جس چیز سے رسول اللہ ﷺ اس رک جاؤ۔ نہ رکنے والیوں پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی تو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی لعنت کا ذکر قرآن میں آگیا۔

نبی کریم ﷺ کے دو ارشاد جو پیش کئے یا یہ حدیث جو قریب متصل پیش کی، ان دلائل میں منفری، کبریٰ شکل وغیرہ نہیں بنائے گئے بلکہ ایک چیز سے دوسری ما استدلال کیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت ﷺ نے جو دو مقدمہ پیش کئے اور نتیجہ نکالا کیا۔ قانون منطق کے مطابق وہ صحیح ہے یا نہیں، اس کا ذکر بھی ان شاء اللہ آ رہا ہے، مسئلہ نکھر کر واضح ہو جائے گا۔

## سوال مقدر:

صمنی طور پر ایک سوال سمجھ آ رہا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دو آیتوں سے جو نتیجہ نکالا اس سے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اکرم ہونا سمجھ آیا افضل ہونا کس طرح ثابت ہے۔

## جواب:

والا فضل، والا کرم، والارفع درجۃ، والا علی مکانۃ، الفاظ معتورۃ علی معنی واحد، "افضل اور اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلیٰ منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر صادق آتے ہیں لہذا افضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۵۳۰)

## اعتراض:

زبدۃ التحقیق کے ص ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲ پر یہ لکھا گیا:

جس جس نے شان نزول کا سبب حضرت ابو بکر صدیق کو بتایا ہے ان میں سے ہر ایک نے "اتقی"، بمعنی "تقی" بتایا ہے اس کی وجہ ہے کہ سبب نزول برائے ابو بکر صدیق پر اجماع تسلیم ہو گیا مگر "الاتقی بمعنی تقی" یعنی ہر مومن لیا اور اشقی، "بمعنی شقی" یعنی کافر لیا۔ "اتقی" بمعنی "تقی" پر اجماع کیوں نہیں ہو گیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقائق پر فیصلے نہیں ہوتے بلکہ اپنی مرضی کے سودے ہیں، جو چاہے فیصلہ کر لیا۔

یہ اعتراض نیا نہیں، پرانے یاروں کی یاد تازہ کی گئی ہے:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے فرماتے ہیں "لکن المفضلة لهم کلام فیہ بثلاث وجوه نذکرہا نردھا بحیث لا یبقی ولا یلذر بتوفیق اللہ العلیٰ الا کبر"

لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے، ہم ان وجوہوں کو خدائے بزرگ اور ترکی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے ہیں جو کوئی شبہہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۵۳۰)

تینوں اعتراض آپ دیکھیں گے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ زبدۃ التحقیق میں کوئی نیا کارنامہ انجام نہیں دیا گیا بلکہ پرانے تفضیلی یاروں سے یک جہتی کا مظاہرہ کیا گیا۔

علیٰ حضرت رحمہ اللہ اعتراض کی تقریر فرماتے ہیں:

ہم کہتے ہیں (تفضیلیوں) کا پہلا شبہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر کی اتقی (صفت مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ کہ صرف تقویٰ سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم و بیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال جس کی بنیاد ”اتقی“ کے اسم تفضیل ہونے پر تھی (جز سے اکھر پڑا۔

فقول الشبهة الاولى ان من المفسرين من كسر الاتقى بالتقى كما في المعالم والبيضاوي وغيرهما من التفاسير وغيرها سقط الاحتجاج عن اصله

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 531-530)

قارئین کرام!! یقیناً آپ کو سمجھ آ گیا ہو گا کہ زبدۃ التحقیق میں اسی اعتراض کو حل کیا گیا جو پرانے تفضیلیوں نے کیا تھا اور علیٰ حضرت رحمہ اللہ نے بہت تفصیلی طور پر اس کا جواب دیا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے یہ تو معاملہ قسمت کا ہے۔

علیٰ حضرت رحمہ اللہ نے پرانے تفضیلیوں کو جواب دیا:

اس جواب کیلئے آپ نے پانچ مقدمات قائم کئے، پانچ مقدمات کو پہلے ہمارے دیکھئے پھر تفصیل۔

پہلا مقدمہ: عقل و نقل کی کثیر دلیلیں اس پر شاہد ہیں کہ کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنی سے پھیرنا بغیر ان وجوہ کے جو مجاز کا تقاضا کرتی ہیں تاویل نہیں بلکہ تفسیر و تبدیل ہے جو جائز نہیں۔

دوسرا مقدمہ: تفاسیر کی ہر بات کو ماننا ضروری نہیں، جب تک اس پر عقلی و نقلی دلیل نہ پائی جائے۔ اگر تفاسیر میں مرجوح، ضعیف اقوال ہوں تو ان کا چھوڑنا ضروری ہے۔

تیسرا مقدمہ: تفاسیر میں کبھی اقوال متعارضہ پائے جاتے ہیں، ان میں جو روشن تر اور قوی ہو صرف وہی لیا جائے گا۔  
چوتھا مقدمہ: ”اتقی“ کی تفسیر ”تقی“ سے ابو عبیدہ سے منقول ہے۔  
خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا۔

پانچواں مقدمہ: جن مفسرین نے ”اتقی“ کی تفسیر ”اتقی“ سے کی ہے انہوں نے ”اشقی“ کی تفسیر ”شقی“ سے کی ہے، اس کی وضاحت تفصیل میں آ رہی ہے۔

﴿پانچوں مقدمات کو تفصیل سے دیکھئے﴾

پہلے مقدمہ کی تفصیل:

عقل و نقل کی کثیر دلیلیں اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہری معنی سے پھیرنا منع ہے، جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو۔ تاویل جو لفظ کو ظاہری معنی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ”والا لم یکن هذا تاویلا بل تغیرا و تبدیلا“ ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تفسیر و تبدیل ہوگا۔  
اگر بغیر ضرورت کے الفاظ کو ظاہر معنی سے پھیرنے کا دروازہ کھل جائے

نصوص شرعیہ یعنی قرآن و حدیث پر اعتبار اٹھ جائے گا جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ بہت ظاہر ہے اس لئے ہمیں اس پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ بعض علماء کرام نے اسے عقائد کی کتب کے متن میں درج کیا ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ الفاظ کو بغیر ضرورت کے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے۔

بد مذہبوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ الفاظ کو ظاہری معانی سے پھیر دیں:

وانہ لحقیق بہ فان قصاری ہمم المبتدی  
عن آخرهم انما هو صرف النصوص عن  
الظواہر و ارتکاب تاویلات فاسدة و  
احتمالات کاسدة و اعذار باردة فوجب  
علینا حسم مادتها باہجاب حمل  
النصوص علی ما یعطیہ ظاہرها الا  
بضرورة ابدا و هذا ظاہر جدا

اور یہ مسئلہ اسی کا حقدار ہے کہ الفاظ کو ظاہری معنی سے بغیر ضرورت کے نہ پھیرا جائے اس لئے کہ بد مذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے کہ عبارات شرعیہ کو ان کے ظاہری معانی سے پھیر دیں اور فاسد تاویلوں اور کھوٹے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقام ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری معانی پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کا مادہ کاٹ دیں اور یہ بات بہت واضح ہے۔

حقیقت کو چھوڑ کر مجازی معانی لینے کے مواقع:

پہلے قانون کو مد نظر رکھیں:

”ومن حکم هذا الباب ان العمل بالحقیقة  
منی امکن سفظ المحاز لان المستعار  
لا یزاحم الاصل“

حقیقت و مجاز کا حکم یہ ہے جب تک حقیقت پر عمل ممکن ہو تو مجازی معنی مانگ کر لیا جاتا ہے، مانگی ہوئی چیز اصل کے برابر نہیں ہو سکتی۔

(۱) کبھی حقیقی معنی چھوڑا جاتا ہے دلالت محل کلام کی وجہ سے، حقیقی معنی لینے سے کذب لازم آئے، جیسے حقیقی معنی لینے سے معصوم ذات پر گناہ ثابت ہو رہا ہو تو مجازی معنی لینا ضروری ہوگا، اس لئے ”عسی آدم رہہ فغوی“ اور ”لئن اشرکت لیحبطن عملک“ جیسے الفاظ کے مجازی معانی لینے ضروری ہوں گے وغیرہ کذلک۔

(۲) دلالت عادت کی وجہ سے حقیقی معنی چھوڑ دیا جائے گا، اسی دلالت عادت میں حقیقت معذرہ اور حقیقت مجبورہ دونوں ہی داخل ہیں۔

حقیقت معذرہ کی مثال جیسے کوئی کہے ”لا آکل من هذه النخلة“ میں اس کھجور کے درخت سے نہیں کھاؤں گا تو اس سے مراد کھجور کا درخت نہیں بلکہ اس کا پھل یا قیمت مراد ہے کیونکہ حقیقی معنی عقل و عادت میں معذرہ ہے بلکہ واقع میں بھی معذرہ ہے۔ حقیقت مجبورہ جو معذرتوں نہ ہو لیکن اسے عادت کے مطابق چھوڑ دیا گیا ہو یا شرعاً چھوڑ دیا گیا ہو۔ عادت مجبورہ کی مثال جس طرح کوئی شخص کہے ”لا اضع قدمی فی دار فلان“ میں فلاں کے گھر اپنا قدم نہیں رکھوں گا۔ اس کا مجازی معنی لیا جائے گا میں فلاں کے گھر داخل نہیں ہوگا، اگرچہ صرف جو توں کے بغیر نجا قدم رکھنا اور خود باہر بیٹھنا ممکن تو ہے لیکن عادت سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

شرعاً مجبور کی مثال جس طرح کوئی شخص اپنے جھگڑے میں وکیل بتائے تو اس کا حقیقی معنی تو یہ ہے کہ اپنے موکل کی وہ طرف داری کرے، دوسرے کی ہر بات کا انکار کرتا رہے لیکن شرعاً اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ مجازی معنی لیا جائے گا بلکہ مراد صرف جواب دینا ہے اور حق بات کو تسلیم کر لینا اور باطل کا انکار کرنا۔

(۳) ”بدلالة معنی يرجع الی المتکلم کما فی یمن الفور“ تیسری وجہ حقیقی معنی کو چھوڑنے کی معنی کی دلالت ہے جو متکلم کی طرف لوٹتی ہے جیسے

حالت غضب میں عورت گھر سے نکلنا چاہتی ہے اور مرد کہتا ہے: ”ان  
 خرجت فانك طالق“ اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے۔ وہ اسی حالت غضب  
 میں نکلی تو طلاق ہوگی، غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد نکلی تو طلاق نہیں ”ان  
 خرجت“ مطلق کو مجازی طور پر فوراً ان غضب مقید کر دیا گیا۔

(۴) جہاں حقیقی معنی چھوڑا جاتا ہے ”دلالت سیاق لفظ“ سیاق و سباق دونوں ہی مراد  
 ہیں یعنی اس لفظ سے یا بعد میں ایسے الفاظ ہوں جس سے پتہ چل جائے کہ  
 اس کا حقیقی معنی مراد نہیں، جیسے رب تعالیٰ کا ارشاد ”فمن شاء فليؤمن ومن  
 شاء فليكفر انا اعتدنا للظالمين نارا“ جو چاہے ایمان لے آئے  
 اور جو چاہے کفر کرے بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے ظالموں کیلئے آگ کو۔

یہاں بظاہر سمجھ آ رہا تھا کہ کفر کی اجازت دی گئی بلکہ حکم دیا لیکن بعد والے  
 مضمون سے پتہ چلا کہ کفر کی اجازت نہیں بلکہ وعید ہے کہ ہم نے تمہیں اختیار دیا ہے تم  
 اپنے اختیار سے کفر کرنا چاہو تو کرو لیکن جہنم کا ایندھن بنو گے۔

(۵) ”بد لالة اللفظ في نفسه“ لفظ کا ماخذ اشتقاق اور مادہ (حروف) دلالت  
 کرے کہ یہاں حقیقی معنی نہیں لیا گیا بلکہ مجازی معنی لیا گیا ہے جس طرح کوئی  
 آدمی قسم اٹھائے ”لا اكل لحما“ میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو اس لفظ سے  
 مچھلی کا گوشت کھانے سے حائث نہیں ہوگا کیونکہ ”لحم“ اپنے حقیقی معنی کے  
 لحاظ پر متولد من الدم پر بولتے ہیں۔ ”لحم سمك“ پر مجازی طور پر لحم  
 کا اطلاق ہے کیونکہ مچھلی میں خون نہیں۔ (حسامی مع نامی)

اس تفصیل کے بعد واضح ہوا:

کہ ”تقی“ اسم تفصیل ہے، اس کا حقیقی معنی ہے ”سب سے بڑا پرہیزگار“ اس  
 کا معنی ”تقی“ (پرہیزگار) کرنا حقیقت سے بغیر ضرورت کا پھیرنا ہے جو درست نہیں۔

دوسرے مقدمہ کی تفصیل دیکھئے:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس میں بہت مبسوط بحث کی ہے لیکن راقم اختصار سے ذکر کر رہا ہے۔

تفاسیر کی ہر بات کو قبول کرنا ضروری نہیں:

بہت سی متداول تفسیروں (ہاتھ بہا تھ چلنے والی تفاسیر) میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جسے قبول کرنا ضروری ہو، اگرچہ نہ کوئی دلیل عقلی اس کی معین ہونہ کوئی دلیل شرعی اس کی تائید کر رہی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیشک تفاسیر مرفوعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہو (وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جزء بلکہ ایک جزء کو بھی نہیں پہنچتا۔

ليس كل ما يذكر في التفاسير المتداولة واجب القبول وان لم يساعد معقول ويؤيده منقول والوجه في ذلك ان التفسير المرفوع وهو الذي لا محيص عن قبوله ابدان لم يسير جدا لا يبلغ المجموع جزءا او جزئين

علم تفسیر مشکل اور کم ہے:

امام جوینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم تفسیر مشکل اور کم ہے اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر ہے ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ اسے متکلم (عز وجل) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے سن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف پہنچنے کا امکان ہے بخلاف امثال واشعار کے اور ان جیسی اور باتوں کے انسان کو پونے والے کی مراد معلوم ہو سکتی ہے

قال الامام الحوینی التفسیر عسیر عسیر اما عسرہ فظاہر من وجوہ اظہر ما انه کلام متکلم لم یصل الناس الی مراده بالسمع منه، ولا امکان للوصول الیه بخلاف الامثال والاشعار ونحوها فان الانسان لا یمکن علمه منه اذا تکلم بان یسمع منه او ممن سمع منه واما القرآن فتفسیره علی وجه القطع لا یمکن الا بان



جب وہ بولے تو سننے والا خود اس سے سنے یا جس نے اس سے سنا ہے یہ اس سے سن لے لیکن قرآن پاک کی قطعی طور پر تفسیر تو سوائے رسول اللہ ﷺ سے سننے معلوم نہیں ہوگی اور (وہ جو رسول اللہ ﷺ سے سنا گیا) وہ تو معذرت (مشکل) ہے سوائے چند آیات کے تو اللہ تعالیٰ کی مراد کا علم حاصل ہوتا ہے علامات اور دلائل سے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس کے بندے اسکی کتاب میں غور و فکر کریں اس لئے اپنے نبی کریم ﷺ کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور بتانے کا حکم نہ دیا۔

يسمع من الرسول ﷺ وذلك متعذر الا في آيات متعددة قلائل فالعلم بالمراد يستنبط بامارات ودلائل والحكمة فيه ان الله تعالى اراد ان يتفكر عبادة في كتابه فلم يامر نبيه ﷺ بالتنصيص على المراد في جميع آياته ﷻ

(الاتقان بحوالہ الجوبنی فصل الحاجۃ الی التفسیر ج 2 ص 74 سہیل اکیڈمی لاہور)

### صحابہ اور تابعین کے بعد کثیر اقوال سے حق اور ناحق مل جل گیا:

امام زرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں فرمایا: جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کیلئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں: اول وہ تفسیر جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو اور یہی نمایاں طریقہ ہے لیکن اس میں ضعیف اور موضوع سے بچنا واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف و موضوع) زیادہ ہیں۔

(۱) وقال الامام الزرکشی فی البرہان للناظر فی القرآن لطلب التفسیر ماخذ کثیرة امہاتہا اربعة الاول النقل عن رسول اللہ ﷺ وهذا هو الطراز الاول لکن یحب الجدل من الضعیف فیہ والموضوع فانہ کثیر البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات ماخذ التفسیر ج 2 ص 256

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: صحیح اس میں

(۲) قال الامام السیوطی الذی صحیح

بہت کم ہیں اور موضوع کی بھی، کوئی اصل ملے وہ تو انتہائی قلیل ہیں اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان کے اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کیلئے کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا قول نہیں یہ اقوال تو صحابہ اور تابعین کے بعد ظاہر ہوئے جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں کشاکش ہوئی تو ہولغوی، ہرنحوی اور ہر عالم بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی، پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے شائق ہوئے تو جو انہوں نے پایا اسے نقل کر دیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی تاق سے آمیزش ہوئی۔

(مآوی رضویہ ج 28 ص 532 تا 534)

**بعض مفسرین کی غلطی کی دو وجہ سے ایک وجہ پائی جاتی ہے:**

ان دو وجہ میں سے پہلی وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرایا لیا پھر

من ذلك قليل جدا بل اصل الموضوع منه في غاية القلة وكذلك الماثور عن الصحابة الكرام والتابعين لهم باحسان قلائل لهذه الطوامير الكبر والاقاويل الذاهبة شذر منر فيها لا خير ولا اثر وانما حديث بعدهم لما كثر ت الاراء و تحاذبت الا هواء قام كل لغوى ونحوى و بيانى و كل من له ممارسة بشيء من انواع علوم القرآن يفسر الكلام العزيز بما سمح به فكره و ادى اليه نظره ثم جاء الناس مهر عين ويجمع الاقوال مولعين فنقلوا ما وجدوا و قليلا ما نقدوا فعن هذا جاءت كثر الاقاويل اختلاط الصواب بالباطيل

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)

احدهما قوم اعتقدوا معاني ثم ارادوا حمل الفاظ القرآن عليها و الثانى قوم

انہوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا اور دوسری وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہو سکتے ہیں انہوں نے قرآن کے متکلم اللہ تعالیٰ اور جس پر اترا اور جو اس کا مخاطب ہے..... کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنی کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا، انہوں نے قرآن کے الفاظ کی دلالت اور بیان جس کے وہ الفاظ سزاوار ہیں کو نظر انداز کر دیا اور دوسروں نے صرف لفظ اور جو عربی کی مراد ہو سکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 534)

فسروا القرآن بمحر ما يسوغ ان يریده  
من كان من الناطقين بلغة العرب من غير  
نظر الى المتكلم بالقرآن والمنزل عليه و  
المخاطب به فالاولون راعوا المعنى  
الذى رآوه من غير نظر الى ما يستحقه  
الفاظ القرآن من الدلالة والبيان و  
الآخرون راعوا محرد اللفظ وما يحوز ان  
يريد به العربى من غير نظم الى ما يصلح  
للمتكلم وسياق الكلام

(الاتقان النوع الثامن والسبعون ج 2)

ثعلبی، واحدی اور زمخشری کے متعلق:

مجمع البحار میں ابن تیمیہ کے رسالہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑ ہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح

وفى مجمع البحار عن رسالة ابن تيمية و  
فى التفسير من هذه الموضوعات  
كثيرة كما يرويه الثعلبي والواحدى و  
الزمخشري فى فضل السور والثعلبي فى  
نفسه كان ذا عهز ودين لكن كان  
مخاطب لاهل ينقل ما وجد فى كتب  
التفسير من صحيح وضعيف و موضوع

والواحدی صاحبہ کان ابصر منه بالعربية  
لکن هو ابعده عن اتباع السلف

وضعیف وموضوع جو کچھ پاتے نقل کر دیتے  
تھے اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں  
ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی  
پیروی سے بہت دور تھا۔ (زمخشری معتزلی تھا  
اس کا معتزلی ہونا بہت مشہور ہے)

مجمع البحار نوع فی تعیین بعض الوضائع وکتبہم مکتبہ  
دارالایمان مدینۃ المنورۃ ج 5 ص 231

### علامہ بغوی کی تفسیر کے متعلق:

کبھی محی السنۃ علامہ بغوی رحمہ اللہ اپنی تفسیر  
میں وہ معانی اور حکایات بیان کرتے ہیں جن  
سے علماء متاخرین کا ان کے ضعیف ہونے بلکہ  
ان کے موضوع ہونے پر اتفاق ہوتا ہے۔  
(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 538)

قد یدکر محی السنۃ البغوی فی تفسیرہ  
من المعانی والحکایات ما اتفقت کلمۃ  
المتاخرین علی ضعفہ بل علی وضعہ  
(مجمع البحار حوالہ مذکورہ)

### چند راویوں کے ضعف کو مد نظر رکھا جائے:

جویر کی روایت ضحاک سے اور ضحاک کی روایت ابن عباس سے ہو تو وہ  
ضعیف ہوگی "لان جویرا شدید الضعف متروک" اس لئے کہ جویر شدید الضعف  
اور متروک ہے۔ (الاتقان النوع الثمانون)

روایت میں بہت کمزور ضعیف سند کا طریقہ  
یہ ہے کہ کلبی کی روایت ابو صالح سے ہو اور  
ابو صالح کی ابن عباس سے ہو اور اگر  
اس کے ساتھ روایت محمد بن مروان سدی  
صغیر کی مل جائے تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے اور  
بہت روایات ثعلبی اور واحدی نے سدی صغیر  
سند سے بیان کی ہیں۔ البتہ ابن عدی نے

و اوہی طرفہ طریق الکلبی عن ابی  
صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذلک  
روایۃ محمد بن مروان السدی الصغیر  
فہی سلسلۃ الکذب و کثیرا ما یخرج  
منہا الثعلبی والواحدی ولکن قال ابن  
عدی فی الکامل للکلبی احادیث صالحۃ  
وعاصۃ عن ابی صالح وهو معروف

بالتفسیر ولیس لاحد تفسیرا طول منه ولا اشبع“  
 کمال میں یہ بیان کیا ہے کلبی کی روایات قابل قبول ہیں اور خصوصاً ابوصالح کی روایت سے وہ تفسیر کی وجہ سے معروف ہیں اور کسی کی تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں۔  
 (فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 539, 540 الاقان  
 المحدث الثمانون)

سدی دو ہیں: ایک صغیر اور ایک کبیر:

وقال الحاکم السدی شیعہ بسبب الشیخین اہ وقد ذکرنا ان السدی شخصان کبیر وہی سنی وصغیر وہو رافضی“  
 حاکم نے کہا: سدی شیعہ ہے کیونکہ وہ شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا ہے۔ علماء نے ذکر کیا کہ سدی دو شخص ہیں: ایک کبیر اور ایک صغیر، کبیر سنی ہیں اور صغیر شیعہ ہے۔  
 (مرقاۃ ج 11 ص 387)

بعض تفاسیر میں ایسی باتیں درج ہو گئیں جن کو دیکھ کر روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں:

بعض مفسرین نے اپنی تفاسیر میں وہ باتیں نقل کیں جن سے روٹ گئے کھڑے ہو جاتے اور دل انہیں ناپسند کرتے ہیں اور کان انہیں سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیائے کرام اور ملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں کو ثابت رکھا گیا ہے جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی اور جاہلوں کے دل میں ان کی عظمت کم ہو جاتی ہے یا ختم ہی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آدم و حوا علیہم السلام اور یاوداؤ علیہم السلام، سلیمان علیہ السلام اور ان کی کرسی پر پڑے ہوئے جسم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور خرائق علی کے واقعات اور ہاروت و ماروت اور باہل کے ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے ”  
 فبا اللہ التعوذ والیہ المشتکی“ اللہ کی پناہ اور اسی سے ان کی شکایت ہے۔

صحابہ کرام کے اختلاف بیان کرنے سے جہلاء، گمراہ اور گمراہ کرنے والے  
بن گئے:

واقعات سیرت اور غزوات بیان کرنے والے مصنفین نے صحابہ کے  
اختلافات کو بیان کرتے ہوئے بہت باتیں دین کے مخالف ذکر کر دیں اور ایمان کو  
کمزور کرنے والی باتوں کو انہوں نے شامل کر لیا۔ زیادہ فساد اس سے بڑھا کہ جن  
لوگوں کو نہ علم تھا اور نہ ہی انہیں عقل تھی ان کے پاس صحابہ کرام کے اختلافات کے  
واقعات جب آگئے تو وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔  
علمائے اہل سنت نے دونوں فریقوں کی غلطیوں پر مطلع کیا:

جن لوگوں نے انبیائے کرام کی شان کے خلاف واقعات بیان کئے یا صحابہ  
کرام کی شان میں ایسے واقعات بیان کئے جن سے دین و ایمان ضائع ہونے لگا  
اور گمراہی پھیلنے لگی، ان دونوں فرقوں کی غلطیوں پر تیبیہ کی گئی، ان کے عیب کھولے گئے۔  
یہ عظیم کارنامہ اہل سنت کے علماء قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں، علامہ  
خفاجی نے نسیم الریاض میں، علامہ قسطلانی نے مواہب میں، علامہ زرقانی نے شرح  
مواہب میں اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت میں اور کئی  
علمائے اہل سنت نے اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کر کے سرانجام دیا، فجزاہم اللہ خیراً۔  
حضرت داؤد علیہ السلام اور اورتیا کا واقعہ جو مفسرین نے لکھا:

حالانکہ وہ قول باطل اور مردود ہے جسے بیان کیا گیا۔ جن آیات کے تحت

لکھا گیا، پہلے ان آیات اور تراجم کو دیکھئے:

وَقُلْ اِنَّكَ نَبِيٌّ مِّنْ غَضَبِ اِلٰهِكَ اِذْ تَسُوْرُهَا  
الْمِحْرَابِ ۝ اِذْ دَعَلُوْا عَلٰى دَاوُدَ فَاَقْرَبْنَا مِنْهُمْ  
قَالُوْا لَا تَعْظُمْنَا عَلٰى بَنِيْ اٰدَمَ فَغَضَبْنَا عَلٰى

”کیا تمہیں اس دعویٰ والوں کی خبر نہ آئی  
جب وہ دیوار کو دیکھ کر داؤد کی مسجد میں آئے  
۔ جب وہ داؤد پر داخل ہوئے تو وہ ان سے

بَعْضٌ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ  
 وَكَهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَذَا لَأَمْرٌ  
 لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْبَةً وَلِي نَعْبَةٌ وَاحِدَةٌ  
 فَقَالَ أَكْفَلْتُمَهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ  
 لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْبِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۝ وَإِنَّ  
 كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَمَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ  
 بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ  
 قَلِيلٌ مَّا هُمْ ۝ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ  
 رَبَّهُ وَغَرَّ رَاكِبًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَلِكَ  
 وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحَسَنَ مَّآبٍ ۝

(پ ۲۳، سورۃ ص، آیہ ۲۱ تا ۲۵)

گھبرا گیا، انہوں نے عرض کی: ڈریئے نہیں  
 ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر  
 زیادتی کہ ہے تو ہم میں سچا فیصلہ فرمادیجئے  
 اور خلاف حق نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ  
 بتائیے۔ بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس  
 ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک  
 دنی۔ اب یہ کہتا ہے وہ مجھے حوالے کر دے  
 اور بات میں مجھ پر زور ڈالتا ہے۔ داد دے  
 فرمایا: بے شک یہ تمہ پر زیادتی کرتا ہے کہ  
 تیری دنی اپنی دنیوں میں ملانے کو مانگتا ہے  
 اور بے شک اکثر سامعے والے ایک  
 دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں مگر جو ایمان  
 لائے اور اچھے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔  
 اب داد سمجھا کہ ہم نے یہ اس کی جانچ کی تھی  
 تو اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں  
 گر پڑا اور رجوع لایا۔ تو ہم نے یہ معاف  
 فرمایا اور بے شک اس کے لئے ہماری  
 بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے۔

(کنز الایمان)



جلالین میں علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”هل اناک نبوا النخصم“ کیا کوئی ہے آپ کے پاس خبر جھگڑا کرنے والوں

کی۔ جب وہ دیوار کو دکر (داؤد کی) مسجد میں داخل ہو گئے۔ (هل) معنی الاستفہام

هنا التعجیب والتشویق الی استماع مابعدہ بل استفہامیہ اس مقام میں تعجب اور

شوق دلانے کیلئے ہے مابعد کے واقعہ کو سننے کیلئے (اتناک) میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہے، نبوا النخصم جھگڑا کرنے والوں کی خبر اور قصہ اذ تسوروا المحراب جب

وہ دیوار پھاند کر داؤد کی مسجد میں داخل ہو گئے۔ محراب کا معنی مسجد ہے اور الف لام عوض

مضاف الیہ ہے۔ ای محراب داؤد ای مسجدہ حیث منعوا الدخول علیہ

من الباب لشغلہ بالعبادۃ حضرت داؤد علیہ السلام جب علیحدہ عبادت میں مشغول ہوتے

تو مسجد کے دروازے بند کر دیئے جاتے تاکہ دروازہ سے کوئی داخل نہ ہو۔ اذ دخلوا

علی داؤد ففرع منهم قالوا لاتعف جب وہ داخل ہوئے داؤد پر تو وہ گھبرا گئے ان

سے۔ انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں! خصمان بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا

بالحق: ہم دو فریق ہیں زیادتی کی ہمارے بعض نے بعض پر تو آپ فیصلہ فرمادیں

ہمارے درمیان حق سے ولا تشطط واهدنا الی سواء الصراط اور ناسخ فیصلہ نہ

کریں اور ہدایت دیں ہمیں سیدگی راہ کی۔

”خصمان“ سے پہلے مفسر رحمۃ اللہ علیہ ”نحن“ ضمیر مقدر نکالی ہے اور ”خصمان

“ کے متعلق بیان فرمایا ”فریقان لیطابق ما قبلہ من ضمیر الجمع“ کہ یہاں

”خصمان“ کا معنی دو فریق ہیں کیونکہ فریق جمع کے معنی کو مشتمل ہوتا ہے۔

اس طرح ”تسوروا“ میں ضمیر جمع کے مطابق ”خصمان“ ہو جائے گا۔

وقیل انان والضمیر بمعناہما والمعصم یطلق علی الواحد واکثر۔ بعض

حضرات نے کہا کہ ”خصمان“ کا معنی تو دو محصم ہیں۔ البتہ تسوروا میں جمع کی



ضمیر تشبیہ کے حکم میں ہے کیونکہ ایک کے اوپر جمع کا اطلاق ہوتا رہتا ہے اور خصم کا لفظ بھی ایک اور زیادہ پر بولا جاتا ہے۔

راقم کے نزدیک ”تسروا“ کی ضمیر جمع کی ہی ہے اور ”خصمان“ دو خصم ہوں اور ایک سے اوپر جمع والا معنی لیا جائے اور خصم چونکہ ایک سے زائد پر بھی بولا جاتا ہے معنی صرف اتنا کر لیا جائے ”ہم جھگڑا کرنے والے لوگ ہیں“ تب بھی مطلب درست ہو سکتا ہے۔ تاہم دو فریق معنی کرنے میں زیادہ آسانی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے جو زیادہ تکلفات سے خالی ہے۔

وہما ملکنا جاء افي صورة عصمين  
 وقع لهما ما ذكر علي سبيل الفرص  
 لتعبيه داود عليه السلام علي ما وقع منه  
 وكان له تسع وتسعون امرأة شخص  
 لس له غيرها وتزوجها ودخل بها

حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر دو شخص آپ سے کلام کرنے والے فرشتے تھے جو انسانی شکل میں آئے تھے انہوں نے جو اپنا واقعہ بیان کیا وہ فرضی تھا جس کا ذکر آنے والی آیت میں آرہا ہے۔ کیونکہ فرشتے معصوم ہیں۔ ان کا جھگڑا کرنا اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنا ممکن نہیں۔

ان کا داؤد علیہ السلام سے سوال کرنا درحقیقت ان کو تشبیہ کرنی مقصود تھی جو ان سے فعل واقع ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ آپ کی ننانوے عورتیں (زوجات) تھیں اور ایک شخص جس کا نام ”اوریتا“ تھا۔ اس کی صرف ایک زوجہ تھی اس کے علاوہ کوئی اور نہ تھی۔ آپ نے اس سے مطالبہ کیا کہ تو اسے طلاق دے دے۔ اس نے شرم کے مارے طلاق دے دی۔ آپ نے اس سے نکاح کر لیا اور جماع کیا۔

ولا تشطط تجر و اهدنا ارشدنا الي سواء الصراط وسط الطريق الصواب  
 ”ولا تشطط“ کا معنی ”لا تجر“ بیان کیا ہے۔ یہ ”جار بحور جورا“ سے ”لا تجر“ مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے لیا۔ مطلب یہ ہے کہ فیصلہ میں زیادتی نہ کریں اور ہمیں ہدایت دیں۔ یعنی

ہماری راہنمائی کریں درمیانی راہ کی جو سیدھی راہ ہو۔

”ان هذا احسی له تسع وتسعون نعجة“ بیشک یہ میرا بھائی ہے، اس کی ننانوے دُنیاں ہیں۔ یہاں استعارہ پایا گیا ہے عورت کو دُنیا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ولی نعجة واحدة فقال اکفلیہا وعزنی فی الخطاب اور میری ایک دُنیا ہے تو اس نے کہا وہ میرے حوالے کر دے اور یہ اپنے حکم میں مجھ پر غالب آ گیا۔

”اکفلیہا“ کا معنی یہ ہے مجھے اس کا کفیل (ذمہ دار) بنا دے لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ اس نے کہا: وہ ایک دُنیا تو اپنی میرے سپرد کر دے۔ ”وعزنی“ کا معنی ہے ”غلبنی“ اور مجھ پر یہ غالب آ گیا ”فی الخطاب“ اپنے خطاب میں یعنی اپنے حکم میں اور اپنے جھگڑے میں۔

مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے ”فی الخطاب“ کا معنی ”فی الحدال“ کیا ہے۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام کا فیصلہ آرہا ہے۔ اس سے پہلے ضمناً سوال تھا کہ داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کی بغیر گواہوں کے بات سن کر کیسے فیصلہ دے دیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ”واقره الآخر علی ذلك“ کہ دوسرے نے اس کے قول کے مطابق اقرار کر لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فیصلہ فرمایا۔

قال لقد ظلمك بسؤال نعجتك الی نعاجه آپ نے فرمایا البتہ تحقیق اس نے ظلم کیا تم پر یہ سوال کر کے کہ تمہاری دُنیا اپنی دُنیوں سے ملائے۔ ”السی نعاجه“ کا تعلق فعل مقدر سے ہے ”لیضمها“ تاکہ ملائے اسے اپنی دُنیوں سے۔

وان کثیرا من المخلطاء لیبغی بعضهم علی بعض الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات وقلیل ما ہم بیشک بہت سے شریکوں میں سے البتہ زیادتی کرتے ہیں ان کے بعض بعض پر مگروہ جنہوں نے ایمان لایا اور اچھے عمل کئے اور تھوڑے ہیں وہ۔

”المخلطاء ای الشركاء“ یعنی جو اپنے مال دوسروں کے مالوں سے ملا کر

شُرکت کرتے ہیں۔ ”وقلیل“ کے بعد لفظ ”ما“ قلت کی تاکید کیلئے آیا ہوا ہے۔  
 فقال الملكان صاعدين في صورتيهما الى السماء قضى الرجل على نفسه  
 فتنبه داود ”تو وہ دونوں فرشتے اپنی اصلی صورتوں سے آسمانوں کی طرف چڑھتے  
 ہوئے یہ کہہ رہے تھے کہ اس مرد نے اپنے خلاف فیصلہ دے دیا۔ تو داؤد علیہ السلام کو پتہ  
 چل گیا۔

وظن داؤد انما فتناه اور یقین کر لیا داؤد نے کہ بیشک یہ ہم نے اس کی  
 آزمائش ہی کی تھی۔ ”وظن ای الیقین“۔ یعنی ”ظن“ کا معنی یقین کیا (فتناہ) ”او  
 قضاه فی فتنة ای بلیة بمحبة تلك المرأة“ یعنی داؤد نے یقین کر لیا کہ بیشک واقع  
 کیا ہم نے اسے اس عورت کی محبت کی آزمائش میں۔ فاستغفر ربه وخر راكعا  
 وانساب تو معافی طلب کی اپنے رب سے اور گر گیا سجدے میں اور رجوع کیا (رب کی  
 طرف) یہاں (راکعا) کا معنی ہے ”ساجدا“ سجدے میں گر گئے۔

طلاق دلا کر شادی کرنے کا واقعہ تفسیر ابی السعود میں بھی ذکر ہے لیکن جو  
 انہوں نے توجیہ بیان کی اور اس پر دلیل قائم کی وہ دلیل ان کی درست نہیں۔ توجیہ  
 انہوں نے یہ پیش کی:

طلب امرأة شخص فاستعنى الشخص داؤد علیہ السلام نے ایک شخص ”اوریا“ سے  
 وهو اوریا ان یرده وطلتها وهان ذلك مطالبہ کیا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے  
 جائزاً فی الشریعة تو اس نے شرم کے مارے آپ کی بات کو رد  
 نہ کیا بلکہ طلاق دے دی۔ یہ آپ کی شریعت میں جائز تھا کہ اگر کسی شخص کو دوسرے کی زوجہ  
 پسند آتی تو وہ اسے کہتا تو طلاق دے دے تاکہ میں اس سے شادی کر لوں۔

دلیل اس پر ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں یہ پیش کی:

وقد هان الانصار فی صدر الاسلام کہ انصار صحابہ کرام نے ابتدائے اسلام یعنی  
 یومنون المهاجرین بمثل ذلك من غیر ان کے اسلام لانے اور مهاجرین کے مدینہ

نکیر طیبہ میں آنے پر انہوں نے بھائی چارے اور ایثار کے طرز پر اگر کسی کی دو زوجہ تھیں اور مہاجر کی زوجہ نہ تھی تو ایک زوجہ کو طلاق دے کر مہاجر بھائی سے نکاح کر دیا اس کا کوئی انکار نہیں کیا گیا۔

لیکن ان کی یہ دلیل درست نہیں کیونکہ انصار صحابہ سے نہ مہاجرین نے مطالبہ کیا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے مطالبہ کیا۔ مطالبہ کر کے طلاق دینا زیادتی ہے اپنی مرضی سے بھائی چارے کے طور پر طلاق دینا ایثار ہے۔

علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ”اوریتا“ سے طلاق دلا کر خود اس کی عورت کو اپنے عقد میں لانے کا واقعہ اور توجیہ تفسیر ابی السعود کی طرح ہی بیان کی ہے۔ البتہ جو بعض لوگوں نے بہت ہی حد سے تجاوز کیا تھا ان کا رد کیا۔ جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اوریا کو کئی مرتبہ بلقاء کی لڑائی میں بھیجا اس خواہش سے کہ یہ قتل ہو جائے اور اس کی زوجہ سے شادی کر لوں یہ باطل ہے یہ تو کوئی نیک مسلمان بھی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ اللہ کا نبی اس طرح کا کام کیسے کر سکتا ہے۔

وما یحکى انه بعث مرة بعد مرة اوریتا  
الی غزوة البلقاء و احب ان یقتل  
لمتزوجها فلا یلیق من المتسمین  
بالصلاح من افناء المسلمین فضلا عن  
بعض اعلام الانبیاء

وقال علی رضی اللہ عنہ من حدیثکم  
بحدیث داود علیہ السلام علی ما یرویہ  
القصاص جلدتہ مائة وثمانین وهو حد  
القریة علی الانبیاء  
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص تمہیں  
داؤد علیہ السلام کے متعلق اس طرح بتائے جس  
طرح قصے بیان کرنے والے بتاتے ہیں تو  
اسے تم ایک سو اسی کوڑے لگاؤ۔ انبیاء کرام  
پر بہتان لگانے والے کی یہی حد ہے۔

(مدارک التنزیل)

تفسیر مظہری میں بھی: مدارک کی طرح ہی بیان کیا گیا۔ البتہ بعد میں بغوی کی

تفسیر سے آدم علیہ السلام کا اس خطا پر رونا، لمبا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

داؤد علیہ السلام کا واقعہ تین طرح بیان کیا گیا:

- ①: ایک قول والوں نے آپ کو گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرایا۔
- ②: اور دوسرے قول والوں نے آپ کو گناہ صغیرہ کا مرتکب ٹھہرایا۔
- ③: اور تیسرا قول وہ ہی جس میں نہ کبیرہ ہے نہ صغیرہ بلکہ نبی کی عظمتِ شان کے لائق ہے۔

پہلے قول والوں نے کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک ”اوریا“ شخص کی عورت پر عاشق ہو گئے، اسے حیلہ و بہانہ سے قتل کرادیا اور خود اس کی عورت سے شادی کر لی۔ یہ قول مردود و باطل ہے۔ ”ان هذه الحکایة لو نسبت الی افسق الناس و اشدھم فحورا لاستنکف منها“ اگر اس طرح کا واقعہ بڑے فاسق و فاجر کی طرف منسوب کیا جائے تو اسے بھی اس سے عار (شرم) محسوس ہوگی اور بڑے سے بڑا خبیث شخص ہو تو اس کی طرف بھی اس قسم کی بات کو منسوب کیا جائے تو وہ بھی اپنی طرف سے مندرج کرے گا۔

قتل عظیم جرم ہے:

اللہ تعالیٰ کے نبی کے متعلق یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا کہ اس نے اپنی خواہشات کیلئے ایک مسلمان کو قتل کرادیا جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے:

من سعی فی دم مسلم ولو بشطر کلمة  
جاء یوم القیامة مکتوبا بین یمینہ  
آیس من رحمة اللہ

جس نے مسلمان کے خون بہانے میں کوشش کی خواہ ایک کلمہ سے بھی وہ قیامت کے دن آئے گا اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا اللہ کی رحمت سے ناامید۔

اور ارشادِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

قال صلی اللہ علیہ وسلم المسلم من کامل مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے سلم المسلمون من لسانہ ویدہ  
مسلمان سلامتی میں رہیں۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی مسلمان کو قتل کرانے کی کوشش کرے اور اس کے ہاتھ سے نہ مسلمان کی جان محفوظ ہو اور نہ اس کی زوجہ۔

دوسرا قول یہ تھا کہ ”اوریا“ نے پہلے منگنی کر لی تھی۔ اسے داؤد علیہ السلام نے توڑ کر خود شادی کر لی۔ یہ بھی نبی کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ایک مومن بھائی کے خطبہ پر دوسرے کو خطبہ کرنے سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور بعض نے کہا کہ ”اوریا“ سے طلاق لے کر آپ نے خود اس سے شادی کر لی تھی اور یہ آپ کی شریعت میں جائز تھا۔ اس قول کے متعلق بھی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وان كان جائزاً في ظاهر الشريعة الا ان لا يليق به فان حسنت الابرار  
انك لا يليق به فان حسنت الابرار  
سمات المبرين۔  
اگرچہ آپ کی شریعت میں جواز ثابت بھی ہو جائے تب بھی آپ کی شان کے لائق نہ تھا کیونکہ عام نیک لوگوں کی اچھائیاں بھی کبھی مقربین کیلئے بہتر نہیں ہوتیں۔

لم يلزم في داود عليه السلام الا ترك  
الافضل واولي  
جواز اور چیز ہے افضلیت اور چیز ہے۔ اگر جواز پر عمل کیا گیا پھر بھی حضرت داؤد علیہ السلام نے افضل واولیٰ کو چھوڑ دیا جو نبی کے حق میں گناہِ صغیرہ بنتا ہے۔ لہذا یہ قول بھی مرجوح ہو گیا۔

راج اور صحیح قول یہ ہے:

کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دشمن قوم (کفار) نے طمع کیا کہ آپ کو شہید کر دیں۔ آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کی علیحدگی میں عبادت کرتے تھے۔ آپ علیحدہ عبادت کیلئے دروازے بند کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دشمن قوم نے موقع کو غنیمت سمجھا وہ دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گئے۔ جب وہ داخل ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے عبادت کے مقام کے باہر بہت اور آدمی بھی موجود ہیں تو یہ لوگ ڈر گئے اور جھوٹا واقعہ گھڑا کہ ہم

دونوں فریقوں میں جھگڑا ہے ہم آپ سے فیصلہ کرانے کیلئے آئے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے سمجھا شاید مجھے آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

یہ واقعہ عظمتِ نبی کے مطابق ہے۔ پہلے دونوں واقعات اللہ کے نبی کی شان کے لائق نہیں۔ اب جس کا جی چاہے وہ نبی کی عظمت کے مطابق تفاسیر کی تحقیق کو دل میں بسالے اور جس کا جی چاہے وہ دوسرے دونوں قولوں میں سے کوئی قول لے لے۔ جلالین کے قول کو لے یا کبیر کے قول کو، کسی کے ذہن و ضمیر کو کوئی روک تو نہیں سکتا۔ جلالین کا ذکر بار بار آ رہا ہے کیونکہ اسی پر ”انفسی“ کو ”نفسی“ کے معنی میں لینے پر انحصار کیا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جن تین واقعات کو ذکر کیا جا رہا ہے، ان میں بھی جلالین کو ترجیح دے کر اپنے ایمان کا جنازہ نکالا جائے گا یا دوسری راہ اختیار کی جائے گی۔

راقم نے قرآن پاک کی توضیح و تشریح میں جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس میں اپنے ذہن کے مطابق راجح قول کو نقل کیا لیکن کسی تفسیر کے مرجوح قول کو رد کرنے میں کوشش نہیں کی۔

ہاروت و ماروت کا واقعہ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر پہلے پارہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اب صرف دو واقعات ”غرامیق علی“ کے شیطان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے القاء اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر شیطان جن کا قبضہ ان واقعات کو بیان کیا جا رہا ہے، انصاف قارئین کرام پر چھوڑ دیا جائے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور کرسی پر پڑے جسم کا واقعہ جو بعض مفسرین نے لکھا:

حالانکہ وہ قول باطل اور مردود ہے جسے ذکر کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٣٣﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي قَنْبَرًا مِّنْ أُمَّتِي وَأَجْعَلْ لِي جَنَّةً يَّوْمَ أُدْخِلُ فِيهَا وَمَا كُنْتُ بِمُؤْمِنًا  
اور بیشک ہم نے سلیمان کو جانچا اور اس کے تخت پر ایک بے جان بدن ڈال دیا پھر رجوع لایا۔ عرض کی: اے میرے رب مجھے

بُعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾

بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطاء کر کہ  
میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بیشک تو ہی ہے  
بڑی دین والا۔ (کنز الایمان)

(سورۃ ص پ 23)

جلال الدین محلی رحمہ اللہ جلالین میں بیان کرتے ہیں:

اور تحقیق ہم نے سلیمان کو جانچا یعنی ان کی  
بادشاہی کو ان سے چھین کر آزمائش میں مبتلا  
کر دیا۔ اور یہ اس وجہ سے کہ آپ نے نکاح  
کیا ایک عورت سے جس سے آپ محبت  
کرتے تھے اور وہ آپ کے گہریت کو پوجا  
کرتی تھی جس کا آپ کو علم نہیں تھا اور آپ کی  
بادشاہی آپ کی انگلی میں تھی۔ آپ نے  
ایک مرتبہ بیت الخلاء میں جانے کیلئے انگلی  
اتاری اور اسے اپنی عادت کے مطابق اپنی  
عورت کے پاس رکھا جس کا نام "امینہ" تھا۔  
تو اس عورت کے پاس ایک جن سلیمان  
علیہ السلام کی شکل و صورت میں آیا تو وہ انگلی  
اس جن نے آپ کی عورت سے لے لی اور  
جو رب نے کہا ہم نے ڈالا ان کی کرسی پر  
ایک جسم۔ اس سے مراد وہی جن تھا جس کا  
نام صخر تھا یا کہ کوئی اور نام وہ سلیمان علیہ السلام  
کی کرسی پر بیٹھ گیا اور اس کے ارد گرد پرندے  
جمع ہو گئے۔ سلیمان علیہ السلام اپنی پہلی بیوی  
(بادشاہت کی صورت کے غیر حالت) کے

ولقد فتننا سليمان ابتليناه بسلب ملكه  
وذلك لتزوجه بامرأة هويها وكانت  
تعبد الصنم في فارة من غيره علمه و  
كان ملكه في حاتم فزرعه مرة عند  
ارادة الخلاء ووضعه عند امراته المسماة  
بالأمينة على عادته فجاءها جنس في  
صورة سليمان فأخذته منها والقيها على  
كرسيه جسدا هو ذلك الجنس وهو  
صخر أو غيره جلس على كرسى سليمان  
وعكفت عليه الطير وغيرها فخرج  
سليمان في غير هيئته فرآه على  
كرسيه وقال للناس انا سليمان  
فانكروا ثم اناب رجع سليمان الى  
ملكه بعد أيام بأن وصل الي الخاتم  
فلبسه وجلس على كرسيه قال رب  
اغفر لي وهب لي ملكا لا ينبغي لا  
يكون لأحد من بعدى اى سواى نحو  
فمن يهديه من بعد الله اى سوى الله  
انك انت الوهاب (جلالين)



خلاف نکلے تو آپ نے اپنی کرسی پر جن کو دیکھا، تو آپ نے لوگوں کو بتایا کہ میں سلیمان ہوں لیکن لوگوں نے آپ کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ (پھر آپ نے رجوع کیا) یعنی کچھ دنوں کے بعد آپ اپنی بادشاہی کی طرف لوٹ آئے کیونکہ آپ کی اپنی انگٹھی مل گئی تو آپ نے وہ انگٹھی پہن لی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے (آپ نے عرض کی: اے میرے رب! مجھے بخش دے اور عطاء کر مجھے ایسی سلطنت کہ نہ لائق ہو کسی ایک کو میرے سوا)۔

یہاں ”من بعدی“ کا معنی ہے ”سوا“ میرے سوا۔ جیسا کہ فمن یتدیہ من بعد اللہ میں ”بعد اللہ“ کا معنی ہے ”سوی اللہ“ (بیشک تو ہی ہے بہت عطاء کرنے والا)

### حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر پڑا جسم، حدیث پاک کی رو سے دیکھیں:

روى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال سليمان لا طوفن الليلة على سبعين امرأة حمل واحدة منهن تاتي بفارس يجاهد في سبيل الله تعالى ولم يقل ان شاء الله فطاف عليهن فلم تحمل الا امرأة واحدة جاء بشق رجل فجاء به على كرسية فوضع في حجرة فوالذي نفس محمد بيده لو قال ان شاء الله تعالى لجاهدوا في سبيل الله فرسانا اجمعون واما ما يروى من حديث الغمام والشيطان وهبارة الوثن في بيت سليمان فمن اباطيل اليهود (بخاری و مسلم بحوالہ تفسیر مارک)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلیمان (علیہ السلام) نے کہا: میں آج رات ضرور بالضرور اپنی ستر (۷۰) عورتوں پر چکر لگاؤں گا (یعنی ان سے جماع کروں گا) ان میں سے ہر ایک شہسوار (بہادر) بچہ جنے گی وہ سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے لیکن آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا (یعنی ان شاء اللہ کہتا بھول گئے) تو آپ نے سب عورتوں پر چکر لگایا (سب سے جماع کیا) کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی سوائے ایک عورت کے۔ اس کا بچہ بھی ناقص پیدا ہوا) آپ کرسی پر بیٹھے تھے کہ وہ بچہ آپ کے پاس لایا گیا اور آپ کی گود میں رکھ دیا گیا تو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ

قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، اگر آپ ان شاء اللہ کہتے تو سب بہادر پیدا ہوتے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔ وہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی انگلی شیطان نے لے لی اور آپ کی ایک عورت بت کی پوجا کرتی تھی۔ آپ کی بادشاہت انگلی میں تھی وہ انگلی شیطان نے لے کر بادشاہ بن گیا یہ یہود کے من گھڑت قصے ہیں۔

مدارک میں اس سے پہلے ایک واقعہ بیان کیا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک بچہ پیدا ہوا تو جنوں اور شیطانوں نے مشورہ کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اگر یہ زندہ رہا تو ہم اس کے تابع ہو جائیں گے، وہ ہم سے بیگار لے گا، تو انہوں نے اسے قتل کر دیا سلیمان صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو انہوں نے ڈر کے مارے وہ مقتول بچہ آپ کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ واقعہ بھی موضوع (من گھڑت) اور باطل ہے۔

ایک اور صحیح بات علامہ رازی رحمہ اللہ نے بیان کی:

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے، بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ کا کڑیل جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا۔ وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ جب بیٹھتے تھے تو آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے جن و انس پر لرزہ طاری ہو جانا تھا۔ اب ضعف اور نقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم ہے جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے۔ آپ نے بارگاہ الہی میں بڑے عجز و نیاز سے اپنی صحت کے لئے دعاء کی جو قبول ہوئی۔ آپ بالکل صحت یاب ہو گئے اور جہان بانی کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان و شوکت سے انجام دینے لگے۔

تنبیہ شدید:

ابن جریر طبری نے چند روایات اسی طرح کی ذکر کی ہیں جیسے جلالین میں جلال الدین محلی نے ذکر کیا۔ ایک جگہ یوں بیان کیا: ”هو صخر العنی تمثل علی

کرسیہ جسدا“ صخر جنی آپ کا ہم شکل ہو کر آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا۔  
 دوسری جگہ یہ ذکر کیا کہ ”جسدا“ سے مراد شیطان ہے جسے سلیمان علیہ السلام نے  
 اپنی انگٹھی دی، اس نے وہ انگٹھی دریا میں پھینک دی۔ اس شیطان کا نام صخر جنی تھا۔  
 سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت خاتم (انگٹھی) میں تھی۔

ایک اور قول یوں بیان کیا کہ ایک شیطان تھا جس کا نام ”آصف“ تھا۔ اس  
 سے سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: تم لوگوں کو کیسے آزما تے اور فتنہ میں مبتلا کرتے ہو؟ اس  
 نے کہا: پہلے آپ مجھے اپنی انگٹھی دکھائیں پھر میں آپ کو خبر دوں۔ آپ نے اپنی انگٹھی  
 اسے دیکھنے کیلئے دی۔ اس نے دریا میں پھینک دی ”فصاح سلیمان و ذهب ملکہ  
 وقعد آصف علی کرسیہ“ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت جاتی رہی اور آصف  
 شیطان آپ کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بعد میں ایک مچھلی لی گئی جس کے پیٹ سے وہ انگٹھی نکلی  
 تو آپ کو بادشاہت پھر مل گئی۔

تفسیر ابی السعود میں بھی جلالین کی طرح ذکر کیا گیا اور رد بھی نہیں کیا گیا۔  
 البتہ جلالین سے کچھ زائد مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کا واقعہ بھی ذکر کیا۔

حاصل کلام یہ ہے:

علامہ جلال الدین مہلی اور کچھ دوسرے مفسرین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی  
 بادشاہت انگٹھی میں مانی۔ شیطان کے انگٹھی لینے پر آپ کی بادشاہت کا زوال مانا۔  
 اگرچہ یہ ان کی بھول ہے اور محققین حضرات نے اسے رد کیا۔ صحیح قول وہی ہے جو  
 ہارک اور کبیر میں بیان کیا گیا ہے۔

اب راستے دونوں سمجھ آگئے ایک یہ کہ شیطان نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے  
 ان کی انگٹھی لے کر دریا میں پھینک دی آپ کی بادشاہت زائل ہوگئی۔ دوسری راہ یہ  
 ہے کہ انگٹھی والا واقعہ یہود کی سازش کا نتیجہ ہے، درست نہیں۔ جھگڑا تو کسی سے نہیں

البتہ علم و عقل سے جو راہنمائی ملے اس کو دیکھے یہ راہنمائی بہتر ہے تو اسے مان لے یا جس میں نبی کے اختیار کی کمی ہے اور شیطان کو نبی پر تسلط حاصل ہے، اسے مان لیا جائے معاملہ سارا قسمت کا ہے۔

”الغرائیق العلیٰ“ کا واقعہ جو بعض مفسرین نے بیان کیا:

حالانکہ جو بیان کیا گیا ہے وہ باطل ہے نبی کریم ﷺ کی شان کے خلاف ہے۔

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گذرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَتَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾

(سورۃ الحج پ 17)

علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ جلالین میں بیان کرتے ہیں:

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی مگر جب اس نے پڑھا تو ڈال دیا شیطان اس کی قراءت (اس کے پڑھنے) میں جو قرآن سے نہیں۔ وہ جسے وہ لوگ پسند کرتے تھے جن کی طرف اسے بھیجا گیا۔ تحقیق نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم قریش کی مجلس میں پڑھی تو آپ نے (ترجمہ) کیا تم نے دیکھا لات اور عزی اور اس تیسری مناتہ کو) یہ تینوں بتوں کے نام تھے جو کعبہ کے اندر (وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی) قرأ (القی الشیطان فی امنیته) قراءتہ ما لیس من القرآن مما یرضاه المرسل الیہم وقد قرأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سورۃ النجم بمجلس من قریش بعد (افراہتم اللات والعزی ومنات العالۃ الأخری) بالقاء الشیطان علی لسانہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر علمہ صلی اللہ علیہ وسلم

شعر به تلك الغرائق العلی - وان شفاعتهم لترتجى - ففرحوا بذلك ثم اخبر جبریل بما القاه الشيطان علی لسانه من ذلك فحزن فسلی بهذه الآیة لیطمئن (فینسخ الله) یبطل (ما یلقى الشيطان ثم یحکم الله آیاته) یثبتها (والله علیهم حکیم) تمکینه منه یفعل ما یشاء۔

(جلالین)

رکھے گئے تھے (البحر المحیط) کے بعد پڑھا جو شیطان نے آپ کی لاعلمی کی وجہ سے آپ کے دل میں القاء کر دیا تھا۔ ”تلك الغرائق العلی وان شفاعتهم لترتجى“ یہ بلند پرواز والے پرندے ہیں ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے تو وہ کفار و مشرکین بڑے خوش ہوئے۔ پھر آپ کو جبریل علیہ السلام نے آکر خبر دی اس کی جو شیطان نے آپ کی زبان پر القاء کر دیا تھا تو آپ بہت غمگین ہوئے تو آپ کو اس آیہ کے ذریعے تسلی دی گئی تاکہ آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ ”فینسخ الله ما یلقى الشيطان“ تو مٹا دیتا ہے اللہ جو ڈالتا ہے شیطان (ثم یحکم الله آیاته) پھر ثابت کر دیتا ہے اللہ اپنی آیات کو (والله علیهم حکیم) اور اللہ جاننے والا ہے جو شیطان نے القاء کیا جس کو ذکر کر دیا گیا۔ (حکیم) اور وہ حکمت والا ہے جو اس نے شیطان کو آپ پر طاقت دی وہ جو چاہے کرتا ہے۔

تفسیر ابی السعود ج ۳ ص ۱۳۳ میں بھی اسی طرح بیان کیا گیا:

جس طرح جلالین میں بیان کیا گیا ہے لیکن ابوالسعود رحمہ اللہ نے اسے ان الفاظ میں اگرچہ رد بھی کیا ہے ”وہو مردود عند المحققین“ یہ واقعہ محققین کے نزدیک مردود ہے لیکن دوسری توجیہ سے پھر اسے ناقص کر دیا:

ولئن صح فابتلاء یعمیر به الثابت علی اگر یہ صحیح ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الایمان عن المتزلزل فہ

آپ کی زبان پر شیطان کے القاء سے اگرچہ بظاہر آپ کی آزمائش تھی کہ آپ کو قہر میں مبتلا کیا گیا لیکن مقصد اصل میں لوگوں کا امتحان تھا کہ کون اس کے بعد ایمان پر ثابت رہتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے۔

معالم التنزیل میں علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا:

اسی طرح جس طرح جلا لین میں ذکر کیا گیا لیکن اس سے زیادہ یہ فرما کر ہے کہ جب آپ نے شیطان کے القاء کئے ہوئے الفاظ پڑھ لئے تو اسی طرح سورۃ کو آپ نے مکمل کیا۔ سورۃ کے آخر میں جب آپ نے سجدہ کیا تو مومنین اور کفار سب نے سجدہ کیا۔ آپ کی زبان سے کفار نے اپنے بتوں کا اچھا ذکر سنا تو بہت خوش ہوئے۔

ويعولون قد ذكر محمد آلهتنا باحسن الذکر وقالوا قد عرفنا ان الله يحيى و يميت و يخلق و يرزق ولكن الهتنا هذه تشفع لنا عنده فان جعل لها محمد نصيب فنحن معه۔

وہ کہنے لگے تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے معبودوں کا اچھا ذکر کیا ہے کیونکہ ہمیں تو پہلے سے ہی یہ علم حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہی پیدا کرتا ہے اور وہی رزق دیتا ہے ہمارا عقیدہ ہی یہی ہے کہ

ہمارے معبود (بت) اللہ کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے۔ اگر محمد نے بھی ہمارے معبودوں کا یہ حصہ بنا دیا ہے تو ہم بھی اسکے ساتھ ہیں۔

شام کو جبریل علیہ السلام آئے انہوں نے کہا:

يا محمد ما ذا صنعت ؟ لقد تلوت على الناس ما لم آتك به عن الله عزوجل فحزن رسول الله صلى الله عليه وسلم حزنا شديدا وخاف من الله خوفا كثيرا فانزل الله هذه الآية يعزبه

اے محمد! آپ نے کیا کیا ہے؟ آپ نے لوگوں پر وہ کلام تلاوت کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میں آپ کی طرف نہیں لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمزدہ ہوئے شدید خوف لاحق ہوا۔ تو رب تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کر کے آپ کو تسلی دی۔

اعتراض:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب معصوم ہیں تو آپ کی زبان پر شیطان نے کیسے جاری

کر دیا؟

جواب نمبر ۱:

شیطان نے وہ الفاظ آپ کی قراءت میں اس طرح پڑھے کہ سمجھ یہ آرہا تھا کہ آپ کی قراءت ہے۔

جواب نمبر ۲:

نبی کریم ﷺ نے غفلت کی وجہ سے شیطان کے الفاظ پڑھ لئے تھے، آپ کو خبر ہی نہ ہوئی۔

جواب نمبر ۳:

شیطان نے جو القاء کیا وہ آپ کی زبان پر سہواً جاری ہو گیا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو متنبہ کیا تو آپ اس پر قائم نہ رہے۔

جواب نمبر ۴:

اللہ تعالیٰ کی طرف یہ آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جس طرح چاہے آزمانا ہے۔ (معالم التنزیل للبعثی)

تنبیہ:

پہلا جواب قدرے مناسب ہے باقی جواب ناقص ہیں۔ خازن نے بھی بعثی (رحمہ اللہ) کی طرح ہی لکھا ہے۔ ابن جریر طبری نے بھی یہی بیان کیا جو جلالین نے بیان کیا لیکن مختصر۔

قارئین کرام! انصاف سے بتائیں:

کیا شیطان کے القاء سے نبی کریم ﷺ کے "تلك الغرائيق العلی - وان هسفاعتھن الترتعی" پڑھنے والی بات پر اجماع ہو جائے گا؟ اور علامہ محلی رحمہ اللہ کے قول کو ترجیح دی جائے گی یا کہ جس نے اچھا لکھا اس کی بات کو مانا جائے گا۔ آئیے،

دیکھئے!

بیضاوی نے کچھ اچھا لکھا:

(الا اذا تمنى القى الشيطان فى امنيته) اس مقام میں نفس کو شیطان سے تشبیہ دی گئی ہے کہ نفس کی دنیا کی طرف توجہ کرنے سے دل پر پردہ سا چھا جاتا ہے یعنی جتنی دیر دنیا کی طرف توجہ ہوتی ہے اتنی دیر رب تعالیٰ سے توجہ ہٹ جاتی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک میرے دل پر جب پردہ چھا جاتا ہے تو میں ایک دن میں اللہ تعالیٰ سے ستر (۷۰) مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

(تفسیر بیضاوی)

علامہ رازی اور علامہ نسفی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بہت خوب ذکر فرمایا ان سے شیخ زادہ نے بھی نقل کیا:

نبی کریم ﷺ کے متعلق جو بعض مفسرین نے بیان فرمایا کہ شیطان کے القاب سے آپ کی زبان پر جاری ہوا:

تلك الغرائب العلى وان شعاعتهم  
لترجى ان رؤساء اهل السنة والجماعة  
ردوا هذا القول وقالوا هذه رواية باطلة  
موضوعة

قرآن و سنت و عقل سے یہ قول باطل ہے؛

قرآن پاک میں رب تعالیٰ کے ارشاد ت دیکھئے:

اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر کہتے۔  
وَكُلُّ تَكْوَلٍ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَكَاوِيلِ ﴿۳۳﴾



لَا نُحَدِّثُكَ مِنْهُ بِالْمِيمِ ۝ ثُمَّ لَقَطْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ (سورۃ الحاقۃ پ ۲۹)

ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کے رگ دل کاٹ دیتے۔ (کنز الایمان)

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تَلْعَانِي نَفْسِي إِنْ أَتَيْتُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ ..... ۝۱۵

تم فرماؤ! مجھے (حق) نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے بدل دوں (مگز) میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے۔

(سورۃ یونس پ 11)

(کنز الایمان)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝۳ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝۴

اور وہ تو کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔ (کنز الایمان)

(کنز الایمان)

فلو أنه عليه الصلوة والسلام قرأ عقيب هذه الآية قوله تلك الغرانيق العلى لكان قد ظهر كذب الله تعالى في جميع ذلك لا يقول به مسلم۔

اگر نبی کریم ﷺ نے اس آیت ”ومنات الثالثة الأخرى“ کے بعد (شیطان کے القاء سے) ”تلك الغرانيق العلى“ پڑھا تو اللہ تعالیٰ کے تمام ارشادات جن کا ذکر کیا گیا ہے ان کا باطل ہونا لازم آئے گا اس کا تو کوئی مسلمان قائل نہیں۔

مذکورہ بالا قصہ سنت کے بھی خلاف ہے:

روى عن محمد بن عزيمة انه سئل عن هذه القصة فقال هذا من وضع الزنادقة وصنف فيه كتابا۔

محمد بن خزیمہ سے مروی ہے کہ بیشک ان سے اس قصہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ زندقہ (بے دین) لوگوں کا

قول ہے۔ آپ نے اس میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی۔

وقال الامام ابو بكر احمد بن الحسين البهقي القصة غير ثابتة من جهة النقل وان رواية هذه القصة مطعونون۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی فرماتے ہیں: یہ قصہ نقلاً ثابت نہیں۔ بیشک اس کے راوی مطعون (ضعیف) ہیں۔

قصہ نقلاً ثابت نہیں۔ بیشک اس کے راوی مطعون (ضعیف) ہیں۔

و ایضاً فقد روی البخاری فی صحیحہ  
انہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأ سورة النجم  
و سجد و سجد المسلمون و المشركون  
والانس و الجن ولم يذكر حديث  
الفرانق۔ (شیخ زادہ)

بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا بیشک نبی  
کریم ﷺ نے سورۃ النجم پڑھی۔ آپ نے  
سجدہ کیا اور سب مسلمانوں اور مشرکوں اور  
انسانوں اور جنوں نے سجدہ کیا لیکن بخاری  
نے فرانق کا واقعہ نہیں ذکر کیا۔

### شیطان کا القاء نبی کریم ﷺ پر عقلاً بھی منع ہے:

(۱) ان من جوز علی الرسول صلی اللہ  
علیہ وسلم تعظیم الأوثان فقد كفر  
لأن من المعلوم بالضرورة أن اعظم  
سعیہ كان فی نفی الأوثان۔

جس شخص نے یہ جائز سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ  
نے بتوں کی تعظیم کی، تحقیق وہ کافر ہو گیا۔  
بیشک واضح طور پر معلوم ہے کہ تحقیق آپ کی  
عظیم کوشش ہی بتوں کی تعظیم سے منع کرنے  
کی تھی۔

(۲) انہ علیہ السلام ما كان يمكنه  
فی اول الأمر ان یصلی و یقرأ القرآن  
عند الكعبة أمنا المشركین له حتی  
كانوا ربما صدوا ایدیهم الیه و انما  
كان یصلی اذ لم یحضروها لہلا أو  
فی اوقات خلوة و ذلك یبطل قولہم

بیشک نبی کریم ﷺ شروع شروع میں کعبہ  
شریف کے پاس نماز یا قرآن پاک پڑھنے  
کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اپنے آپ کو  
مشرکین کی شدت و اذیت سے بچاتے تھے  
کیونکہ کفار کئی مرتبہ ظلم کا ہاتھ آپ کی طرف  
بڑھا چکے تھے۔ آپ رات کو نماز پڑھتے تھے

جب کفار موجود نہیں ہوتے تھے۔ یادن میں ایسے اوقات میں جن میں کفار نہیں ہوتے تھے۔  
کفار کے سجدہ کرنے والا قول کس طرح صحیح ہے لیکن راقم کے نزدیک یہ عقلی دلیل اسی لئے  
کامل نہیں کہ بخاری سے کفار کے سجدہ کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے یہ واقع شروع شروع  
کا نہیں۔

(۳) شیطان کے القاء سے چند الفاظ غیر قرآن کے قرآن میں ملا کر پڑھنے سے کفار  
کے خوش ہونے والا قول عقل سے دور ہے۔ اس لئے کہ وہ حقیقت پر مطلع ہونے کے بغیر بہت

بڑی عداوت کو کیسے چھوڑ سکتے تھے؟

(۳) سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ:

اگر ہم یہ جائز رکھیں کہ شیطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اپنی طرف سے کچھ الفاظ جاری کر سکتا ہے تو اس قول سے تو شریعت پر امن باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ سب احکام اور شرائع میں یہی احتمال ثابت ہوگا اور اس قول سے تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد (ترجمہ) اے رسول! پہنچا دو جو کچھ اترتا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے) کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ جس طرح وحی میں کمی کرنا منع ہے اسی طرح زیادتی بھی منع ہے۔

لو جوزنا ذلك ارتفع الأمان عن شرعه و جوزنا في كل واحد من الأحكام و الشرائع ان يكون كذلك و يبطل قوله تعالى يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله يعصمك من الناس فانه لا فرق في العقل بين النقصان عن الوحي و عن الزيادة فيه۔

(کبیر ج 23 ص 51-50)

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی فیصلہ کن بات:

بیشک یہ واقعہ کئی مفسرین نے یہاں ذکر کیا ہے لیکن وہ حد تو اتر تک نہیں پہنچے۔ خبر واحد و دلائل نقلیہ اور عقلیہ متواتر کے معارض نہیں ہو سکتے۔

ان هذه القصبة موضوعة اكثر ما في الباب ان جمعا من المفسرين ذكروها عنهم ما بلغوا حد التواتر و غير الواحد لا يعارض الدلائل العقلية العقلية المتواترة۔

(کبیر حوالہ مذکورہ)

بات تو بڑی سیدھی یہ ہے کہ شیطان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر انداز اور آپ کی زبان پر القاء کی جو طاقت مانتے ہیں وہ تو یہ کہیں گے کہ جب اتنی تفسیروں میں یہ آچکا

ہے تو شیطان کو نبی پر زیادہ طاقت حاصل ہے۔ اور جن کا ایمان کامل ہو وہ کہیں گے شیطان کو نبی کریم ﷺ پر بھٹکانے کی کوئی طاقت نہیں، وہ تو آپ کا مطیع ہو چکا ہے کہ آپ کو سیدھی راہ تو دکھا سکتا ہے غلط راہ دکھانے کی اسے طاقت ہی نہیں۔

اسلئے جن تفاسیر میں یہ واقعہ نقل ہے، ان کی بھول ہے۔ مفسرین کرام کی بھول کو حقیقت نہ سمجھئے! حقیقی مطلب وہی ہے جس سے عصمتِ انبیاء کرام سمجھ آئے۔ عصمتِ انبیاء کرام کے خلاف کوئی روایت ہو اس کی اگر صحیح تاویل ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ راویوں کو جھوٹا کہنا آسان ہے لیکن انبیاء کرام کو غیر معصوم ماننا تو صرف مشکل ہی نہیں بلکہ واضح طور پر کفر ہے۔

یہ اپنی اپنی قسمت کی بات ہے اس میں کوئی جھگڑا کسی سے نہیں۔ کوئی علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کی بھول کو ترجیح دے یا علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضر دماغی کو ہی تحقیق سمجھے۔ بھول تو علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے مفسرین سے ہوئی۔ ان کی بھول کو ضد کی وجہ سے حقیقت کہنے والے بھی بظاہر سچے تو ہیں نہ ہی بھولنے والوں کو حقیقت کہا جائے گا اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو۔ واللہ اعلم

بعض حضرات نے تو عطاء کی روایت ابن عباس کی طرف منسوب کرتے

ہوئے یہ بھی بیان کر دیا:

ان شيطاناً يعال له الأبيض أتاه علي  
صورة جبريل عليه السلام والقي عليه  
هذه الكلمة فقرأها فلما سمع المشركون  
ذلك أعجبهم فجاء جبريل عليه السلام  
فاستعرضه فقرأها فلما بلغ الي تلك  
الكلمة قال جبريل عليه السلام انا ما  
جئتك بهذه قال رسول الله صلى الله

کہ وہ شیطان جسے ابیض (سفید) کہا جاتا  
ہے وہ جبریل کی صورت میں نبی کریم ﷺ  
کے پاس آیا اور آپ کی زبان پر وہ کلمہ جاری  
کر دیا تو آپ نے پڑھ لیا۔ جب مشرکوں  
نے سنا تو انہیں پسند آیا۔ تو جبریل علیہ السلام  
تو عرض کیا جو میں نے کلام لایا تھا وہ پڑھ کر  
سنائیں۔ آپ نے پڑھ کر سنایا تو جبریل

عليه وسلم انه اتاني آت على صورتك  
فالتأها على لساني۔

نے کہا: یہ کلمہ میں نے تو نہیں لایا تو نبی کریم  
ﷺ نے فرمایا: میرے پاس تو تیری شکل کا  
ہی ایک شخص آیا جس نے میری زبان پر یہ  
الفاظ ڈالے ہیں۔

قال بعض الجهال انه عليه السلام شدة  
حرصه على ايمان القوم ادخل هذه  
الكلمة من عند نفسه ثم رجع عنها۔

بعض جاہلوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ نبی  
کریم ﷺ قوم کے ایمان لانے کی بہت  
حرص و تمنا رکھتے تھے۔ اس لئے یہ کلمہ آپ  
نے اپنی طرف سے بڑھا دیا تھا بعد میں  
رجوع کر لیا۔

ان دونوں قولوں کو علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ رد فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ان دونوں میں کسی مسلمان کو تو کوئی رغبت  
نہیں ہو سکتی وہ موضوع روایت ہے اگر اسے  
صحیح مانا جائے تو لازم آئے گا کہ نبی کریم ﷺ  
معصوم فرشتے اور خبیث شیطان میں فرق  
نہیں کر سکتے تھے۔ اور اگر دوسرے قول کو سچا  
تسلیم کیا جائے تو اس سے تو یہ پتہ چلے گا کہ  
نبی کریم ﷺ وحی میں خیانت فرماتے تھے  
(معاذ اللہ) کسی ایک قول کو بھی ماننا دین  
سے نکل جاتا ہے۔

وهذان القولان لا يرغب فيهما مسلم  
البعثة لأن الأول يقتضي أنه عليه السلام  
ما كان يميز بين الملك المعصوم و  
الشیطان الخبيث والثانی يقتضي أنه  
كان عائداً في الوحى وكل واحد منها  
مخروج عن الدن۔

(کبیر حوالہ مذکورہ)

علامہ نسفی نے مدارک میں تمام احتمالات کو رد کرتے ہوئے ایک پر کچھ اعتبار  
کیا کہ ہو سکتا ہے وہ الفاظ شیطان نے پڑھے ہوں تو کفار نے سمجھا ہو کہ شاید یہ الفاظ نبی  
کریم ﷺ نے پڑھے ہوں۔ اور قاضی ثناء اللہ مظہری نے بھی کچھ اسناد کو ذکر کے ”کلیہا  
رکیبۃ و اہیة“ فرمایا: یہ سب ضعیف روایات ہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی

واقعہ کو صحیح قرار دیا لیکن علامہ مظہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بحث پر منہیہ تحریر کر کے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے رد کر دیا۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہتر لکھا۔

ہاں! ہاں! بہتر لکھنے والے وہی ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا لحاظ کیا۔ آپ پر شیطان کی اثر اندازی نہیں مانی، ان کی تفاسیر ہی اس آیت میں معتبر ہیں۔

آیت کریمہ کا مطلب بہت واضح ہے:

رب تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے جب بھی کوئی نبی اور رسول بھیجا تو اسی کے پڑھنے یعنی بیان کرنے میں شیاطین نے کافروں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر انہیں بہکایا لیکن رب تعالیٰ نے شیطان کی کوششوں کا مٹا دیا۔ اور اپنی آیات اور اپنے نبی کے احکام کو ثابت کر دیا۔ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔

”تفسیر ضیاء القرآن“ میں کیا خوب بیان کیا گیا یہ مفہوم متعدد دوسری آیات میں بھی بیان فرمایا گیا۔

وَأَنَّ الشَّيَاطِينَ لَمُؤْحِقُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَانِهِمْ  
لِيَجْأِدُوا لَهُمْ  
کہ شیطان نے اپنے پیلوں کے دلوں میں  
طرح طرح کے وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ  
تمہارے ساتھ بحث مباحثہ شروع کر دیں۔

دوسری آیت میں ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا  
شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُؤْحِقُ بَعْضُهُمْ  
إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا  
یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے سرکش  
انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو  
دھوکا دینے کیلئے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو  
بظاہر بڑی دل کش ہوتی ہیں۔

پہلے شیاطین جن وانس نے جو سلوک اپنے ہادیوں کے ساتھ کیا تھا بعینہ وہی  
رویہ مکہ کے مشرکین نے اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی ”حرم علیکم العبثۃ“  
(تم پر مردار حرام کئے گئے) تو مشرکین کہنے لگے: یہ دیکھو! جسے یہ خود ذبح کر کے مار

ڈالتے ہیں اسے حلال کہتے ہیں اور جسے خدا ماردے اسے حرام کہتے ہیں۔ اس قسم کے شکوک و شبہات شیطان کافروں کے دلوں میں ڈالتا۔ آیہ کریمہ کا یہی مطلب ہے۔

### تیسرے مقدمے کی وضاحت:

مفسرین کرام کسی آیہ کی تفسیر میں کوئی وجہ تاویل کی بیان کرتے ہیں اور دوسرے مفسرین تاویل کی دوسری وجہ بیان کر دیتے ہیں اور بعض مفسرین تاویل کی بہت سی وجوہ جمع کر دیتے ہیں۔ اب دیکھا جائے گا کہ اگر ان تاویلوں میں کوئی اختلاف اور تردد نہ ہو یعنی اس طرح نہ ہو کہ کسی ایک تاویل میں عمل کی وجہ سے دوسری کا اٹھ جانا لازم آ رہا ہو بلکہ بعض تاویلات زیادہ واضح ہیں ان تمام وجوہ کو بیان کر دینا عبارت میں حسن پیدا کرتا ہے کیونکہ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن پاک مختلف وجوہ رکھتا ہے۔ اور قرآن پاک کے الفاظ مبارکہ متعدد معانی رکھتے ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور اس کے معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر رکھتے نہیں۔

فجاز الاحتجاج به على كل وجه وهذا من اعظم نعم الله سبحانه و تعالى علينا ومن ابلغ وجوه اعجاز القرآن نعتوں سے بڑی نعمت ہے اور قرآن پاک کے اعجاز کے اسباب بلیغہ میں سے ایک ہے۔

اگر معاملہ اس کے خلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہو جاتی ہے اور اعجاز عجز ہوتا

ہے۔ العیاذ باللہ۔

### احتمالات میں تکرار اور چیز ہے اور الفاظ میں ابہام اور چیز ہے:

وقد وصف الله سبحانه و تعالى القرآن بالمبین فلمس تنوع معانيه كتنوع الماحتملات في كلام مبهم مختلط لا والله تعالى نے قرآن پاک کا وصف ”مبین“ ذکر فرمایا ہے اس لئے اس کے معانی مختلف قسم ہونے کی وجہ سے اگر ابہام ہو تو اسے

متممات کے تردد پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

یستبہن المراد

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَكَلِمَاتِ رَبِّي  
لَنفَدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي  
وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (۱۰۹)

اے محبوب! تم فرماؤ: اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہو جائے تو سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لے آئیں۔

(سورۃ الکہف پ 16)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جیسا کہ ابو نعیم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن نرم اور آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
على ما أخرج أبو نعيم وغيره عن ابن  
عباس رضي الله عنهما القرآن ذلول ذو  
وجوه فأحملوا على احسن وجوهه

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)

اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی و مطالب اور ظاہری و باطنی پہلو رکھتا ہے اس کے عجائب بے انتہاء ہیں اس کی بلندی تک رسائی نہیں۔

وقال سيدنا ابن عباس رضي الله عنهما  
كما أخرج ابن أبي حاتم عنه ان  
القرآن ذو شعبون و فنون و ظهور و  
بطون لا تنقضي عجائبه ولا تبلغ غاية  
الحديث

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)

علامہ سیوطی نے بیان کیا ہے کہ ابن سبغ نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک انہوں نے فرمایا: آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک قرآن پاک کی مختلف وجوہ نہ جان لے

قال السيوطي قال ابن سبغ في شفاء  
الصدور ورد عن أبي الدرداء رضي الله  
عنه أنه قال لا يفقه الرجل كل الفقه  
حتى يجعل للقرآن وجوها

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)



ولله در الامام البوصیری حیث یقول ما اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کیلئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

لها معان كموج البحر فی مدد

وفوق جوهره فی الحسن والقیم

فلا تعدد لا تحصی عجائبها

ولا تسام علی الاكثار بالسام

①: قرآنی آیات کے معانی کثیر جیسے سمندر کی موج افزائش میں اور وہ حسن و قیمت میں سمندر سے گوہر سے بڑھ کر ہیں۔

②: تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہو سکے نہ شمار میں آئیں اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

مطالب ایک ہوں عبارات مختلف ہوں وہ اختلاف نہیں:

سلف کے درمیان اختلاف اسی قسم کا تھا وہ اختلاف انداز بیان کا تھا جیسے "الصراط المستقیم" کا مطلب بعض نے بیان کیا: قرآن کی تابعداری کرنا صراط مستقیم ہے اور بعض حضرات نے بیان کیا: اسلام کے مطابق چلنا صراط مستقیم ہے۔ یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی تابعداری میں ہے۔ بعض حضرات نے "صراط" کا معنی راستہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا: اہل سنت و جماعت کی راہ پر چلنا صراط مستقیم ہے۔ بعض نے کہا: بندگی کی راہ پر قائم رہنا صراط مستقیم ہے۔ بعض نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی راہ صراط مستقیم ہے۔ یہ اقوال ایک ذات کی راہنمائی کرتے ہیں ایک ایک وصف بیان کیا گیا۔ کوئی اختلاف نہیں پایا گیا۔

لفظ عام کی کئی مثالیں پیش کرنا بھی حقیقی اختلاف نہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْغَيْرَاتِ يُادِنُ اللَّهُ ط فَلَكَ هُوَ الْفَضْلُ الْعَظِيمُ ﴿٣٧﴾

پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور کوئی میانہ حال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا یہی بڑا فضل ہے۔

(کنز الایمان)

اس کی تفسیر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا وہ ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے یعنی حرام کاموں پر عمل کرے اور ”مقتصد“ واجبات کی تعمیل کرنے والے اور حرام کاموں کو چھوڑنے والے کو شامل ہے اور ”سابق“ وہ ہے جو واجبات کے ساتھ مستحبات پر بھی عمل کرے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے۔ یعنی ”مقتصد“ لوگ وہ ہیں جن کو نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ”سابق“ سابق ہیں جو اللہ کے مقرب ہیں۔ پھر اس کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض نے کہا: سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھتے اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت نماز ادا کرے۔ اور ظالم وہ جو عصر کو سورج کے زرد ہونے تک موخر کر دے۔ اور بعض نے کہا: سابق وہ ہے جو صدقہ، نفل، زکوٰۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوٰۃ فرض ادا کرے اور ظالم وہ ہے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اور حاصل یہ ہے کہ کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مقصد درست ہے۔

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)

کم علم کبھی غیر اختلاف کو اختلاف بنا دیتا ہے:

و عن الزركشي ربما يحكى عنهم عبارات متعلقة الالفاظ. فيظن من لا فهم عنده ان ذلك اختلاف محقق

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ زركشي سے نقل فرماتے ہیں: کئی مرتبہ علماء سے مختلف عبارات منقول ہوتی ہیں، جسے کامل سمجھ نہیں ہوتی وہ یہ گمان

کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے حالانکہ بات یوں نہیں۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم آیہ کا معنی بیان کرتا ہے اس کے نزدیک وہ زیادہ ظاہر ہوتا ہے یا پوچھنے والے کے حال کے مطابق زیادہ بہتر وہ ہوتا ہے کبھی کوئی عالم ایک چیز کا لازم یا اس کی نظیر بیان کرتا ہے اور دوسرا مقصود اور ثمرہ بناتا ہے حالانکہ اکثر کا سبب اور مسبب ایک ہی ہوتا ہے۔

في حكمه اقوالا وليس كذلك بل يكون كل واحد منهم فكل معنى من الآية لكونه اظهر او اليق بحال السائل وقد يكون بعضهم يخبر عن الشيء بلازمه ونظيره والآخر بمقصوده وثمرته والكل يؤل الي معنى واحد غالبا۔

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)

اکلی اور پھلی آیہ کے مطابق مقصد صحیح رہے، تاویل میں اہل علم مختلف کریں تو یہ

صحیح ہے:

اور سیوطی <sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> نے بغوی اور کواشی وغیرہ سے نقل کیا کہ تاویل یعنی آیہ کا ایسا معنی لینا جو اگلی اور پھلی آیہ کے موافق ہو آیہ کا بھی اس کا احتمال رکھتی ہو اور کتاب و سنت کے مخالف بھی نہ ہو تو وہ تاویل یعنی مسائل کو استنباط کرنا (کالنا) منع نہیں لیکن ان علماء کیلئے جو تفسیر کا علم رکھتے ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "انفروا خفافا وثقالا" (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) اس کا مطلب کسی نے بیان کیا: بوڑھے اور جوان اور کسی نے غنی و فقیر اور کسی کا قول ہے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ اور کسی نے ذکر

و عن المغوی والكواشی وغيرهما التاویل صرف الآية الي معنى موافق لما قبلها و بعدها تحتمله الآية غير مخالف للكتاب والسنة من طريق الاستنباط غير محظور علی العلماء بالتفسیر كقوله تعالى "انفروا خفافا وثقالا" قبل شبابا وشيوخا وقيل اغنياء وفقراء وقيل عزابا ومتاهلين وقيل نشاطا وغير نشاط وقيل اصحاء ومرضى وقيل ذلك سالم والآية تحمله۔

(الاتقان النوع الثامن والسبعون)

کیا: چست اور ست اور کسی نے بیان کیا: صحت مند اور بیمار (یعنی یہ سارے فرض جہاد کیلئے نکلیں) اور یہ وجوہ صحیح ہیں کیونکہ آیت میں سب معافی کا احتمال پایا گیا ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 549)

### چوتھے مقدمے کی تفصیل سے پہلے:

زیر بحث آیت کریمہ کے متعلق کچھ تفاسیر کی عبارات کو دیکھ لیا جائے تاکہ بعد میں آنے والی بحث کو سمجھنا آسان ہو شاید کہ اصحاب محبت و علم و دانش اور اصحاب ایمان کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کلام سمجھ آجائے۔

### تفسیر ابن کثیر کا بیان بہت خوب:

عنقریب دور رکھا جائے گا جہنم کی آگ سے گناہوں سے بچنے والے پاک و صاف اور بہت بڑے پرہیزگار کو۔ ابن کثیر نے ”تقی“ کی تفسیر میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے ”تقی“ نقی، اتقی“ پتہ چلا کہ تقی کہنے سے اسم تفضیل (وسیع جنبھا الاتقی) ای و سیز حزح عن النار التقی النقی الاتقی، ثم فسرہ بقولہ (الذی یؤتی مالہ یتزکی) ای بصرف مالہ فی طاعة ربہ لیزکی نفسہ و مالہ و ما و ہبہ اللہ من دین و دنیا۔

کی نفی نہیں کی گئی) پھر رب تعالیٰ نے اپنے ارشاد سے اور وضاحت کی (وہ جو خرچ کرتا ہے اپنا مال) اللہ کی اطاعت میں (تاکہ) اپنے نفس اور مال کا (ترکیہ کرے) اور جو اللہ نے اسے دین و دنیا عطا کئے ان کا ترکیہ کرے۔

کسی ایک کا اس پر احسان نہیں کہ اسے اس کا بدلہ دینا ہو) یعنی وہ مال اس لئے خرچ نہیں کرتا کہ کسی ایک نے اس پر بھلائی کی ہو کہ وہ اس کے مقابلہ میں مال دیتا ہو وہ تو مال دیتا ہے اپنے رب اعلیٰ کی رضا طلب کرنے کیلئے یعنی اسے صرف یہ طمع ہوتا ہے کہ اللہ (وما لاحد عنده من نعمة تجزی) ای لیس بذلہ مالہ فی مکافاة من اسدی الیہ معرفا فهو يعطی فی مقابلة ذلك وانما دفعه ذلك (ابتغاء وجه ربہ الاعلیٰ) ای طمعا فی ان یحصل لہ رؤیتہ فی الدار الآخرة فی روضات

تعالیٰ کا دیدار آخرت میں حاصل ہو جائے جنات کے باغات میں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا جو ان صفات سے متصف ہوا عنقریب رب تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔

بہت مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ بیشک یہ آیات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ یہاں تک کہ بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے لیکن آیات کے الفاظ عموم پر دلالت کرنے کی وجہ سے سب امت کو شامل ہیں۔ البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سب امت سے مقدم ہیں۔ آیات میں مذکورہ اوصاف بلکہ تمام اوصاف حمیدہ میں آپ تمام امت سے سابق ہیں۔ بیشک آپ صدیق ہیں پرہیزگار ہیں اپنے مولیٰ تعالیٰ کی طاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد میں اپنا مال خرچ کرنے والے تھے۔ کتنے ہی درہم و دینار آپ اپنے رب کریم کی رضاء طلب کرنے میں خرچ کئے۔ لوگوں کا آپ پر کسی قسم کا کوئی احسان نہ تھا کہ آپ اس کا بدلہ دینے کے محتاج ہوتے البتہ آپ کا قبیلوں کے سرداروں اور رئیسوں پر فضل و احسان تھا۔

الجنات قال الله تعالى (ولسوف يرضى) من اتصف بهذه الصفات۔

وقد ذكر غير واحد من المفسرين ان هذه الآيات نزلت في ابي بكر الصديق رضي الله عنه حتى ان بعضهم حكى الاجماع من المفسرين على ذلك ولا شك انه داخل فيها واولى الامة بعمومها فان لفظها لفظ العموم وهو قوله تعالى (وسيجنبها الاتقى) الذي يؤتي ماله يتزكى وما لاحد عنده من نعمة تجزي) ولكنه مقدم الامة وسابقهم في جميع هذه الاوصاف وسائر الاوصاف الحميدة فانه كان صديقا تلقا كريما جوادا بذالا لامواله في طاعة مولاة و نصرة رسول الله فكم من درهم و دينار بذله ابتغاء وجه ربه الكريم ولم يكن لاحد من الناس عنده منة يحتاج الي ان يكافئه بها ولكنه كان فضله واحسانه على السادات والرؤساء من سائر القبائل۔  
(ابن كثير ج 6 ص 477، 478)

ابن کثیر کے بیان سے ایک مشکل کا حل ہو گیا:

عام طور پر جو یہ کہا جاتا ہے کہ جب سب صحابہ کرام جہنم کی آگ سے محفوظ ہیں اور سب ہی متقی ہیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس میں تخصیص کیا ہے تو اس کا جواب واضح ہو گیا کہ تمام صحابہ کرام کو مذکورہ صفات حمیدہ حاصل ہیں لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب سے فوقیت حاصل ہے۔ آپ سب سے افضل ہیں۔

یہی دعویٰ ہے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اسی پر آپ نے اپنے دلائل قائم کئے یہی مذہب صحابہ کرام تابعین اور ائمہ کرام اور علماء محققین اور مشائخ عظام کا ہے۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ مفہوم مخالف کے تردد کا ازالہ فرماتے ہیں:

والمفہوم عندنا غیر معتبر فلا تدل  
تلك الآية على دخول تقي في النار  
وكذا عند الشافعي رحمه الله انا  
الكلام خارج مخرج الجواب في حادثة  
لاتفاق المفسرين على ان الآية نزلت  
في ابي بكر الصديق فالغرض منه  
توصيف الصديق بكونه اتقى الناس  
اجمعين غير الانبياء واما محصنا  
بغير الانبياء دلالة العقل والاجماع  
والنصوص وليس الغرض منه الاحتراز  
والحکم بدخول التقي دون اتقى في  
النار۔

(مظہری ج 10 ص 278-279)

مفہوم مخالف ہمارے نزدیک معتبر ہی نہیں اس لئے یہ آیت اس پر دلالت ہی نہیں کر رہی کہ صرف "تقی" بڑا پرہیزگار ہی جہنم میں داخل نہیں ہوگا اور تقی (پرہیزگار) جہنم میں داخل ہوں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ جبکہ کلام بھی ایک خاص واقعہ کے بیان میں ہے اس لئے کہ مفسرین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ غرض اس سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصف بیان کرنا ہے کہ آپ سب لوگوں سے سوائے انبیاء کرام زیادہ پرہیزگار ہیں۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکر کو سوائے انبیاء کے

سب لوگوں پر زیادہ تقویٰ اور زیادہ فضیلت حاصل ہے اس تخصیص پر عقل، اجماع اور نصوص دلائل کر رہی ہیں کہ انبیاء کرام پر کسی کو مخلوق میں سے فضیلت حاصل نہیں۔ آیت کریمہ میں "اتقی" ذکر کرنے کی غرض احتراز نہیں کہ یہ حکم لگایا جائے کہ تقی جہنم کی آگ میں داخل ہوگا اور اتقی داخل نہیں ہوگا۔

اگر مفہوم مخالف والوں کی ناکام کوشش کو مان لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے:

ولو سلمنا المفهوم فالمراد بالتقی الذی  
 جاز دعولہ فی النار التقی عن الشریک  
 فقط دون المعاصی واللہ تعالیٰ اعلم

اگر ہم مفہوم مخالف کو دلیل مان لیں تو "تقی" جس کا جہنم میں داخل ہونا جائز ہے۔ اس سے مراد وہ تقی ہے جو صرف شرک سے تو بچا ہوا ہے لیکن باقی گناہوں سے بچا ہوا نہیں۔  
 واللہ اعلم

(مظہری ج 10 ص 279)

مطلب یہ کہ مؤمن جو گناہوں سے نہیں بچتا وہ بھی شرک سے بچ کر رہنے کی وجہ سے "تقی" تو کہلاتا ہے لیکن وہ گناہوں سے پرہیز نہیں کرتا تو اس کا جہنم میں داخل ہونا جائز ہے اگرچہ لازم تو نہیں۔ لیکن "اتقی" جو صاحب ایمان تمام گناہوں سے محفوظ ہے اس کا جہنم میں جانا جائز نہیں بشرطیکہ اسی پر خاتمہ ہو۔ حکم تمام مؤمنین کا مجموعی ہے، بات جواز اور عدم جواز کی ہے۔ علامہ مظہری رحمہ اللہ "ولسوف یرضی" کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں:

وہکون ابی بھکر اتقی الناس بعد  
 الانبیاء دلیل علی ہکونہ افضلہم لقولہ  
 تعالیٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم  
 وعلیہ اتقوا الاجماع

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے انبیاء کے بعد زیادہ پرہیزگار ہیں تو یہ دلیل ہے اس پر کہ وہی سب سے زیادہ افضل ہیں اس پر اجماع ہے۔

مفہوم مخالف کو سمجھتے چلے جائیں:

نور الانوار وغیرہ اصول فقہ کی کتب میں چند دلائل قاسدہ کو ذکر کیا گیا،

جو ہمارے نزدیک وہ دلائل معتبر نہیں۔ ان میں ایک علامہ نسفی رحمہ اللہ نے ”منار“ میں ذکر فرمایا: ”التنصیص علی الشیء باسمہ العلم یدل علی الخصوص عند البعض“ کسی چیز کے اسم علم پر حکم لگائیں تو وہ اس کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے یہ قول بعض حضرات کا ہے۔ شارح نور الانوار میں ذکر فرماتے ہیں:

هذا وجه اول من الوجوه الفاسدة ای وجوہ فاسدہ میں سے یہ پہلی وجہ فاسدہ ہے  
الحکم علی العلم یدل علی نفیہ عن جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حکم علم پر خاص  
غیرہ عند البعض ہو جاتا ہے اور باقیوں سے نفی ہو جاتی ہے۔

علم سے مراد: یہاں یہ کہ وہ لفظ جو ذات پر دلالت کرے، صفت پر دلالت نہ کرے۔ خواہ وہ علم ہو یا اسم جنس ہو جس طرح ”الماء“۔ بعض اشعر یہ اور بعض حنابلہ کا یہ قول ہے لیکن ان کے متعلق محشی نقل فرماتے ہیں: (قوله عند البعض) ای الذین لا اعتداد لہم یہ حنابلہ اور اشاعرہ کے محققین حضرات کا قول نہیں بلکہ غیر معتبر لوگوں کا قول ہے اور تو یقیناً ان کی دلیل بھی غیر معتبر ہے۔

التنصیص علی الشیء: کا نام ان حضرات کے نزدیک مفہوم الملقب ہے یعنی ان کے نزدیک اصل یہ ہے کہ وہی مراد ہوگا جو منطوق ہو۔ منطوق کی پھر دو قسمیں ہیں: صریح یا غیر صریح ہو۔ صریح سے مراد یہ ہے کہ لفظ کا معنی مطابقی یا تفہیمی لیا گیا ہو اور غیر صریح سے مراد یہ ہے کہ لفظ کا معنی التزائی لیا گیا ہو وہ حکم منطوق میں ہوتا ہے۔ لفظ سے جو معنی حاصل ہو وہ مفہوم ہے۔

مفہوم کی دو قسمیں ہیں:

مفہوم موافقہ اور مفہوم مخالفہ۔ مفہوم موافقہ یہ ہے کہ لفظ سے مسکوت عنہ کے وقت منطوق کے مطابق مطلب سمجھ آئے، اسی کا نام ہے دلالت العین۔ مفہوم مخالفہ: یہ ہے کہ منطوق کے خلاف مطلب سمجھ آئے۔



مفہوم اگر اسم علم سے سمجھ آئے تو اس کا نام مفہوم الملقب ہے۔ اگر شرط سے سمجھ آ جائے تو اس کا نام مفہوم الشرط ہے۔ اور اگر وصف سے سمجھ آئے تو مفہوم الوصف ہے۔ اور اگر عدد سے حاصل ہو تو مفہوم العدد ہے۔ اور اگر غایۃ سے حاصل ہو تو مفہوم الغایۃ ہے۔

مفہوم مخالفہ والوں نے بھی شتر بے مہار کی طرح مطلقاً ذکر نہیں کیا:

جو مفہوم مخالفہ کے قائل ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں: منطوق کے سوا کی نفی تب ہوگی جب اس کے ساتھ چند شرائط پائی جائیں۔ مسکوت عنہ کی منطوق پر اولویت ثابت نہ ہو اور مساوات بھی ثابت نہ ہو اور منطوق عادت کے مطابق نہ ہو۔ اور منطوق کسی سوال کا جواب نہ ہو اور منطوق کسی خاص واقعہ میں نہ آیا ہو۔ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تو ”اتقی“ اس وجہ سے کہا گیا کہ آپ نے تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا، لیکن کسی اور کا آپ پر کوئی مالی احسان نہ تھا جس کا آپ کو بدلہ دینا پڑتا) اس لئے مفہوم مخالفہ والے بھی یہاں اتقی کا آگ میں جلنے کا قول نہیں کرتے) اور یہ کہ منطوق کشف یا مدح یا ذم کیلئے نہ آئے اور کسی فائدہ (تلذذ وغیرہ) کیلئے بھی نہ آئے۔ جب تمام شرائط پائی جائیں گی تو منطوق (مذکور ہو حقیقۃً یا حکماً) کے خلاف کی نفی ہوگی۔

مفہوم مخالفہ والوں کی مثال:

قولہ <sup>للغسل</sup> ”الماء من الماء“ (رواہ مسلم و ابو داؤد عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ) پہلے ”الماء“ سے مراد غسل ہے اور دوسرے ”الماء“ سے مراد منی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غسل منی سے واجب ہے۔ ”الماء“ الف لام جنس کا ہے اس پر غسل کا حکم مرتب ہے تو اس سے پتہ چلا کہ بغیر انزال (خروج منی) کے غسل واجب نہیں۔ اس لئے یہاں منطوق کے مخالفت کی نفی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”فہم الانصار عدم وجوب الاغتسال بالاکسال لعدم الماء“ انصار نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ ”اکسال“

(بغیر انزال کے ذکر کونکا لنے) پر غسل واجب نہیں کہ وہاں خروجِ ماء (منی) نہیں پایا گیا۔

وہم كانوا اهل اللسان فلو لم يدل  
على النفي عما عداه لما فهموا ذلك  
نفي نہ ہوتی تو وہ یہ نہ کہتے۔

ہم اس کا جواب یہ ذکر کرتے ہیں ایک تو اس میں یہ ہے کہ ”الماء“ پر الف لام عہد خارجی ہے۔ مراد اس سے ماء معہود ہے یعنی منی، کیونکہ مذی سے غسل لازم نہیں بلکہ منی سے غسل لازم آتا ہے۔ منی کہا جاتا ہے اس پانی کو جو شہوت سے ٹپک کر نکلے اور اس سے ڈکڑوٹ جائے یعنی شہوت ختم ہو جائے۔ دوسرا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ غسل کے اسباب میں سے یہ ایک سبب ہے۔ اسی وجہ سے غیبتِ حنفیہ سے غسل لازم آجاتا ہے۔  
مفہوم مخالفت سے کئی مقامات میں کفر لازم آتا ہے:

و عندنا لا يدل عليه اى على النفي عما  
عداه والا يلزم الكفر والكذب فى  
قوله محمد رسول الله لانه يلزم ان لا  
يكون غير محمد رسولا وذلك كفر  
و كذب۔

منطوق اپنے مخالف کی نفی کا تقاضا نہیں کرتا  
ورنہ کوئی شخص یہ کہے ”محمد رسول اللہ ﷺ“  
اس کا یہ کلام جھوٹا ہو اور کافر ہو جائے کیونکہ  
اس کا مفہوم مخالفت تو یہ ہے کہ محمد رسول  
اللہ ﷺ کے بغیر کوئی رسول ہی نہیں تو اس  
سے دوسرے رسولوں کی نفی لازم آئے گی جو  
کفر ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ ”القرآن کتاب اللہ“ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ اگر مفہوم  
مخالف ثابت کریں تو اس سے بھی کفر لازم آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دوسری کتابوں کی  
نفی لازم آئے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ نص اپنے سواہ کو شامل ہی نہیں تو اس سے نفی یا شہوت بھی  
لازم نہیں آسکتا۔ کوئی شخص کہتا ہے: ”جاہلی حامد“ میرے پاس حامد آیا۔ تو اس قول سے

محمود کا کوئی ذکر ہی نہیں سمجھا رہا کہ وہ آیا یا نہیں آیا۔

انصار کے قول کا جواب:

انصار نے بغیر انزال کے ذکر کو نکالنے پر جو عدم غسل کا قول کیا ہے وہ مفہوم مخالف سے نہیں بلکہ جو حدیث پاک میں ”بالماء“ پر الف لام ہے اس کو استغراقی بنانے کی وجہ سے کیا ہے کہ غسل صرف پانیوں کے ذکر سے نکلنے کی وجہ سے ہے بغیر پانی کے نکلنے کے غسل لازم نہیں آتا۔ لیکن ان کے اس قول سے تو لازم آئے گا کہ غسل مذی اور ودی سے بھی لازم آئے حالانکہ ایسا نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ الف لام عہد خارجی بنایا جائے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

(ماخوذ از نور الانوار بحث ذکر الوجوه الفاسدة ص 164, 165)

نور الانوار کی بحث سے ایک اور سروردی ختم ہو گئی:

جب مفہوم مخالف کا قول ہی باطل ہے جس سے بعض اوقات کفر لازم آتا ہے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ ”نعرۃ تحقیق“ کا جواب ”حق چاریار“ دینے سے یا حضرت امام حسن علیہ السلام کی خلافت کا باطل ہونا لازم آئے گا یا دوسرے صحابہ کا ناحق ہونا لازم آئے گا۔ کاش! مفہوم مخالف کے قول کا مردود ہونا سمجھا جائے تو ”نعرۃ تحقیق“ کا جواب ”حق چاریار“ بھی صحیح سمجھا جائے۔

مسائل کی تحقیق سے ہٹ کر اقوال بھی سوائے فتنہ و فساد کے کچھ نہیں۔ زیادہ وضاحت راقم نے ”نجوم الفرقان“ اور ”نجوم التحقیق“ میں کر دی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فتح العزیز (تفسیر عزیزی) میں فرماتے ہیں:

پہلے آپ نے تفضیلیہ کا اعتراض ذکر کیا کہ ”التقی“ سے مراد صرف ”تقی“ ہے یعنی پرہیزگار نہ کہ وہ اپنے سب ماسوا سے زیادہ پرہیزگار ہو کہ آخر تقویٰ صدیق حضور ﷺ کے تقویٰ سے یعنی طور پر کم تھا تو ان پر لفظ ”التقی“ مطلقاً کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ اور

”تقی“ جب بمعنی ”تقی“ لے لیا تو اب آیہ کریمہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے کچھ تعلق نہ رہا۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

اہل سنت و جماعت میگوںد کہ اتقی را بمعنی تقی گرفتن خلاف لغت عربیت ست پس حمل کلام الہی کہ قرآن عربی ست ہراں درست نہاشد و ضرورت کم درین حمل بیان کردہ اند مندفع ست بآنکہ کلام در سائر ناس ست نہ در پیغمبراں علیہم الصلوٰۃ والسلام زیرا کہ از شریعت معلوم ست کہ پیغمبراں در کرامت و منزلت عند اللہ ممتازند، آنہارا برسائر ناس و سائر ناس را بآنہا قیاس نتوان کرد پس عرف شرع در مقام بیان تفاضل و افزونی مراتب این قسم الفاظ را مخصوص بامت میسازد و تخصیص عرفی از تخصیص ذکرى قوی ترست۔

اہل سنت جواب دیتے ہیں کہ ”تقی“ کو بمعنی ”تقی“ کے لیتا عربی لغت کے خلاف ہے۔ پس کلام الہی کو اس معنی پر محمول کرنا درست نہیں۔ اس کو اسی معنی پر محمول کرنے کی ضرورت ہے جو مقصود بھی ہے اور اس سے اعتراض بھی مندرج ہو جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ کلام باقی لوگوں میں نازل ہوا ہے، انبیاء کرام کے حق میں نازل ہی نہیں۔ انبیاء کرام عزت و مرتبہ میں باقی لوگوں سے ممتاز ہیں، انبیائے کرام کو باقی لوگوں پر اور دوسرے لوگوں کو انبیاء کرام پر قیاس کرنا جائز نہیں۔ پس عرف شرع میں فضیلت کو بیان کرنے اور مراتب کی زیادتی کو بیان کرنے کے مقام میں امت کیلئے اس قسم کو مخصوص کیا گیا ہے نیز تخصیص عرفی تخصیص ذکرى سے زیادہ قوی ہے۔

(فتح العزیز المعروف تفسیر عزیزى) (مطلع القمرین، اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ ص 202)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی:

جسے آپ نے ”حبیبیہ“ سے شروع فرمایا: آگے کسی کی قسمت کہ وہ متنبہ

ہو جائے یا پھر بھی خوابِ غفلت میں خراٹے لیتا رہے۔

تنبیہ:

قد علمت مما ذکر ان فرض المسئلة  
فی لفظ له عموم اما آية نزلت فی  
معین ولا عموم للفظها فانها تنصر علیه  
قطعا كقوله تعالى وسيجنبها الاتقی  
الذی یؤتی ماله یتزکی فانها نزلت فی  
ابی بکر الصدیق بالاجماع وقد  
استدل بها الامام فخر الدین الرازی مع  
قوله ان اکرمکم عند الله اتقاکم  
علی انه افضل الناس بعد رسول الله  
صلی الله علیه وسلم وهو من ظن ان  
الآية عامة فی کل من عمله اجراء له  
علی القاعدة وهذا غلط فان هذه الآیة  
لیس فیها صیفة عموم اذ الالف و الام  
انما تفید العموم اذا كانت موصولة أو  
معرفة فی جمع زاد قوم أو مفرد بشرط  
ان لا یحکون هناك عهد واللام فی  
الاتقی لیست موصولة لانها لا توصل  
بأفعل التفضیل اجماعاً والاتقی لیست  
جمعا بل هو مفرد والعهد موجود  
مخصوصاً مع ما یفیده صیفة أفعل من  
التمیز وقطع المشاركة فبطل القول

خبردار!! آگاہ ہو جاؤ! جو ہم نے پہلے ذکر کیا  
اس سے تمہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ لفظ میں اگر  
عموم پایا جائے تو اس کا حکم کیا ہے لیکن اگر آیت  
کسی معین شخص کے بارے میں نازل ہو اور  
اس کے لفظ میں بھی عموم نہ ہو تو وہ قطعی طور پر  
اسی شخص پر بند ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد  
گرامی (وسيجنبها الاتقی الذی یؤتی  
ماله یتزکی) بیشک یہ آیت ابو بکر صدیق رضی اللہ  
عنه کے حق میں نازل ہوئی۔ اس میں اجماع پایا  
گیا ہے۔ اسی آیت سے اور اس کے ساتھ  
دوسری آیت (ان اکرمکم عند الله  
اتقاکم) کو ملا کر امام فخر الدین رازی رحمہ  
اللہ نے دلیل پکڑی اس پر کہ بیشک حضرت  
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد  
(اور تمام انبیاء کرام کے بعد) سب لوگوں  
سے افضل ہیں۔ البتہ ان لوگوں کو وہم ہوا  
جنہوں نے گمان کیا کہ یہ آیت عام ہے ہر  
شخص نے جس نے یہ عمل (تقویٰ اور مال  
خرچ کرنے کا) کیا۔ انہوں نے لفظ کو عام  
رکھ کر اس کے قاعدہ پر جاری کیا حالانکہ ان کا  
یہ گمان غلط ہے، بیشک اس آیت کریمہ میں عموم

بالعموم وتعمین القطع بالخصوص  
والعصر علی من نزلت فیہ رضی اللہ  
عنه

(الاتقان فی علوم القرآن النوع التاسع معرفہ  
سبب النزول ج 1 ص 30 سہیل اکیڈمی لاہور)  
کی کہ یا الف لام تعریف کا مفرد پر داخل ہو  
لیکن وہاں معبود نہ ہو۔ ”الاتقی“ پر الف لام موصول بھی نہیں کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اسم تفصیل  
پر الف لام موصول داخل نہیں ہوتا اور ”الاتقی“ جمع بھی نہیں کہ اس پر الف لام عموم پر دلالت  
کرے بلکہ یہ مفرد ہے اور معبود موجود ہے۔ خصوصاً جب فعل (اسم تفصیل) کا صیغہ دوسروں  
سے ممتاز کرنے اور مشارکت کو ختم کرنے کے لئے آئے تو عموم کا قول باطل ہے قطعی طور پر اس  
کا خصوص اور انحصار متعین ہوگا اسی کے حق میں جس کے حق میں آیہ نازل ہوئی۔ اتھی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع اور قطعیت صدیوں سے آ رہی  
فائدہ:  
ہے۔ علماء متاخرین ہند (اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اور ان کے تبعین سے قائم و  
دائم ہے)۔ ابھی اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا جواب جو تفصیلیوں کو دیا گیا ہے کہ ”اتقی“ اپنے  
معنی تفصیلی میں استعمال ہے۔ اس کی تفصیل جاری ہے تفاسیر کا ذکر آنے والے مقدمہ  
کی تفصیل کو سمجھنے کیلئے ہے۔ جواب کی تکمیل پر ان شاء اللہ تفصیلی ختم ہو جائے گی۔

اشقی کے متعلق مفسرین کرام کے ارشادات:

لَا يَصْلُهَا إِلَّا الْأَشْقَى ⑮ الَّذِي كَذَّبَ  
وَتَوَلَّى ⑯ (سورة الليل)

(لا يصلها الا الاشقى) ای لا يدعها  
دعولا تحيط به من جميع جوانبه الا  
الاشقى ثم فسره فقال (الذي كذب)  
ای بقلبه (وتولى) ای عن العمل

نہیں چلے گا اس میں مگر بڑا بد بخت جس نے  
جھٹلایا اور پھر گیا۔  
(نہیں چلے گا آگ میں مگر بڑا بد بخت) اس  
کا مطلب یہ ہے کہ آگ میں نہیں داخل ہوگا  
اس طرح کہ آگ اس کا تمام جانبوں سے  
احاطہ کر رہی ہو مگر وہی جو بڑا بد بخت ہوگا۔

بحوارحہ وارکانہ

پھر آگے بڑے بد بخت کی وضاحت کی۔

فرمایا: وہ جس نے جھٹلایا دل سے اور پھر گیا

اعضاء وارکان کے ذریعے عمل کرنے سے۔

(ابن کثیر ج 6 ص 477)

تفسیر ابن کثیر کے بیان سے واضح ہوا کہ ”اشقی“ اپنے ہی معنی (یعنی اسم

تفصیل کے معنی میں) میں استعمال ہے۔ آیت کریمہ سے یہ ثابت نہیں ہو رہا کہ شقی

(بد بخت) مطلقاً آگ میں داخل نہیں ہوگا بلکہ اس آگ کے طبقہ میں داخل نہیں ہوگا جو

جمع جوانب سے گھیرے ہوئے ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری پریشانیاں مفہوم مخالف والوں کیلئے ہیں۔ جب

بنیاد ہی باطل ہے تو اس پر تعمیر ہونے والا محل ہی باطل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسولاللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ میں نہیں داخل ہوگا

مگر بد بخت۔ آپ سے پوچھا گیا: بد بخت

کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو طاعت کا

عمل نہ کرے اور معصیت کو نہ چھوڑے۔

قال الامام احمد حدثنا ابن لهيعة

حدثنا عبد ربه بن سعيد عن المقبري

عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

لا يدخل النار الا شقي قبل ومن الشقي

قال الذي لا يعمل بطاعة ولا يعترک لله

معصية (مسند احمد ضعيف)

حدیث ضعیف ہونے کے باوجود مقصد کے منافی نہیں کیونکہ ”شقی“ نے

آگ میں داخل ہونا ہی ہے اس کی نفی ہی نہیں۔ البتہ جمع جوانب سے احاطہ کرنے والی

آگ میں صرف ”اشقی“ لوگوں نے ہی داخل ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسولاللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری تمام امت قیامت

کے دن جنت میں داخل ہوگی مگر انکار کرنے

والے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یا رسول

وقال الامام احمد حدثنا يونس و

سريع قال حدثنا فلان عن هلال بن

علي عن عطاء بن يسار عن ابي هريرة

قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كل من عمل امتي

يدخل الجنة يوم القيامة الا من ابى قالوا: ومن يابى يا رسول الله؟ قال من اطاعنى دخل الجنة ومن عصانى فقد ابى و رواه البخارى عن محمد بن سنان عن فليح به۔

(بخاری رقم الحدیث 7280 مسند احمد 2/261)

### بیضاوی نے بیان کیا:

(لا یصلها) لا یلزمها مقاسبا شدتها (الا لاشقی) الا الکافر فان الفاسق وان دخلها لم یلزمها ولذلك سماه اشقی و وصفه

(نہیں جلے گا آگ میں) یعنی بہت زیادہ شدت سے کوئی آگ سے چمٹ کر یعنی آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا مگر بڑا بد بخت۔ بڑے بد بخت سے مراد کافر ہے کیونکہ اس سے کم

بد بخت فاسق ہے وہ اگر چہ آگ میں داخل تو ہوگا لیکن آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اسی وجہ ”اشقی“ ذکر کیا گیا۔

”اشقی“ کی آگے تعریف بیان کر دی (الذی کذب وتولس) ای کذب الحق و اعرض عن الطاعة یعنی بڑا بد بخت وہ ہے جس نے حق کی تکذیب کی اور طاعت سے پھر گیا۔

سورۃ اعلیٰ میں بیضاوی نے ”اشقی“ کو تفصیل کے معنی میں برقرار رکھا۔

(و یتجنبها) ای و یتجنب الذکری (الاشقی) الکافر فانہ اشقی من الفاسق او الاشقی من الکفرة لتوغله فی الکفر (الذی یصلی النار الکبری) نار جہنم فانہ علیہ السلام قال نار کم هذه جزء

وہ جو نصیحت حاصل کرنے سے دور رہا وہ بڑا بد بخت ہے کیونکہ وہ کافر ہے فاسق سے بڑا بد بخت ہے یا وہ جو کفر میں زیادہ ہی گہرا ہوا ہے وہ عام کافروں سے بڑا بد بخت ہے وہ بڑی آگ میں جلے گا بڑی آگ جہنم کی آگ



من سبعین جزاً من نار جہنم أو مافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمہاری الدرك الأسفل منها۔ (دنیا کی) آگ جہنم کی آگ کا (۷۰) واں حصہ ہے یا بڑی آگ سے مراد وہ آگ ہے جو جہنم کے سب سے نیچے حصہ میں سخت عذاب والی ہوگی جو منافقین کیلئے ہوگی جیسے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ”ان المنافقین فی الدرك الأسفل من النار“ (بیضاوی)

علامہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال ابن عباس نزلت فی أمیة بن خلف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ آیت و امثاله الذین کذبوا محمداً والانبیاء امیہ بن خلف اور اس کی مثل لوگوں کے قبلہ بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے محمد ﷺ اور پہلے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی ”اشقی“ سے مراد بڑا بد بخت لیا ہے۔

قاضی ابوبکر باقلانی کے اعتراضات کے جوابات:

اعتراض نمبر ۱:

قاضی کہتے ہیں: اگر ”اشقی“ کو اپنے ظاہری (تفصیل) کے معنی میں رکھا جائے تو اس سے لازم یہ آئے گا کہ جب کافر نے تکذیب نہ کی اور اعراض نہ کیا وہ جہنم کی آگ میں نہیں چلے گا حالانکہ یہ باطل ہے۔

جواب:

ہر کافر نبی کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کرتا اور نبی کے سچا ہونے پر دلائل میں نظر کرنے سے اعراض کرتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا ہی درست نہیں کہ بعض کافر ایسے ہوتے ہیں جو تکذیب نہیں کرتے اور اعراض نہیں کرتے۔

اعتراض نمبر ۲:

اگر ”اشقی“ کو تفصیل کے معنی میں رکھا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ لوگوں کو گناہ کرنے کی کھلی چھٹی دے دی گئی کیونکہ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، تکذیب نہ کی اور اعراض نہ کیا تو جب اسے پتہ چل گیا کہ میں نے جہنم میں داخل نہیں ہونا تو وہ تو گناہوں پر دلیر ہوگا۔

جواب:

معصیت پر ابھارنے والا قول ضعیف ہے کیونکہ معصیت پر دنیا میں مذمت اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا اس معنی میں ذکر ہے کہ وہ اس کو تعظیم و تکریم عطاء نہیں کرے گا اور ثواب نہیں عطاء کرے گا اور شائد عذاب کسی اور وجہ سے دے کیونکہ عذاب صرف آگ میں داخل کرنے میں منحصر نہیں۔

اعتراض نمبر ۳:

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا: ”وسیحنبھا الاتقی“ اس سے واضح ہے کہ فاسق ”اتقی“ نہیں۔ اس لئے کہ ”اتقی“ وہ ہے جس میں تقویٰ میں مبالغہ پایا جائے جو کبار کا مرتکب ہو وہ ”اتقی“ نہیں۔ اشقی سے پتہ چلتا کہ فاسق آگ میں داخل نہیں۔ ”اتقی“ سے پتہ چلا کہ فاسق آگ سے بچے گا نہیں، تو پتہ چلا کہ تفصیل والا معنی ”اشقی“ میں درست نہیں۔

جواب:

”وسیحنبھا الاتقی“ دلالت ہی غیر اتقی پر نہیں کر رہا مگر مفہوم مخالف کے طور پر وہ دلیل ہی درست نہیں۔ (ماخوذ از کبیر ج ۳۱ ص ۲۰۳ تا ۲۰۴)

راقم کا موقف:

تقریباً تفسیر ابن کثیر سے ہی ملتا ہے کہ ”وسیحنبھا الاتقی“ اور آنے والی

صفات کا تعلق تمام مؤمنین پر ہیز گاریوں سے بالعموم کیا جائے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بالخصوص کیا جائے یعنی سب ایمان والے پر ہیز گاروں کو ”تقی“ کہا جائے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس صفت میں اسبق اور اقدم مانا جائے۔ ”تقی“ آپ کو ہی کہا جائے۔ ”افضل“ آپ کو ہی کہا جائے تو درست ہے کیونکہ مفہوم مخالف کی باطل دلیل کی رٹ لگانا چھوڑ دیا جائے تو مسئلہ روز روشن کی طرح نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

چوتھے اور پانچویں مقدمہ کی تفصیل:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

چوتھا مقدمہ یہ تاویل جس کا ضعف بتانے کیلئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے (یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابو عبیدہ سے منقول ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح علامہ ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر مدارک التنزیل میں کی ہے۔

ابو عبیدہ نے کہا: ”اشقی“ بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے اور ”اتقی“ بمعنی تقی ہے اس سے مراد مؤمن ہے۔ اسلئے کہ آگ میں سب اشتیاء بد بخت (کفار) جلیں گے سب سے بڑے شقی یعنی اشقی کی خصوصیت نہیں۔ اسی طرح نجات بھی تمام تقی پر ہیز گاروں یعنی تمام مومنوں کو حاصل ہونی ہے۔ سب پر ہیز گاروں سے افضل کیلئے خاص نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کی مراد مخصوص

المقدمة الرابعة هذا التأويل الذي فتحنا ابواب الكلام على ايها انه اعنى تفسير الاتقى بالتقى انما هو مروى عن عبيدة كما صرح به العلامة النسفي رحمه الله في مدارك التنزيل وحقائق التأويل۔ (نہاوی رضویہ ج ۲۸ ص ۵۵۶)

قال ابو عبيدة الاشقى بمعنى الشقى وهو الكافر والاتقى بمعنى التقى وهو المؤمن لأنه لا يختص بالصلى اشقى الاشقياء ولا بالعجاة اتقى الاتقياء وان زعمت انه تعالى ذكر النار فاراد ناراً مخصوصة بالاشقى فما تصنع لقوله وسجنتها الاتقى الذى لأن التقى تلك النار المنصوصة لا الاتقى منهم خاصة

نار (آگ) مراد ہے تو ہم کہتے ہیں کہ تم ”وسبحنہا الاتقی“ (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے متعلق کیا کہو گے؟ اور کیسے بڑا پرہیزگار ثابت کرو گے جب کہ اس مخصوص آگ سے پرہیز کرنے پچنا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 560)

### ضمناً مدارک کی بات کو مکمل کرتا چلا جاؤں:

وقیل الآیة واردة فی الموازنة بین حالتی  
عظیم من المشرکین وعظیم من  
المؤمنین فارید ان یبالغ فی صفتها  
فقیل الاشقی وجعل مختصاً بالصلی  
کان النار لم تخلق الا له وقیل الاتقی  
وجعل مختصاً بالنجاة کان الجنة لم  
تخلق الا له وقیل هما ابوجهل و ابو  
بکر وفیه بطلان زعم المرجنة لانهم  
یقولون لا یدخل النار الا الکافر۔  
(مدارک زیر آیہ ۹۲/ ۱۷)

اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آیت وارد ہے دو  
حالتوں کے تقابل کے بیان کیلئے۔ مشرکوں کا  
بھی بڑا شخص مراد ہے اور مومنوں کا بھی بڑا  
شخص مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آگ میں  
مشرکوں کا بڑا شخص ابوجهل جلے گا گویا کہ  
آگ اس کیلئے پیدا کی گئی باقیوں کے آگ  
میں جلنے کی نفی نہیں بلکہ آگ ان کیلئے پیدا  
ہونے کی نفی ہے اور نجات مومنوں کے  
بڑے شخص سے خاص ہے۔ گویا کہ جنت اسی  
کیلئے پیدا کی گئی وہ ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ

باقی مومنین کے جنت میں داخل ہونے کی نفی نہیں۔ اسی سے مراد فرقہ کار بھی ہو گیا جو کہتے  
ہیں: آگ میں صرف کافر ہی داخل ہوں گے۔

یہ اس وقت ثابت ہو گا جبکہ ”اشقی“ بمعنی شقی (کافر) لیا جائے لیکن جب ”  
اشقی“ بڑا کافر جس کیلئے آگ پیدا کی گئی لے کر ضمناً دوسرے کفار کو داخل کیا جائے اور  
شقی بمعنی فاسق لیا جائے تو مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا اور مراد بھی ہو جائے گا۔  
راقم نے مدارک کے دوسرے قول کو بھی ذکر کر دیا تا کہ تفضیلیہ صرف پہلے قول  
پر ہی نہ اترتے رہیں۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ اشقی بمعنی شقی لینے والوں کی وضاحت فرماتے ہیں:

کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فانذرتکم ناراً تلتظی لا یصلها الا الاشقی الذی کذب وتولی (تو میں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جلے گا اس میں مگر بڑا بد بخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا)۔ اس کو اپنے ظاہری معنی پر رکھنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بد نصیبوں سے بڑا بد نصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار کفار جو بد نصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رہتے کے بد نصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں اور یہ قطعاً باطل ہے۔ لہذا واحدی و رازی و قاضی محلی و ابوالسعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ کیا گیا۔

لمس المراد بالأشقی رجل مخصوص  
یکون اشقی الاشقیاء بل المعنی من  
کان بالفافی الشقاء متناہیا فیہ وهم  
الکفار عن آخرهم لان سلا خصم عن  
السعادة بالمرءة۔

”اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے  
بڑا شقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو  
شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو کیونکہ اس مفہوم  
کے مصداق سارے کافر ہیں اور وہ سعادت  
سے بالکل محروم ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 560، 561)

مؤمنین کے متعلق ان حضرات کا موقف:

اما المؤمن الفاجر فان كان له وجه الی  
الشقاء الزائل فوجه الآخر الی السعادة  
الأبدیة وهي الایمان۔

لیکن مؤمن فاجر اگر اس میں شقاوت کا بھی  
ایک پہلو پایا جاتا ہے لیکن وہ زائل ہونے  
والا ہے اور دوسرا پہلو اس کا سعادت ہے وہ  
ہمیشہ کیلئے باقی رہنے والی ہے اس کی وہ سعادت اسے ایمان سے حاصل ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 563)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا جواب:

فاسق و فاجر مومن کیلئے بد بختی کا بھی ایک حصہ پایا گیا اور اسے سعادت کا بھی ایک عظیم حصہ حاصل ہے۔ بد بختی فاسق و فاجر کو بھی حاصل ہے صرف کافروں سے خاص نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے:

ان النبى ﷺ سمى الخبيث الشقى عبد  
الرحمن بن ملجم الذى قتل السهد  
الكريم المرتضى رضى الله عنه و  
خضب لحيته بدم اشقى الاخرين -  
(اسے آپ نے) پچھلوں کا بڑا بد بخت فرمایا۔  
بيشك نبى كريم ﷺ نے خبيث بد بخت  
عبدالرحمن بن ملجم جس نے سيدنا حضرت على  
المرتضى رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور آپ کے سر کے  
خون سے آپ کی داڑھی مبارک کو رنگین کیا۔

متعدد سندوں سے یہ روایت ثابت ہے۔ حالانکہ وہ خبیث بد بخت خارجی تھا  
یعنی گمراہ تھا کافر نہ تھا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ معنی لینے میں متفرد نہیں۔ ذرا پیچھے اور اراق  
میں تفاسیر کے اقوال کو دیکھ لیں بات سمجھ آ جائے گا۔

اشقی کو شقی کے معنی میں لینے اور مومنین کو شقاوت سے نکالنے والوں پر اعتراض:

اعتراض سے پہلے تمہیدی طور پر یہ مسئلہ سمجھیں کہ تین چیزیں ہیں جن کو ذہن  
میں رکھا جائے:

①: الاوای الاتصاف بالمبدأ وهو مفاد اسم الفاعل: پہلی چیز ان میں

سے یہ ہے کہ فقط مصدری معنی سے متصف ہونا یہ اسم فاعل کا مفاد ہے۔

②: والثانی الکثرة فیہ وهو مدلول صیغة المبالغة: اور دوسری چیز ان میں

سے یہ ہے کہ مصدری معنی سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں زیادتی

پائی جائے لیکن وہ زیادتی معنی اس کی ذات میں بغیر کسی اور کی طرف منسوب

کرنے کے ہو۔

③: والثالث الزيادة فیہ عن غیرہ: تیسری چیز ان میں سے یہ ہے کہ مصدری

معنی سے متصف بھی ہو اور اس کے معنی میں زیادتی بنسبت غیر کے پائی جائے۔ ”هو الموضوع له اسم التفضيل“ اس کیلئے اسم تفضیل کو وضع کیا گیا ہے۔

جب کہا جائے: ”اللعين كاذب“ تو اس کا معنی ہے یعنی جھوٹا ہے اور جب کہا جائے: ”اللعين كذاب“ تو اس کا معنی ہے: یعنی بہت زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ اور جب کہا جائے: ”اللعين اكذب من الملعونين“ تو اس کا معنی ہے ”لعين اپنے دوسرے لعینوں سے زیادہ جھوٹا ہے۔“

اس لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا: ”فالثنائي كالوسط بين الأول والثالث“ ”دوسرا اول اور تیسرے کے درمیان ہے، یعنی مبالغہ وسط ہے قائل اور تفضیل کے۔“

تمہید کے بعد اعتراض سمجھیں:

فاسق و فاجر مسلمانوں کا جہنم میں جانا یقینی امر ہے ان کو ”شقی“ سے نکالنا اور ”شقی“ کو تفضیل سے خالی کرنا کیسے درست ہے؟

ان کی طرف سے جواب:

فارادوا به البالغ في الشقاء المتناهي فيه ابقاء لمعنى الزيادة المملول عليها بصيغة التفضيل۔ کہ ہم نے ”شقی“ کو مکمل طور پر تفضیل سے خالی نہیں کیا: ”بل المعنى من كان بالغاً في الشقاء متناهيًا فيه وهم الكفار“ بلکہ ہمارے نزدیک مراد یہ ہے کہ جو بد بختی میں ایک حد تک پہنچا ہوا ہو (یعنی حد سے تجاوز کرنے والا ہو) وہ کافر ہے یہ معنی لینے میں تفضیل برقرار ہے۔

ابھی تک اعتراض کی ایک شق باقی ہے: کہ فاسق و فاجر مسلمان کا جہنم میں جانا یقینی ہے تو اسے ”شقی“ سے نکالنا کس طرح صحیح ہے؟ تو اس کا جواب واحدی وغیرہ

نے یہ دیا:

لا یصلاھا لایلزمھا فی حقیقة اللغة یقال  
 صلی الکافر النار اذا الزمھا مقایسا  
 شدتها وحرھا وعندنا ان هذه الملازمة  
 لا تعبت الا الکافر۔ اما الفاسق فاما ان  
 لایدخلھا او ان دخلھا تخلص عنها۔ اھ  
 النار“ جب وہ آگ کو لازم پکڑے اور اس  
 کی شدت و حرارت کو برداشت کرے وہ کہتے ہیں: ہمارے نزدیک آگ کو لازم پکڑنا صرف  
 کافر کیلئے ہے۔ مسلمان فاسق و فاجر یا تو جہنم میں داخل ہی نہیں ہوگا۔ اگر داخل ہوا تو وہ آگ  
 کو لازم نہیں پکڑے گا بلکہ اسے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 561 تا 563)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آگ میں فاسق و فاجر مسلمانوں نے بھی جب جانا ہے تو آگ کو کفار سے  
 خاص کرنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں:

① یہ کہ اس آیت میں نار سے مراد وہ نار ہو جو کفار کیلئے خاص ہے اور فاسق و فاجر  
 مسلمانوں کیلئے عام آگ ہو۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں یعنی فاسق و فاجر لوگوں کو آگ میں پاک کرنے  
 اور مہذب بنانے کیلئے داخل کیا جائے گا۔ اس لئے ان کا آگ میں جانا نہ  
 جانے کی طرح ہوگا اور آگ میں مکمل جانا وہ ہوگا جس کے بعد آگ سے نکلنا  
 نہ ہوگا اس آیت کا تعلق کفار سے خاص ہو جائے گا۔

علامہ رازی رحمہ اللہ نے ایک اور توجیہ کی:

• هو ان یخص عموم هذا الظاهر  
 بآیات الدالة علی وعید الفاسق  
 آپ فرماتے ہیں: آیت کو کفار سے اس طرح  
 خاص کر لیا جائے اور فاسق کو اس سے خارج



کیا جائے کہ یہ کہا جائے جو آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں وہ وجہ تخصیص ہیں۔

مطلب یہ کہ کفار کیلئے جلنا ہو اور فساق کیلئے صرف وعید ہو۔ (کبیر)

لیکن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول میں

ایک تو تاویل اور تخصیص جمع ہو رہی ہیں جس کی ضرورت نہیں۔ پھر وعید صرف دھمکانے

کا نام تو نہیں آگ میں جلنے کی خبر بھی وعید ہے۔ فرق صرف اتنا کیا جاسکتا ہے کفار کیلئے

وعید زیادہ سخت ہو نسبت فاسق و فاجر مسلمانوں کیلئے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 565، فتح العزیز المعروف ب تفسیر عزیزی)

تنبیہ:

تفسیر کبیر کے ترجمہ کو راقم نے جو پہلے ذکر کیا کہ قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے

دو وجہ ذکر کیں ان کو علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے رد کیا لیکن اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام

میں قاضی کی دو وجہ کو ترجیح دی۔ بہت طویل بحث کی علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی کے

قول کے جو جواب دیئے تھے۔ ان کے ضعف کو بیان کیا لیکن راقم یہاں صرف قاضی کی

دو وجہات کو ذکر کر رہا ہے۔ بہت طویل بحث سے پہلو تہی کرنا بہتر سمجھا کہ مقصود کو سمجھنے

سے ملال نہ آئے۔

پہلی وجہ قاضی ابو بکر باقلانی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی:

الأول ان یكون المراد بقوله "نارا تلظی" ناراً

تلظی "نارا مخصصة من النيران لأنها

درکات بقوله تعالیٰ ان المنافقین فی

الدرك الأسفل من النار فالآية تدل

على ان تلك النار المخصصة لا

یصلها سوی هذا الاشی ولا تدل علی

پہلی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "نارا تلظی" سے مراد دوزخیوں کی آتش سے مراد ایک

مخصوص آتش مراد ہے اس لئے کہ آگ کے

مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے

شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے

میں ہیں۔ اب آیہ اس معنی پر دلالت کرتی

ان الفاسق وغير من هذا صفة من الكفار لا يدخل سائر النيران۔

ہے کہ مخصوص آگ میں یہی "اشقی" جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بد نصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں۔ اتھی

(مفتاح الغیب المعروف زیر آیہ ۱۵۱۳/۹۲)

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 566)

دوسری وجہ قاضی ابوبکر باقلائی رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمائی:

الثانی من وجہی القاصی ان المراد بقوله تعالى "ناراتلظى" اجمع ويكون المراد بقوله تعالى "لا يصلها الا الاشقى" اى هذا الاشقى به احق وثبوت هذه الزيادة فى الاستحقاق غير حاصل الا لهذا الاشقى انتهى۔

دوسری وجہ قاضی نے یہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "ناراتلظى" میں جس نار کا ذکر ہے اس سے مراد جہنم کی تمام آتھیں (آئیں) ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "لا يصلها الا الاشقى" اس میں نہیں جلتے گا مگر سب سے بڑا بد بخت) سے مراد یہ ہے

(مفتاح الغیب) کبیر) زیر آیہ ۱۶، ۱۵ / ۹۲ کہ وہ سب سے بڑا بد بخت جہنم کی سب آگوں کا مستحق ہوگا اگرچہ جلتے گا ایک ہی سخت آگ میں، یعنی سب سے زیادتی سب آگوں میں سے ہر ایک کے مستحق ہونے کی سب سے بڑے بد بخت کو حاصل ہوگی۔

زنجشیری نے یہ وجہ بیان کی:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا: قاضی ابوبکر کی توجیہ کے قریب ہی زنجشیری کی توجیہ ہے جس پر زنجشیری نے کشاف میں اس پر اکتفاء کرتے ہوئے جزم کیا۔ زنجشیری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ آیہ مشرکین کے ایک عظیم اور مؤمنین کے ایک کے دو مقابل صفتوں میں فرمایا جائے۔ اس لئے "اشقی" فرمایا گیا اور اسے جہنم کی آگ میں جانے کیلئے اس معنی میں مخصوص ٹھہرایا گیا ہے گویا کہ جہنم کی آگ اسی کیلئے پیدا کی گئی۔ اور "اتقی" فرمایا گیا کہ نجات اور

جنت کا وہی مستحق ہے گویا کہ جنت اسی کیلئے پیدا کی گئی۔ (مدارک)  
 راقم نے مدارک کا یہ قول پہلے اس عنوان (ضمناً مدارک کی بات مکمل کرتا چلا  
 جاؤں) سے نقل کر دیا جو دو صفحات پیچھے جانے سے آپ کو مل جائے گا۔  
یہ مسئلہ گرا ٹمر کا ہے:

کہ ”اشقی“ اسم تفضیل ہے اسے اپنے حقیقی معنی سے بلاوجہ پھیرنا درست  
 نہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان الزمخشري له يد طولی و كعب  
 علیہا فی فنون الأدب و صنائع الادباء  
 فقول الرازی انه ترك الظاهر من غير  
 دليل الا غير مستحسن۔  
 بیشک زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی  
 صنعت میں بڑی دسترس حاصل ہے اور اونچا  
 درجہ حاصل ہے اس لئے امام فخر الدین رازی  
رحمۃ اللہ علیہ کا (تفسیر کبیر زیر آیہ ۹۲-۱۷) یہ کہنا

کہ زمخشری کی توجیہ سے تو ظاہر کو بغیر دلیل کے چھوڑنا لازم آئے گا لیکن امام رازی کا زمخشری  
 پر یہ اعتراض مستحسن نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۵۷۳ تا ۵۷۷)

سب سے پہلے ابو عبیدہ نے ہی اشقی بمعنی شقی اور اتقی بمعنی تقی لیا:

هذا ما يتعلق بحكم الأشقي ولا شك  
 ان الكلام ههنا محتاج بظاهر الی  
 تاویل او توجیہ لکن ابا عبیدة زاد فی  
 الشطرین بغلة ثم تنابع فی قوم من  
 المتأخرین یقولون كلامه من دون  
 تنقیح۔  
 ابھی تک جو ہم نے بیان کیا اس کا تعلق ”  
 اشقی“ سے تھا اور کوئی شک نہیں کہ اس مقام  
 میں کلام اپنے ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج  
 ہے لیکن ابو عبیدہ نے شطرنج کے لہروں میں  
 اپنا نخر بڑھا دیا (یعنی سلف کے خلاف  
 درمیان میں ٹانگ اڑا دی) پھر متاخرین

میں سے کچھ لوگ لگا تار اس کے کلام کو نقل کرتے رہے لیکن انہوں نے اس میں چھانٹ  
 بیٹ کر کے کوئی تحقیق نہ کی۔

جیسا کہ ”الاتقان“ میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کر دیا گیا کہ بعض

اوقات بغیر تحقیق کے مفسرین کسی کلام کو نقل کرتے چلے جاتے ہیں حالانکہ وہ تحقیق کے خلاف ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۵۷۵)

حق اور رائج بات کو ماننا ہی کمال ہے:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ سے ”اشقی“ کی توجیہات سے اختلاف کیا اور ”اتقی“ میں ان کی تفسیر پر جزم کیا۔ پتہ چلا کہ کوئی اختلاف ذاتی نہ تھا بلکہ تحقیق کا اختلاف تھا۔ یہی اختلاف رحمت ہے جس کے متعلق مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ان اختلاف امتی رحمة“ بیشک میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

رحم اللہ الرازی حیث تظن لهذا  
فذكر فی الاشقی قولاً انه بمعنی الشقی  
ولم يذكره فی الاتقی رأساً بل صرح  
بخالفه حیث قال ” هذا لا یدل علی  
غیر الاتقی الا علی سبیل المفہوم  
والتمسک بدلیل الخطاب الخ۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو بہت خوب سمجھا کہ (اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کا وصف بیان فرمایا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو۔ یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا) ”اشقی“ میں ایک قول

آپ نے ذکر فرمایا جس میں ”اشقی“ کو شقی کے معنی میں لیا لیکن ”اتقی“ میں اسے بالکل ذکر نہیں کیا۔ بالکل اس کے واضح طور پر بیان کرتے ہوئے (مفاتیح الغیب) کبیر) زیر آیت ۹۲۔ (۱۷) یہ فرمایا: یہ آیت کریمہ جس میں ”اتقی“ کیلئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر مفہوم مخالف کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر مراد لی جائے۔ لیکن مفہوم مخالف کا قول ہی باطل ہے۔

مفہوم مخالف کے قائلین بھی یہاں دلیل نہیں بنا سکتے:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اقول بل ولا یتمشی علی مذہب القائلین میں کہتا ہوں: بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر

بمفهوم الصفة ايضاً فان الكلام مسوق لمدح الاتي كما يدل عليه سبب النزول ومقام المدح والذم مستثنى عندهم ايضاً كما هو مذكور في كتب الأصول۔

بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے یہ کلام ”اتقی“ کی مدح کیلئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے سمجھ آ رہا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک بھی مقام مدح یا مقام مذمت مفہوم مخالف کا قانون جاری نہیں ہوتا جیسا کہ اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہے۔

### بعض مفسرین پر تعجب ہے !!!

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تعب ہے قاضی بیضاوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر کہ انہوں نے اس مقام میں مفہوم مخالف کو کیسے دلیل بنایا جبکہ یہ مقام مدح ہے۔ اور مقام مدح میں مفہوم مخالف کا کوئی بھی قائل نہیں۔ تو پتہ چلا کہ یہ مقام مفہوم مخالف کا بالاتفاق نہیں۔ اور بہت زیادہ تعجب ہے قاضی امام ابو بکر شافعی پر جب ان کا قلم بھی پھسل گیا کہ وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت کریمہ حصر کا فائدہ دے رہی ہے۔ حالانکہ مفہوم مخالف کے قول میں اپنے ائمہ کے مخالف ہیں۔

فما للعجب من القاضي البيضاوي الشافعي كيف تمسك ههنا بالمفهوم مع انه ليس محله بالاتفاق واشد العجب من القاضي الامام ابي بكر الشافعي اذ زل قدمه فمال الى افادة الحصر مع انه يخالف ائمته في القول بالمفهوم رأساً۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 576، 577)

### مقام توجہ !!

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے ابو عبیدہ کا قول مکمل رد کر دیا کہ اس نے ”اشقی“ کو شقی کے معنی میں اور ”اتقی“ کو تقی کے معنی میں جو لیا ہے وہ باطل ہے۔ اور علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بھی اس میں ضعیف کہا جو انہوں نے ”اشقی“ کو شقی کے معنی میں لیا اور

ان کے قول کو صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ بہت خوب کہا جو انہوں "اتقی" بمعنی تقی نہیں لیا بلکہ "اتقی" کو اپنے معنی تفصیل پر ہی رکھا۔ اور قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو ترجیح دی کہ "اشتی" اپنے تفصیل معنی پر ہی ہے بمعنی شقی نہیں۔ اور افضلیت کی قطعیت پر ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا اور قاضی ابو بکر باقلانی کے قول کو قبول نہ کیا۔ اسی طرح قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ پر تعجب کرتے ہوئے ان کے قول کو بھی چھوڑا۔

وجہ صرف یہ کہ راجح اقوال کو لیا اور مرجوح کو چھوڑا یہی طریقہ مستحسن اور درست ہے۔ لیکن خیال کیا کہ کوئی سر پھر ایہ نہ کہہ دے کہ کیا وجہ ہے کبھی ابو بکر باقلانی وغیرہ کے قول کو رد کیا جا رہا اور کبھی ترجیح دی جا رہی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اسی کا جواب دینے کیلئے شاید آپ نے یہ بیان فرمایا:

وہکذا یرینا اللہ آیاتہ فی الأفاق وفی  
انفسنا کیدا یغتر مغتر بدقۃ النظارۃ ولا  
یسخر ساخر من عائر فی افکارہ اذ  
نری کل صارم ینبو وکل جواد  
یکبو فعلام یزہو من یزہو وسعی اللہ  
عہد من قالوا سادۃ کرام قادیۃ الامۃ  
ابراہیم النخعی ومالک بن انس  
وغیرہما من الائمة افا قالوا ولنعمر ما  
قالوا کل احد ماخوذ من کلامہ  
ومردود علیہ الا صاحب ہذا القبر صلی  
اللہ علیہ وسلم لسأل اللہ الوقایۃ فی  
البدایۃ والنہایۃ والحمد للہ رب  
العالمین۔

اور اسی طرح دیکھاتا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی  
نشانیوں آفاق میں اور ہمارے نفسوں میں  
تاکہ کوئی دھوکا نہ کھائے اپنی باریک بینی پر  
اور کوئی مزاح اترانے والا اپنے افکار میں  
پھسلنے والے پر مزاح نہ اڑائے۔ جب ہم  
دیکھ رہے ہیں ہر تلوار اچھتی ہے اور ہر گھوڑا  
گرتا ہے۔ تو کسی وجہ سے گھمنڈ کرنے والا  
گھمنڈ کرے۔ کیا خوب کہا ابراہیم نخعی اور  
مالک بن انس وغیرہ ائمہ نے سنی اللہ عہد ہم  
جو امت کے سردار اور قائد ہیں (جنہوں نے  
یہ فرمایا) کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی  
ہے اور کوئی نامقبول مگر اس قبر شریف کے  
ساکن یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان کی ہر بات

(الواقف والجواہر المحمّدیة الساج والاربعون ج 2 الانصاف لولی اللہ دہلوی ص 13)  
قبول ہے۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت مانگتے ہیں ابتدا و انتہا میں اور سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا)۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 577)

ابو عبیدہ کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا ارشاد:

”اتقی“ کی تفسیر تقی سے کرنا یہ صرف ابو عبیدہ سے منقول ہے چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی رحمہ اللہ نے مدارک التنزیل میں کی ہے (بعد میں کئی مفسرین نے اسے بلا تحقیق نقل کیا) اور یہ ابو عبیدہ ایک آدمی ہے نحو و لغت کا عالم جو ساتویں طبقہ پر ایک فرد ہے۔ اس کا نام معمر بن المثنیٰ ہے۔ ”کسان یسری رأی الخوارج و کسان سلیط اللسان وقاعا فی العلماء“ یہ خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا اور یہ بد زبان تھا اور علماء کے خلاف بری زبان رکھتا تھا۔

بعض نے کہا: ابو عبیدہ خارجی ہونے سے متہم تھا:

وقال ابن حجر العسقلانی فی التعریب  
معمر بن المثنیٰ ابو عبیدہ التیمی  
مولاہم البصری النحوی اللغوی  
صدوق اخباری وقد رمی برأی الخوارج  
من السابعة مات سنة ثمان وما نعتین  
وقبل بعد ذلك وقد قارب المائة اہ -

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے تقریب میں بیان کیا ہے کہ معمر بن مثنیٰ ابو عبیدہ تیمی بنو تیم کا غلام تھا جسے آزاد کر دیا گیا تھا۔ بصری، نحوی، لغوی اور سچا تھا۔ تاریخ کا راوی تھا اور اس پر خارجیوں کے مذہب ہونے کی تہمت تھی۔ طبقہ ہفتم کے علماء سے تھا۔ ۲۰۸ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ بعض نے کہا ۲۰۵ھ کے بعد انتقال ہوا۔ اس کی عمر سو سال کے قریب تھی۔

(تقریب التہذیب ترجمہ معمر المثنیٰ)

ابو عبیدہ (تاء سے) اور ابو عبید (بغیر تاء) کے دو شخص علیحدہ علیحدہ ہیں:

اعلیٰ حضرت ﷺ فرماتے ہیں:

”ابو عبید القاسم بن سلام احسن منہ  
حالا والبصر منہ بالحديث“  
ابو عبیدہ کے شاگرد ابو عبید کا حال اس سے  
اچھا تھا اور انہیں حدیث میں اس سے زیادہ  
بصیرت تھی۔

○ وقد قال ابن خلكان كما نقل  
الفاضل عبد الحی فی مقدمة الهدایة ابو  
عبید بغیر تاء مذکور فی باب الجنایات  
من کتاب الحج اسمہ القاسم بن سلام  
فا بآء طویل فی فنون الأدب والفقہ  
ابن خلكان نے بیان کیا ہے جیسا کہ فاضل  
عبدالحی لکھنوی نے مقدمہ ہدایہ میں نقل کیا  
ہے کہ ابو عبید (بغیر تاء) کے کتاب الحج کے  
باب الجنایات میں جو مذکور ہے ان کا نام  
قاسم بن سلام ہے۔ ادب کے فنون وفقہ  
میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔

قال القاضي احمد بن كامل كان ابو  
عبید فاضلا فی دینہ متفننا فی اصناف  
العلوم من القراءات والفقہ والعربیة  
والأخبار حسن الروایة صحیح النقل۔  
قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے  
دین میں فاضل تھے اور مختلف علوم قراءت و  
فقہ و عربیت و تاریخ کے ماہر تھے۔ ان کی  
روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے۔

انہوں نے ابو زید واسمعی و ابو عبیدہ و ابن العربی و کسائی و فراء غیر ہم سے  
روایت کی۔ اور اہل علم لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے حدیث و قرأت و امثال معانی  
شعر و احادیث عربیہ و غیر ہا میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان کی تعداد تیس سے انتیس  
تک ہے۔ ”و یقال انه اول من صنف فی غریب الحدیث“ اور بیان کیا گیا ہے  
کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی غریب احادیث کو علیحدہ کتابی شکل میں جمع کیا۔

ہلال کہتے ہیں: چار شخصوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے:

وقال الهلال من الله تعالى على هذه  
ہلال فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان چار



الأمة بأربعة في زمانهم بالشافعي في فقه  
 الحديث و بأحمد بن حنبل في المحنة  
 ولولا لكفر الناس و يبعي بن معمر  
 في ذب الكذب عن الاحاديث و بأبي  
 عبيد القاسم بن سلام في غريب  
 الحديث

فخصوں پر ان کے اپنے اپنے زمانہ میں بڑا  
 احسان فرمایا۔ امام شافعی پر کہ انھیں فقہ  
 حدیث عطاء کر کے احسان فرمایا۔ اور احمد بن  
 حنبل کو آزمائش میں مبتلا کر کے احسان فرمایا  
 (یعنی وہ آزمائش جس میں حضرت امام احمد  
 بن حنبل زمانہ مامون میں مخالفت عقیدہ خلق

قرآن کے سبب جلاء ہوئے) اور اگر امام احمد (اس زمانے میں) نہ ہوتے تو لوگ  
 کافر ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن معین پر احسان فرمایا کہ انہوں نے احادیث سے  
 جھوٹی روایات کو الگ کر دیا۔ اور ابو عبید بن قاسم بن سلام پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ  
 انہوں نے غریب احادیث کو علیحدہ جمع کر دیا۔

ابو عبید کی وفات: مکہ میں ہوئی یا مدینہ ۲۲۲ء یا ۲۲۳ء میں اور بخاری نے سن  
 وفات ۲۲۳ء بیان کیا ہے۔

ہدایہ کے بعض نسخوں میں غلطی واقع ہوئی:

تھیلہ الدرایہ لمقدمۃ الہدایۃ لعبدالحی مع الہدایۃ میں ہے: باب الجنايات میں  
 ابو عبید کی جگہ ابو عبیدہ لکھ دیا گیا ہے حالانکہ ابو عبیدہ کا نام معمر بن اشمس ہے۔ اس کے  
 حالات پہلے بیان کر دیئے گئے۔ اور ابو عبید بن قاسم بن سلام ہیں جن کا ابھی قریب ذکر  
 ہو گیا۔ ہدایہ باب الجنايات میں صحیح یہی ہے کہ ابو عبید (بغیر تاء) سے مذکور ہے جیسا کہ  
 ابن خلکان کی معتبر تاریخ سے ثابت ہے۔

اسی طرح عینی شرح ہدایہ میں بھی سو کتابت کی وجہ سے بعض نسخوں میں  
 ابو عبید (بغیر تاء کے) معمر بن اشمس ورج ہو گیا اور بعض نسخوں میں ابو عبیدہ (تاء کے  
 ساتھ) قاسم بن سلام بغدادی ذکر ہو گیا۔ صحیح وہی ہے جو پہلے ذکر کر دیا گیا۔

اصل میں ان تمام غلطیوں کی وجہ تاء کا ہونا اور نہ ہونا ہے۔ ایسے الفاظ میں یقیناً لکھنے میں غلطی آجاتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۵۵۶ تا ۵۵۸)

اسی طرح کی غلطی ابن حزم اور ابن ابی حزم میں آرہی ہے۔ ابن حزم فتنہ باز تھا اور ابن ابی حزم ثقہ راوی ہیں جن سے حدیث میں امام احمد بن حنبل نے روایات لی ہیں۔ ابن ابی حزم کا ثقہ ہونا بعض لوگ ابن حزم کیلئے بیان کر دیتے ہیں۔  
اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واما قدماء العلماء فكيف ملئ علما  
حامل تاج المسلمين نعال رسول الله  
ﷺ سيدنا عبد الله بن مسعود و حبر  
الامة سلطان المفسرين عبد الله بن  
عباس و عروة بن زهير و شقيقه عبد الله  
و افضل التابعين سعيد بن المسيب  
رضي الله عنهم اجمعين فقد رويت لك  
ذلك ما قالوا في الآية۔

علماء متقدمین جیسے علم سے بھرے ہوئے  
ظرف حامل تاج مسلمانان نقش پائے  
رسول اللہ ﷺ سیدنا عبد اللہ بن مسعود عالم  
امت سلطان المفسرین عبد اللہ بن عباس  
اور عروہ بن زہیر اور ان کے سگے بھائی  
عبد اللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب  
رضی اللہ عنہم نے جو آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشادات  
فرمائے وہ ہم نے آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان  
کر دیئے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 558, 559)

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے تفصیلی بیان کا خلاصہ:

”اتقی“ اور ”اشقی“ دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں ان کو بلا ضرورت اپنے حقیقی معنی تفضیل سے پھیر کر مجازی معنی تقی اور شقی لینا درست نہیں۔ ”اتقی“ کو اپنے معنی میں رکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی، لیکن دوسرے صحابہ کا معاذ اللہ جہنمی ہونا لازم نہیں آئے گا۔ مفہوم مخالف کا قول ہی باطل ہے اس کو دلیل بنانا ہی درست نہیں۔

”اتقی“ مقام مدح میں استعمال ہے اور ”اشقی“ مقام ذم (ذمت کے مقام) میں استعمال کیا گیا ہے۔ مفہوم مخالف کے قائلین بھی مقام مدح و ذم میں مفہوم مخالف کو تسلیم نہیں کرتے۔

”اتقی“ کو سب سے پہلے بمعنی تقی ابو عبیدہ معمر بن الہثمی نے لیا۔ وہ خارجی تھا یا خارجی ہونے کی صفت سے متہم تھا یعنی حقیقی طور پر خارجی تھا یا خارجی ہونے کی اس پر تہمت تھی اس لئے وہ غیر معتبر شخص تھا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے تو وضاحت کر دی کہ ”اتقی“ بمعنی تقی ہے جیسا کہ ابو عبیدہ نے بیان کیا لیکن دوسرے مفسرین نے بھی ابو عبیدہ کا ہی قول نقل کیا جنہوں نے بغیر تحقیق کے اس کے قول کو نقل کر دیا۔

مفسرین کی ہر بات کو ماننا ضروری نہیں۔ بعض مفسرین کرام نے اس طرح کے واقعات بیان کئے جو انبیاء کرام اور ملائکہ کی عصمت کے خلاف ہیں۔ اس لئے ان مقامات میں ایسی تفاسیر کو چھوڑ دیا جائے گا جن میں فرشتوں اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی عصمت کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ صرف ان تفاسیر کا اعتبار کیا جائے گا جن میں تحقیقی بیان ہے۔ انبیاء کرام اور فرشتوں کی عصمت کا لحاظ کیا گیا ہے۔

اسی طرح ”اتقی“ کو ”تقی“ کے معنی میں حقیقت کو بلاوجہ مجاز کی طرف پھیرنا لازم آئے گا جو درست نہیں اور ابو عبیدہ کی پہلی تفسیر ”اتقی“ کی بمعنی ”تقی“ پر اعتبار کرنا لازم آئے گا۔

غیر مقلدین جس طرح احادیث کو بیان کرتے ہیں ناسخ و منسوخ کو نہیں ذکر کرتے۔ اسی طرح صرف تعداد کو بیان کرتے چلے جانا صحیح اور ضعیف کا فرق نہ کرنا کہ صحیح روایت کثیر ضعیف روایات پر ہماری ہوتی ہے۔

یہی بات تفاسیر کے متعلق بھی ہے۔ تعداد کو دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ

ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ دیکھا جائے کس نے تحقیق سے حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اور کس نے بغیر کسی ضرورت اور بغیر کسی وجہ سے حقیقت سے پھیرا ہے۔ جب نظریوں کی جائے گی تو یقیناً انصاف کی نظر کرنے والا بھولنے والے مفسرین کے ان اقوال کو چھوڑ دے گا جن میں ضعف پایا گیا ہے۔

جو تین واقعات بیان کئے گئے ہیں جن میں انبیاء کرام کی عصمت کا لحاظ غالباً بھول کر نہیں کیا گیا ان میں علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہیں۔

”اتقی“ کو ”اتقی“ کے معنی میں لینے میں جن مفسرین نے ابو عبیدہ کے قول کا سہارا لیا اور بلا تحقیق اسے نقل کیا ان کو رد کر دیا جائے گا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کو رد کرنا جس میں آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی قطعیت کو اجماع امت سے ثابت کیا ہے اور علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بیان کرنے میں ایری چوٹی کا زور لگانا اور الف لام کی بحث سے اوراق کو بھرنا جن اقسام سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے شرح مائتہ عامل اور فصول اکبری پڑھنے والے طلباء کرام بھی یاد کئے ہوتے ہیں وہ ساری بحثیں بے اثر ہو گئیں۔

علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو جب ”اتقی“ کی بحث میں ماننا ہی درست نہیں تو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی رد نہیں ہوگا بلکہ اپنے اصلی حال میں آب و تاب سے قائم و دائم رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

ہاروت و ماروت کا واقعہ:

بھی مختصر انداز میں راقم اردو میں ہی پیش کر دیتا ہے کہ اس میں بھی مفسرین سے بھول ہوئی جو فرشتوں کی عصمت کا خیال نہیں کیا گیا۔ آئیے! ذرا غور سے دیکھئے!!

”ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے۔ یہ دنیا میں لوگوں کی آزمائش کیلئے ان کے جادو سکھانے کیلئے آئے۔ یہ ایک ”زہرہ“ نامی

عورت پر عاشق ہو گئے کیونکہ ان میں خواہشاتِ نفسانیہ رکھ دی گئی تھیں۔ انہوں نے اس عورت سے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس نے کہا: یا تم میرے بت کو سجدہ کرو۔ یا مجھے اسمِ اعظم سکھا دو جس سے میں آسمانوں پر چلی جاؤں یا تم میرے شوہر کو قتل کرو یا شراب پیو تو میں تمہاری خواہش کو پورا کروں گی۔ انہوں نے اس کے کہنے پر شراب پی لیا لیکن شراب پینے کی وجہ سے سارے جرائم ان سے سرزد ہو گئے۔ نشے کی حالت میں بت کو بھی سجدہ کر لیا۔ اسے اسمِ اعظم بھی سکھا دیا اور اس کے شوہر کو بھی قتل کر دیا۔ اور انہیں بطور سزا بائبل کے ایک کنویں میں لٹکا دیا۔ قیامت تک لٹکے رہیں گے۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو رد کیا کہ یہ اسرائیلی روایت ہے یعنی یہود کی سازش ہے اس میں فرشتوں کی عصمت کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ اب یہاں بھی دوراہ ہیں: کوئی چاہے تو ہاروت اور ماروت کے واقعہ کو اس انداز پر بیان کرے اور چاہے تو علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر عمل کرے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا قصہ کو نقل فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ”ان هذه الروایة فاسدة مردودة غير مقبولة“ بیشک یہ روایت فاسد ہے مردود مقبول نہیں۔

منظہری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اتنی وجہ بیان کی ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتوں کو زمین پر اس لئے بھیجا گیا تھا کہ یہ لوگوں کو جادو کے متعلق بتائیں تاکہ ان لوگوں کو جادو اور معجزہ میں فرق معلوم ہو جائے اور ان کو یہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں اس کے حکم کے خلاف کام کرنا باعصی کفر ہے اور اس کی منشاء کے مطابق کام ذریعہ

نجات ہے (مظہری)۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی اپنی زبان سے مفصل بحث کا نتیجہ سنئے!!

اذ وعیت هذا ودریت ما فیہ والعمیت  
السمع وانت نبیہ ہان علیک الجواب  
عن هذه الشبهة الاولى بوجه  
(کہ اتقی بمعنی اتقی ہے اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی تخصیص نہیں) کا جواب  
چند وجوہ سے آسان ہے۔

پہلی وجہ:

الأول ظاهر اللفظ واجب الحفظ الا  
بضرورة واین الضرورة؟  
پہلی وجہ یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی  
حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے  
پھیرنا جائز نہیں مگر بضرورت اور (اتقی کو اتقی  
کے معنی میں پھیرنے کی) ضرورت کہاں؟

دوسری وجہ:

العالی ما مالوا الیہ لم یزد الا قدحا  
فوجب ان یضرب عنہ صفحا و ابو  
عبیدة فیما عانی لا اصاب ولا اغنی  
فکیف نترك ظاهر قول الله سبحانه  
وتعالی بقول رجل لم یکن معصوما  
ولا صحابیا ولا تابعیا ولا سنییا ولا  
مصیبا فی ما طلب ولا مجدیا فیما الیہ  
هرب۔  
دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تاویل کی طرف  
لوگ مائل ہوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ  
ہوئی۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس سے  
منہ پھیر لیں اور ابو عبیدہ نے جو پاڑے پہلے اس  
کوشش میں نہ وہ صحیح مقصد کو پاسکا اور نہ ہی  
اس نے کوئی مفید بات کہی۔ تو ہم اللہ تعالیٰ  
کے قول کے ظاہری معنی کو ایسے شخص کے کہنے  
سے چھوڑ دیں جو نہ معصوم تھا نہ صحابی تھا نہ

تابعی اور نہ ہی سنی تھا اور نہ ہی اپنا مطلب درست پانے والا تھا۔ اور جس نئی راہ کی طرف وہ

بھاگا اس نے اسے نفع نہ دیا۔

افسوس! انصاف بہت کم ہی رہ گیا:

ایہا الناس انی سائلکم عن شیء فہل  
انتم مخبرون اراہتم لو ان الآیۃ وردت  
بلفظ التقی وفسرہ بالأتقی ابو عبیدہ  
اللفوی فتعلقناہ بقولہ وندبناکم الی  
قبولہ ماذا کنتم فاعلمین لکن  
الانصاف شیء عزیز لا یؤتی الا حافظ  
عظیم۔

اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوچھوں گا تو  
کیا جواب دو گے؟ مجھے بتاؤ! اگر آیہ لفظ  
”تقی“ کے ساتھ وارد ہوتی اور ابو عبیدہ لغوی  
اسے ”أتقی“ سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول  
سے چٹ جاتے اور تمہیں اس کے قبول  
کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے۔  
لیکن کم ہی پائی جانے والی چیز اور بڑے  
نعیب والے کو ہی انصاف حاصل ہوتا ہے۔

### تیسری وجہ:

الغاث سمعنا کونہ فی الآیۃ وجہا  
وجہا لکن ہو الوجه فیہا بل وجہت  
ہو الاوضہ والأجلی ولا تغانی بین نجات  
التقی ونجات الأتقی و القرآن متحد بہ  
علی کل تأویل وأحد الوجهین یوجب  
التفضیل والوجه الآخر لا ینافیہ فوجب  
القبول والقول بما فیہ۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے آیہ میں اس کا وجہ  
وجہ مان لیا (یعنی اگر ہم ابو عبیدہ کے قول ہی  
کو بہتر وجہ مان لیں) لیکن آیہ میں کیا یہی  
وجہ ہے؟ نہیں! نہیں!! بلکہ ہماری وجہ ہی  
زیادہ واضح اور زیادہ روشن ہے۔ تقی اور اتقی  
(پرہیزگار اور بڑے پرہیزگار) کی نجات  
میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر

تاویل پر حجت ہے۔ اور دو وجہوں میں سے ایک یعنی ”تقی“ تفضیل کو چاہتی ہے اور دوسری  
یعنی ”أتقی“ اس کے منافی نہیں تو ضروری ہے کہ اسے ہی قبول کیا جائے اور اسی کا قائل ہونا  
ضروری ہے۔

پہلے علماء کرام ابو عبیدہ کے کلام کو زیادہ جانتے تھے:

ولذلك ترى علمائنا رحمهم الله لم يزالوا محتجين بالآية الكريمة على تفضيل العتيق الصديق رضي الله عنه وهم ادري منا ومنكم بما قاله ابو عبيدة وغيره ثم هذا لم يعقد هم عن سلوك تلك المسالك ولم ينكر عليهم احد ذلك فثبت ان مقصودنا بحمد الله حاصل ومزعومكم بحول الله باطل والحمد لله رب العالمين اياه لرجوا وبه نستعين۔

اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو ہمارے علماء اہل سنت رضی اللہ عنہم کو کہ وہ اس آیت (و مسیح نبیہا الاتقی) سے سیدنا ابو بکر عتیق و صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابو عبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے تھے۔ جب علماء اہل سنت نے ابو عبیدہ کے کلام کو بہت اچھی طرح سمجھنے کے باوجود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل ماننے کی راہ پر چلنا پسند فرمایا اس مسلک حق کا انہوں نے انکار نہ کیا۔ تو ثابت ہو گیا کہ ہمارا مقصد بجز اللہ صلیح ہے اور تمہارا گمان باطل ہے۔ اور سب خوبیان اللہ کیلئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا ہم اس سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 600 تا 602)

### اعتراض:

زبدۃ التحقیق ص ۳۷۶ پر ہے کہ اسم تفضیل کے استعمال تین ہیں:

(۱) اضافت کے ساتھ

(۲) من کے ساتھ

(۳) الف لام تعریف کے ساتھ۔

جب اسم تفضیل اضافت اور "من" کے بغیر ہو اور معرف باللام ہو اس وقت

غیر تفضیل کیلئے استعمال ہو سکتا ہے۔ (تو کس طرح یہ کہنا صحیح ہے کہ "الاتقی" اسم تفضیل

ہے اس کو تقی کے معنی میں لینا صحیح نہیں)



جواب:

یہ اعتراض نیا نہیں، پرانے تفضیلیوں کا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کو بھی نقل کیا اور جواب بھی دیا۔

آئیے! پہلے تفضیلیوں کا اعتراض اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی زبان سے سنئے:

الشبهة العانية ما نقله المولى الفاضل  
استاذ استاذى عبد العزيز بن ولي الله  
الدهلوى سامعنا الله وايهما بلطفه  
الخنفي و فضله الوفي في تفسير فتح  
العزیز بعد ما ذكر استدلال اهل السنة  
والجماعة بالآية الكريمة على الطريق  
المشهور بين علماء الدهور قال:  
دوسرا اعتراض وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ  
مولائے فاضل عبدالعزیز بن ولی اللہ دہلوی  
(اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں اپنے لطف خفی اور  
فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح  
العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت و  
جماعت کے استدلال کو علماء زمانہ کے  
درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد  
فرمایا ہے۔

تفضیلیہ نے یہ اعتراض کیا:

وقال اهل التفضيل ان الاتقي محمود  
على اتقى مسلخ عن معنى التفضيل اذ  
لولاه لشمع باطلاقة النبي صلى الله  
عليه وسلم فيلزم ان يكون الصديق  
اتقى منه صلى الله عليه وسلم وهو  
باطل قطعنا بالاجماع۔  
تفضیلیہ (فرقہ شیعہ) نے کہا: "اتقی" بمعنی  
تقی ہے اور وہ یعنی اسم تفضیل معنی تفضیل  
سے خالی کر لیا گیا ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی  
نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے سبب  
صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اتقی ہوں  
اور یہ قطعاً جماعی طور پر باطل ہے۔

اہل سنت و جماعت کی طرف سے جواب:

قال واجاب اهل السنة والجماعة ان  
حمل الأتقى على اتقى يخالف اللسان  
شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اہل سنت و  
جماعت نے جواب یہ دیا ہے کہ "اتقی" کو اتقی

العربی و القرآن اما نزل بها فعمله  
 علی ما لمس منها غیر سدید وما  
 ذکرنا من الضرورة مندفع بان الكلام  
 فی سائر الناس دون الانبیاء علیهم  
 الصلوة والسلام لما علم من الشریعة  
 ان الانبیاء اعلی کرامة و اشرف مکانة  
 عند الله تبارک و تعالی فلا یقاسون  
 بسائر الناس ولا یقاس سائر الناس بهم  
 فعرف الشرع حین جریان فی مقام  
 التفاضل و تفاوت الدرجة یخصص  
 امثال هذا اللفظ بالامة و التخصیص  
 اقوی من التخصیص الذکری کقول  
 القائل حبز القمح احسن حبز لنا یفهم  
 منه تفضیل علی حبز اللوز لأن  
 استعمال غیر متعارف وهو خارج عن  
 البحث اذ الکلام انما انتظم العیوب  
 دون الفواکه۔

کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے۔  
 حالانکہ قرآن تو عربی زبان میں ہی اترا  
 ہے۔ تو ”اتقی“ بلکہ کسی لفظ کو بھی ایسے طریقہ  
 پر محمول کرنا جو عربی زبان کے قانون کے  
 مطابق نہ ہو صحیح نہیں اور جو ضرورت تفضیلیہ  
 نے ذکر کی وہ مندفع ہے۔ اس لئے کہ اس  
 مقام پر کلام انبیاء علیہم کو چھوڑ کر باقی لوگوں  
 میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ  
 انبیاء کرام کی عظمت سب سے زیادہ ہے۔  
 اور ان کا مرتبہ سب پر بلند ہے تو انہیں باقی  
 لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا نہ باقی لوگوں کو  
 ان پر قیاس کیا جائے گا۔ تو شریعت کا عرف  
 مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری  
 گفتگو میں ایسے الفاظ کو امت کے ساتھ  
 خاص کر دیتا ہے اور تخصیص عربی تخصیص  
 ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ  
 گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے۔  
 اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت باوام کی  
 روٹی پر نہ سمجھی جائے گی اس لئے کہ اس کا  
 استعمال متعارف نہیں اور وہ بحث سے  
 خارج ہے۔ اس لئے کہ کلام اناج کو شامل نہ  
 کہ میووں کو۔ انتہی۔

فارسی زبان کا ترجمہ عربی میں کیا گیا:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: هذا كلامه في التفسير الفارسي اور دناہ نقلًا بالمعنى شاه عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو کلام پیش کیا گیا ہے، یہ حقیقت میں فارسی ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ عربی میں پیش کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کا تبصرہ:

میں کہتا ہوں: اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر فرمائی کہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع و مدفوع ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”هو الذى يبدؤ الخلق ثم يعيده وهو اھون عليه (پ ۲۱)“ اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہئے) و لیس شیء اھون علی اللہ تعالیٰ من شیء والمعنى فى نظر کم حالانکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز آسان نہیں دوسری چیز سے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب چیزوں پر ایک جیسی قدرت حاصل ہے۔ یہ بات نہیں کہ کوئی آسان ہو اور کوئی آسان نہ ہو)۔

اس لئے آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمہاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہیے۔ یعنی ”اھون“ میں اسم تفضیل کا معنی موجود ہے لیکن بندوں کے لحاظ پر نہ کہ رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے۔

یہ تاویل ”عسی“ اور ”لعل“ میں ایک تاویل کے مطابق ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام میں جب ”عسی“ اور ”لعل“ واقع ہوں تو ان میں اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ان میں تو شک والا معنی پایا جاتا ہے۔ تو رب تعالیٰ نے ان کو اپنے کلام میں کیسے ذکر فرمایا؟ حالانکہ رب تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت نہیں ہونی چاہیے۔ تو اس کے کئی جواب دیئے گئے: ان میں سے ایک جواب یہ دیا گیا ہے اگر شک والا معنی لیا جائے تو اس کی نسبت بندوں کی طرف ہوگی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں

ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے ان کا معنی یقین کا ہوگا۔ شک والا نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۰۴)

### اعتراض:

زبدۃ التحقیق ص ۶۷۳ میں تو یہ بیان کیا گیا کہ ”اھون“ آیہ کریمہ میں تفضیل کے معنی میں استعمال ہی نہیں کیونکہ شرح ابن عقیل مصنفہ بہاؤ الدین عبداللہ بن عقیل العقیل المصری الہمدانی متوفی ۶۹۷ھ-۳۸۲ھ پر حوالہ ملاحظہ ہو۔

ومن استعمال صیغۃ افعل لغير التفضیل قوله تعالیٰ وهو الذی یدؤ الخلق ثم یعبده وهو اھون علیہ (۳۰/۲۷) وقوله تعالیٰ ”ربکم اعلم (۵۳/۱۷) ای و هو ھین علیہ و ربکم عالم بکم

یہی آیہ میں ”اھون“ بمعنی ھین اور دوسری میں ”اعلم“ بمعنی عالم ہے۔ قرآن مجید کی ان دو آیات میں صیغۃ اسم تفضیل کو اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہونے کے دو نمونے مل گئے پھر کیا شک باقی رہ گیا۔ (زبدۃ التحقیق ص ۳۷۶)

### جواب:

زبدۃ التحقیق کی تمام عبارات منقولہ کو دیکھنے سے یہی بات سمجھ آرہی ہے کہ مرجوح عبارات اقوال باطلہ کو یا تو جمع کر لیا گیا ہے۔ یا ادھوری بات سے مطلب نکالنے کی کوشش کی۔ کتابوں سے کون سے غلط اقوال نہیں مل سکتے، بہت کچھ مل سکتا ہے اگر ان اقوال باطلہ کو جمع کرنا شروع کیا جائے تو اصلاح کے بجائے فساد پھیلا نا ہی لازم آئے گا۔ پھر تعجب یہ کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی عبارت ”جس میں آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو بالا جماع ثابت کیا اور ”الاتقی“ میں الف لام عہد خارجی بنایا“ کو رد کرنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور جلا لیں کے آخری حصہ کے مفسر علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ پر ہی سہارا لگایا۔

یہاں ”اھون“ کی بحث میں مصر سے ایک تفصیلی کوڈ ہوٹ کر لایا گیا۔ یہاں علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کیوں پسند نہیں آئے۔ آئیے! علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کو دیکھئے:

(وہو الذی یبدؤ الخلق) للناس (ثم یعیذہ) بعد ہلاکہم (وہو اھون علیہ) من البدء بالنظر الی ما عند المنخاطبین من ان إعادة الشیء سهل من ابتداءہ و الا فہما عنده تعالیٰ سواء فی السہولۃ (جلالین ص 372)

وہی اول بتاتا ہے (یعنی لوگوں کو) پھر اسے دوبارہ بتائے گا (یعنی لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد پھر پہلی حالت پر لوٹائے گا) یہ تمہاری سمجھ میں اس سے زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد (وہو اھون علیہ) جس کا معنی ہے ابتداء کی نسبت اس پر لوٹانا زیادہ آسان ہے یہ مخاطبین کے لحاظ سے تفصیل

والا معنی ہے یعنی تم سمجھتے ہو کہ ایک چیز کا لوٹانا نسبت ابتداء کے زیادہ آسان ہے ورنہ رب تعالیٰ پر ابتداء اور لوٹانا دونوں ہی آسان ہونے میں برابر ہیں۔

علامہ نسفی مدارک میں بیان کرتے ہیں:

(وہو الذی یبدؤ الخلق) ای ینشئہم (ثم یعیذہ) للبعث (وہو) ای البعث (اھون) أیسر (علیہ) عندکم لأن الاعادة عندکم اسهل من الانشاء فلم انکرتم الاعادة۔

وہی ہے جو اول بتاتا ہے (یعنی ان کو پیدا کرتا ہے) پھر لوٹائے گا اسے (یعنی قیامت کے دن ان کو اٹھانے کیلئے پھر لوٹائے گا۔ وہ اٹھانا زیادہ آسان ہے اس پر (تمہارے نزدیک کیونکہ تمہارے نزدیک زیادہ آسان ہے پیدا کرنے سے پھر تم لوٹانے کا کیوں انکار کرتے ہو؟

اعتراض:

مدارک میں تو ”اھون“ کو ”ھین“ کے معنی میں بھی لیا گیا ہے تو پھر تفصیل کے معنی پر برقرار رکھنے پر اصرار کیوں؟

جواب:

مدارک کی پہلی عبارت کو دیکھئے:

”وقال ابو عبیدہ والزجاج وغیرہما  
 الأھون بمعنی الھین فهو صف بہ اللہ  
 عزوجل وكان ذلك علی اللہ یسیرا  
 كما قالوا اللہ اکبر ای کبیر“  
 (مدارک)

ابو عبیدہ اور الزجاج وغیرہما نے کہا ہے: ”  
 اھون“ عین کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کی  
 صفت ”عین“ سے ہی کی جائے گی کہ ان پر  
 یہ آسان ہے۔ جیسا کہ لوگ کہتے ہیں: اللہ  
 اکبر تو اس میں بھی ”اکبر“ کے معنی ہیں بڑا۔

پہلی بات تو یہ کہ ابو عبیدہ وغیرہ کا یہ قول دو وجہ سے ضعیف ہے: ایک وجہ تو یہ کہ  
 ”ابو عبیدہ“ غیر معتبر شخص ہے اس کا قول بھی غیر معتبر ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ انہوں نے  
 مثال سے اپنے قول کے ضعیف ہونے پر مہر ثبت کر دی ہے۔ کیونکہ مثال یہ دی کہ جیسے ”  
 اللہ اکبر“ میں اکبر کا معنی کبیر ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ ”اللہ اکبر“ اللہ بڑا ہے یہ صحیح ہے۔  
 لیکن تفصیل کے معنی میں رکھ کر یہ معنی صحیح نہیں۔ ”اللہ سب سے بڑا ہے“۔

اگر یہ بات درست مانی جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ سوائے ابو عبیدہ  
 وغیرہ کے سب اہل علم نے غلط کہا ہے کہ یہاں مفضل علیہ مخدوف ہے جس پر واضح قرینہ  
 موجود ہے یعنی اصل میں ہے ”اللہ اکبر من کل شیء“ ”اللہ ہر چیز سے بڑا ہے۔“  
 راقم اگر جھگڑا اور فساد ہی ہوتا:

تو بات یہاں ختم ہو جاتی، لیکن جب واضح طور پر دو مطلب اور دو راہیں  
 موجود ہیں تو جنگ و جدال کا کیا مطلب؟ جب علامہ نسفی نے اس قول کو ذکر ہی اس  
 طرح کیا ہے ”فیوصف بہ اللہ عزوجل وکان ذلك علی اللہ یسیرا“ جب  
 اھون کو اللہ تعالیٰ کی صفت معنوی مانا جائے تو پھر معنی ”عین“ کا ہوگا کیونکہ اس صورت  
 میں اسم تفصیل والا معنی لینا جائز نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر ہر چیز آسان ہے۔ زیادہ

آسان کم آسان کی بات ہی نہیں۔ لیکن مدارک کی ہی تفسیر کو دیکھیں کہ اسم تفضیل کو اپنے معنی میں رکھنا کہ اس تفضیل کا معنی تفضیل ہی رہے وہ بہتر ہے اس کی تاویل موجود ہے کوئی مشکل نہیں۔ کہ اعادہ بنسبت ابتداء کے تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر زیادہ آسان (ہونا چاہئے) ایک تیسری وجہ میں بیان کی گئی ہے:

"أوهو على الخلق من الانشاء لأن  
قيامهم بصيغة واحدة اسهل من  
كونهم نطفاء ثم علقا ثم مضغاً الى  
تكميل خلقهم"

یعنی اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ "علیہ" کی ضمیر خلق کی طرف لوٹے (جیسے تفسیر جمل میں صراحت کی گئی ہے) اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ اعادہ مخلوق پر ابتداء سے زیادہ آسان

ہوگا۔ کیونکہ ابتدائی تخلیق میں کئی مراحل سے گزرنا پہلے نطفہ پھر منجمد خون پھر گوشت کا ٹکڑا بننا تکمیل تخلیق تک مخلوق کیلئے مشکل تھا لیکن ایک ہی صورت کی پھونک سے دوبارہ زندہ ہونا مخلوق کیلئے آسان ہوگا۔ اس صورت میں بھی اسم تفضیل اپنے معنی پر برقرار ہے۔

### ذرا انصاف کیجئے!!

کیا یہ بھی کوئی ضابطہ ہے کہ اسم تفضیل کو اپنے معنی میں رکھیں تو مفضل علیہ اس وصف سے خالی ہو جاتا ہے۔ جب یہ کہا جائے "زاهد افضل القوم" زاہد قوم سے زیادہ افضل ہے۔ کیا اس سے قوم کی فضیلت ختم ہو جاتی ہے؟ کیا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سمجھنے کیلئے کافی نہیں۔ "بل وجهنا هو الاوضح والاحلی ولا تنافی بین نحاۃ التقی ونحاۃ الاتقی" بلکہ ہماری وجہ زیادہ واضح اور روشن ہے اور تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸، ص ۶۰۲)

عبداللہ بن عقیل نے دوسری مثال سے اپنے قول کو ضعیف کر دیا:

رحمکم اعلم بکم ان یسأ یرحمکم  
او ان یسأ یعذبکم  
تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرنے چاہے تو تمہیں عذاب کرے۔ (کنز الایمان)

اعلیٰ حضرت ﷺ نے ”اعلم“ کا معنی اسم تفضیل والا کیا ہے۔ ”خوب جانتا ہے“۔ اہل علم یہ تو بتائیں کہ یہاں کون سی ضرورت درپیش آئی کہ ابن عقیل نے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کو اختیار کیا۔ آئیے! تفسیر بیضاوی کو دیکھئے: ”ان یشاء یرحمکم“ قاضی بیضاوی نے یوں بیان کیا:

ان یشاء یرحمکم الخ“ تفسیر للتی ہی احسن“ وما بینہما اعتراض ای قولوا لهم هذه الكلمة ودعوها ولا تصرحوا بأنہم من اهل النار فان ذلك یہم جہم علی الشرم مع ان احتتام امرہم غیب لا یعلمہم الا اللہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ”ان یشاء یرحمکم الخ“ یہ ”التی ہی احسن“ کی تفسیر ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان سے یہ کلمہ کہو یا اس قسم کا کوئی اور کلمہ لیکن واضح طور پر ان کو جہنمی نہ کہو کیونکہ اگر تم نے انہیں جہنمی کہا تو فتنہ و فساد پر بھڑک اٹھیں گے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے تمہیں ان

(بیضاوی)

کے خاتمہ کا بھی علم نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ایمان لے آئیں ان کے خاتمہ کا علم غیب ہے، اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

”مع ان احتتام امرہم لا یعلمہم الا اللہ“ اسی جملہ کو بار بار طلباء کرام کو پڑھنا چاہئے۔ ایک مرتبہ نہیں سمجھ آئے گا تو ان شاء اللہ دوسری اور تیسری مرتبہ ضرور سمجھ آئے گا کہ یہاں معنی تفضیل والا ہے ”رب سب سے زیادہ جانتا ہے“ اس طرح ابن عقیل کی یہ عبارت تمہیں صحیح سمجھ آ جائے گی یاد ہو کے سے فرج جاوے۔

عبارت کے صحیح سمجھ آنے کا مطلب یہ ہے کہ کئی جگہ اہل علم اسم تفضیل کی تفسیر فاعل سے کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ اسم تفضیل زیادتی کے معنی سے خالی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عام پڑھنے والا شخص سمجھ جائے کہ مثال کے طور پر ”اعلم“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے ’مضارع متکلم نہیں۔ ”اعلم“ جس طرح ”مفتوح العین“ ہے اس قسم کے صیغے تو بالکل ایک وزن پر ہوتے ہیں اور کسور العین یا مضموم العین



میں وزن تو ایک نہیں ہوتا لیکن اعراب نہ ہونے کی وجہ سے ایک شکل پر ہونے کی وجہ سے اشتباہ ہو سکتا ہے۔

اس اشتباہ کو دور کرنے کیلئے اسم تفضیل کے بعد اسم فاعل سے وضاحت کر دی جاتی ہے۔ ہاں! کبھی ضرورت و حاجت کی وجہ سے اسم تفضیل فی الواقع اسم فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہ اسباق تو ہم بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ اہل علم میں سے مسئلہ کی کوئی ٹانگ پکڑ رہا ہے اور کوئی دُم۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے دوسری مثال دی:

الاتری الی قوله تعالیٰ اصحاب الجنة اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کا یہ قول "جنت یومئذ خیر مستقر و احسن مقیلا ولا والوں کا اس دن اچھا ٹھکانا اور حساب کی خیر للغیر ولا حسن لأهل الضمیر أو دوپہر کے بعد اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ الآیة جاریة علی سبیل التہکم بہم (جنت والوں کے) غیر کیلئے خیر نہیں اور کما قال المفسرون لکن الأمر ان خسارہ والوں کیلئے کوئی اچھائی نہیں اور دوسرا الأفعال حقیقۃ فی التفضیل ولا یصار مطلب یہ ہو سکتا کہ آیت کفار کے استہزاء کے طور پر جاری ہے۔ جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے۔ اصل قانون یہی ہے کہ اسم تفضیل کا معنی حقیقی تفضیل ہے۔ جب تک کوئی ضرورت اور حاجت نہ پائی جائے اور قرینہ نہ پایا جائے۔ جیسا کہ دو آیتوں میں جو ہم نے تلاوت کیں۔ اور جہاں نہ ضرورت

وهذا القدر یحتمل للرد علیہم۔

اور نہ قرینہ ہو وہاں ہم تفضیل سے خالی ہونے کا قول نہیں کریں گے اور اس کی طرف پھیرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے زیادہ مشابہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے تحقیق کی اور اس قدر ان کے رد کیلئے کافی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۰۳ تا ۶۰۵)

دعویٰ کے مطابق نتیجہ نکالا گیا:

دعویٰ ہی شروع میں یہ کیا گیا کہ اسم تفضیل کا حقیقی معنی لینا صحیح ہو تو حقیقی معنی ہی لیا جائے گا مجازی معنی لینا درست نہیں ہوگا۔ اسی کو آخر میں دو آیتیں بیان کر کے بتایا گیا کہ جب ”احون“ سے مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ابتداء سے اعادہ آسان ہے تو ”احون“ کا مجازی معنی ”ہین“ ہوگا اور بندوں کی طرف نسبت ہو تو حقیقی معنی لینا درست ہے کہ تم ابتدائی تخلیق سے اعادہ کو آسانی سمجھتے ہو۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ ”خیر اور احسن“ کا تعلق فقط اصحاب جنت سے ہو کسی اور کی طرف منسوب کر کے نکالنا مقصود نہ ہو تو تفضیل والا معنی نہیں پایا جائے گا۔ کیونکہ اصحاب جنت کے بغیر کسی اور کو خیر اور اچھائی حاصل ہی نہیں ہونی اور اگر کفار سے جہم مقصود ہو تو تفضیل والا معنی پایا جائے گا کہ اے کفار! تم بھلائی اور اچھائی سے محروم ہو گے وہ تو زیادہ سے زیادہ جنت والوں کو ہی حاصل ہوتی ہیں لیکن غیر جنتیوں کو اصل خیر اور اصل بھلائی بھی حاصل نہیں ہونی۔ تقریباً تفضیل مبالغہ کے معنی کو مستلزم ہے۔ یہی مطلب ہے بیضاوی کی عبارت کا جو قریب ہی دو صفحات پہلے بیان کی ”مع ان اختتام امر ہم غیب لا يعلمہم الا اللہ“۔

اسم تفضیل کے متعلق نحو کا قانون:

اصل میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے متعلق بیان فرمایا کہ آپ کا جواب معترضین کو ان کے ذہن کے مطابق دیا گیا ہے ورنہ تحقیقی جواب اور ہے۔ اس تحقیقی جواب کیلئے آپ نے اسم تفضیل کا مسئلہ بیان فرمایا اور علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا۔ آئیے! آپ کے کلام کو دیکھئے!!

و اما ما ذکر من حدیث التخصیص جو تخصیص عرفی کی بات شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی کہ تخصیص ذکر سے عرفاً فجری منہ علی تسلیم ما ادعی

الخصم من ان اللفظ بصيغته يشمل  
الانبياء عليهم السلام وان بقيت الحق  
المرصوص فلا شمول ولا خصوص لان  
الاتقى ان عمر عمر اقرانه وهو المفضلون  
المرجحون دون المرجوحين المفضل  
عليهم

زیادہ قوی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب مدعی  
کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے کہ بیشک لفظ  
(الاتقی) اپنے صیغہ کے سبب تمام انبیاء علیہم  
السلام کو شامل ہے۔ (یعنی آپ کا جواب تفصیلیوں  
کے قول کو تسلیم کرنے کے بعد ہے تاکہ معمولی  
علم والوں کو تحقیقی جواب میں نہ الجھایا  
جائے)۔

### تحقیقی جواب:

ورنہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ "الاتقی" میں نہ عموم و شمول ہے نہ خصوص ہے (یعنی  
اسے خاص کرنے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو اس سے نکالنے کی ضرورت ہی نہیں) اور اس کے  
لئے کہ "اتقی" اسم تفصیل اگر عام ہے تو اپنے افراد کو عام و شامل ہے اور اس کے افراد وہ  
ہیں جنہیں فضیلت و ترجیح دی گئی نہ کہ وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔

### جواب پر دلیل:

وسر المقام بتوفيق الملك العلام ان  
الأفضل لا يدل من مفضل و مفضل  
عليه و المفضل عليه يذكر صريحا اذا  
استعمل مضافا أو بمن أما اذا استعمل  
باللام فلا يورد في الكلام  
مستعمل هو تو مفضل عليه صراحة مذکور ہوتا ہے۔ لیکن جب "الف لام" سے استعمال ہو تو اس  
میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

اس مقام میں علم والے بادشاہ کی توفیق سے  
راز یہ ہے کہ "افضل" (صیغہ اسم تفصیل)  
کیلئے ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ کا پایا  
جانا ضروری ہوتا ہے اور جب اسم تفصیل  
اضافت کے ساتھ یا "بمن" کے ساتھ

### معرف باللام کا مفضل علیہ مذکور نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

لان اللام تشير إليه على سبيل العهد  
اس کی وجہ یہ ہے کہ لام تعریف مفضل پر داخل

فی ضمن الإشارة الی المفضل لأن قاتا  
 ما له الفضل كما هو مفاد لفظ افعال  
 بلا لام لا تعین الا وقد تعین المفضل  
 علیه فعهدا يستلزم عهده واذ لم  
 یکن هناك عهد فی اللفظ فالمصیر  
 الی العهد الحکمی وقد عهد فی الشرع  
 المطهر تفضیل بعض الأمة علی بعض  
 لا تفضیلهم علی الانبیاء الکرام فلا  
 یقصد المتکلم ولا یفهمه السامع فلم  
 یدخلوا حتی یخرجوا تأمل

ہوتا ہے۔ وہ لام عہد خارجی ہونے کی وجہ  
 سے مفضل علیہ کی تعین پر دلالت کرتا ہے  
 اسلئے کہ فعل اسم تفضیل کا تقاضا ہی یہ ہے کہ  
 مفضل جب ہوگا تو مفضل علیہ کا ہونا بھی  
 ضروری ہے۔ جب اسم تفضیل معرف باللام  
 نہیں ہوگا تو مفضل علیہ پر کوئی قرینہ نہیں پایا  
 جاتا اس لئے مفضل علیہ کا ذکر کرنا ضروری  
 ہوتا ہے لیکن جب لام تعریف اس پر داخل  
 ہوگا وہ عہد پر دلالت کرے گا اس کا مفضل  
 علیہ اسم تفضیل کے استعمال کی طرح تو ذکر  
 نہیں ہوگا یعنی یہ تو نہیں کہا جائے گا "زید  
 الا فضل من عمر" البتہ وہ معہود کلام میں کہیں ما  
 قبل یا ما بعد مذکور ہوگا وہ عہد ذکر ہی کہلائے گا  
 اور کبھی متکلم یا مخاطب کے نزدیک معین ہوگا

وہ عہد حکمی کہلائے گا۔ شریعت مطہرہ میں امت کے بعض افراد پر فضیلت کا حاصل ہونا تو  
 مشہور و معروف ہے، لیکن کسی امتی کو انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت حاصل ہو یہ نہ متکلم (باری  
 تعالیٰ) کی مراد ہے نہ مخاطب کی۔

واضح ہوا کہ انبیاء کرام "وسب حنبہا الاتقی" آیہ کریمہ میں داخل نہیں کہ  
 ان کو مستثنیٰ کرنے کی ضرورت ہو۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اپنے موقوف پر جامی کی عبارت بطور دلیل پیش کی:

حضرت بلند مرتبت نور الملتہ والدین جامی  
 قدس اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اسم تفضیل کی وضع  
 شے کی غیر پر فضیلت بتانے کیلئے ہے لہذا

وقال المولی السامی نور الملتہ والدین  
 الجامی قدس اللہ تعالیٰ سرہ وضعہ  
 لتفضیل الشیء علی غیرہ فلا بد فیہ

من ذکر الغير الذی هو المفضل علیہ و ذکرہ مع من و الاضافة ظاہر و اما مع اللام فهو فی حکم المذکور ظاہرا لانه یشار باللام الی معین بتعمین المفضل علیہ مذکور قبل لفظا او حکما کما اذا طلب شخص افضل من زید قلت عمرو الافضل ای الشخص الذی قلنا انه افضل من زید فعلى هذا لا تكون اللام فی افعال التفضیل الا للعهد۔۔۔ اتھی۔

اس میں غیر جو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ضروری ہے۔ وہ "معین" اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ رہا لام تعریف کے ساتھ مفضل علیہ ظاہر مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعین سے متعین ہوتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا (وہ) عمرو ہے۔ تو اس بناء پر صیغہ فعل التفضیل میں لام عہد تعین کیلئے ہی ہوگا۔۔۔ انتھی

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 605 تا 607)

اعلیٰ حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں: علامہ رضی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے لیکن اس کا کلام ہم نے نقل نہیں کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے۔ (یعنی وہ رافضی ہے۔ البتہ صرف و نحو میں کامل دسترس رکھتا ہے)۔  
اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی اس تحقیق سے واضح ہوا:

کہ "الاتقی" اسم تفضیل معرف باللام ہے۔ اس کا مفضل علیہ لفظوں میں ذکر نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس کا مشہور معین ہے وہ ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جس پر احادیث دلالت کر رہی ہیں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے لیکن افسوس

کہ اقوال صحابہ و تابعین، اقوال ائمہ کرام تو پسند نہ آئے۔ اگر پسند آئے تو علامہ محلی جو کہیں کہیں بھولے تو بہت ہی زیادہ۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ علامہ محلی کے قول سے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قول (جس کا ذکر پہلے الاقان کے حوالہ سے کیا جا چکا ہے) کو رد کرنا مقصود تھا تا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہ ہو سکے۔ لیکن اقوال و صحابہ کو علامہ محلی سے رد کرنا ممکن ہی نہیں۔

اگر علامہ محلی کا قول صحیفہ آسمانی ہے تو ماننا پڑے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر شیطان حاوی تھا کیونکہ یہ اقوال بھی تو علامہ محلی کے ہیں۔ کسی مفسر کی بھول پر توجہ دینے کے بجائے محققین کی تفاسیر کو دیکھئے۔ انوکھی ضد پراڑے رہنے سے مفسرین کرام کی دیگر بھول بھلیوں کو اجاگر کرنے سے ان کی شان برقرار نہیں رہتی۔  
الأمان والحفیظ۔

مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی:

افضلیت شیخین بر باقی امت قطعی است، انکار نہ کنند مگر جاہل یا متعصب۔  
شیخین (یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی افضلیت باقی امت پر قطعی ہے۔ اس کا انکار صرف جاہل کرتا ہے یا تعصب رکھنے والا۔ (مکتوبات ج ۲، مکتوب ۳۶)

حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی:

ان صفا صفة الصدیق      ان اردت صوفیا علی التحقیق

بیشک صفا صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے، اگر تو صوفی بنا چاہتا ہے تحقیق یہی ہے۔

از انچه صفا را اصلی و فرعی است      اس کی وجہ یہ ہے کہ صفا کا ایک اصل ہے اور

اصلش العطاء دل است از اغیار و      ایک فرع۔ اصل اس کا یہ کہ اس کا دل

فرعش علو ویست از دنیا      غیروں سے دور ہے۔ اور فرع اس کی یہ

ہے کہ وہ دھوکا باز دنیا سے کنارہ کش رہے۔  
یہ دونوں صفتیں حضرت صدیق اکبر ابو بکر  
عبداللہ بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما کو حاصل ہیں۔  
اس لئے کہ طریقت یعنی اہل صفا کے امام بھی  
آپ ہی تھے اور آپ کا دل اس کے غیروں  
سے دور تھا۔

شیخ الاسلام انبیاء کرام کے بعد سب لوگوں  
سے بہتر خلیفہ و امام اور اہل تجرید کے سردار  
اور ارباب تفرید کے شہنشاہ انسانی آفات  
سے دور (وہ ہیں) امیر المؤمنین ابو  
بکر عبداللہ بن عثمان صدیق کہ آپ کی  
کرامات مشہور ہیں آپ کے معاملات و  
حقائق (یعنی خلافت ظاہرہ اور باطنہ) پر قوی  
دلائل پائے گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر انبیاء علیہم السلام کے بعد سب  
لوگوں سے مقدم (افضل) ہیں کسی کیلئے  
جائز نہیں کہ آپ سے آگے قدم رکھے۔  
(کشف النجوب باب ذکر ائمتہ من الصحابۃ ص  
(52)

غدار و این ہر دو صفت صدیق اکبر  
است ابو بکر صدیق عبد اللہ بن ابی  
قحافہ رضی اللہ عنہما از انجہ امام  
اہل این طریقت او بود وانقطاع دل  
وے از اغیار آن بود  
(کشف النجوب باب التصوف ص 23)

○ شیخ الاسلام و بعد از انبیاء خیر  
الانام خلیفہ و امام و سید اہل تجرید  
و شاہنشاہ ارباب تفرید و از آفات  
انسانی بعد امیر المؤمنین ابو بکر  
عبداللہ بن عثمان الصدیق کہ ویرا  
کرامات مشہور اند و آیات و دلائل  
ظاہر اندر معاملات و حقائق  
(کشف النجوب باب ذکر ائمتہ من الصحابۃ ص  
(50,51)

○ صدیق اکبر مقدم ہر سب سے  
خلایق است از پس انبیاء صلوات اللہ  
علیہم اجمعین و روا نباشد کہ کسی  
قدم اندر پیش ولے نہد۔

حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا ارشاد:

سب سے پہلی تحقیق دلیل حضرت ابو بکر  
صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر یہ ہے کہ نبی

و اولی ما یستدل بہ علی افضلیۃ  
الصدیق فی مقام التحقیق نصبہ علیہ

الصلوة والسلام لأمامة الأنام مدة مرضه في الليالي والأيام ولذا قال أكابر الصحابة رضيه لديننا أفلا نرضاه لديانا۔

(شرح فقہ اکبر ص 63)

کریم ﷺ نے اپنی مرض کے دنوں اور راتوں میں آپ کو لوگوں کا امام مقرر فرمایا۔ اسی وجہ سے اکابر صحابہ کرام نے فرمایا: جب نبی کریم ﷺ نے ہمارے دین کیلئے آپ کو پسند فرمایا تو کیا وجہ ہے کہ ہم آپ کو اپنے دنیاوی معاملات کا راہنما (خليفة) نہ بنائیں۔

حضرت صدیق اکبر (انبیاء کرام کے بعد) سب اگلے اور پچھلے لوگوں سے افضل ہیں۔ اسی پر اجماع امت ہے۔ اس مسئلہ میں رافضیوں کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے خود آپ کو نماز میں اپنا خلیفہ بتایا (یعنی اپنے ایام مرض میں آپ کو لوگوں کا امام مقرر فرمایا) تو یقیناً حضرت ابو بکر برحق اور سچے خلیفہ ہیں۔

○ فهو افضل الأوليا من الأولين و الآخرين وقد حكى الاجماع على ذلك ولا عبرة بمخالفة الروافض هنالك وقد استخلفه عليه الصلوة والسلام في الصلوة فكان هو الخليفة حقا وصدقا

(شرح فقہ اکبر ص 63)

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا ارشاد:

اجمع اهل السنة ان افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي ثم سائر العشرة ثم اهل الهدى ثم باقى اهل ائمة ثم باقى اهل النبوة ثم باقى الصحابة

اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ سب لوگوں سے افضل رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی پھر العشرة الہدیٰ سے جو باقی ہیں۔ پھر بدر والے صحابہ کرام پھر باقی ائمة



ہکذا حکى الاجماء علمہ ابو منصور والے پھر باقی بیعت رضوان والے پھر باقی  
البغدادی۔ صحابہ کرام ابو منصور بغدادی رضی اللہ عنہ نے بھی

(تاریخ الخلفاء ص 37) اسی پر اجماع بیان فرمایا ہے۔

چند بزرگ ہستیوں کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے  
آج تک سوائے رافضیوں کے اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابو بکر  
رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں۔

رافضیوں نے جب سے جنم لیا ہے اس وقت سے ہی وہ اپنی کوششوں میں  
مصرف ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت ہو جائے لیکن اجماع امت کے  
خلاف ان کا کوئی چارہ نہیں چلتا۔

علماء اہل سنت کو چاہیے کہ بروقت سوچ لیں کہ رافضی سے تعلقات اور سلسلہ  
محبت سوائے نقصان حاصل ہونے کے اور کچھ نہیں۔ راقم کی تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء  
اہل سنت کو اتحاد و اتفاق کی توفیق عطا فرمائے۔

### منطقی دلیل و نتیجہ پر اعتراض:

اعتراض سے پہلے تمہیدی طور پر یہ کہا گیا ہے۔ ”اتقی“ میں عموم ہے تخصیص  
نہیں۔ اس پر ابن کثیر کی عبارت کو ”زبدۃ التحقیق ص ۳۸۳“ پر توڑ موڑ کر پیش کیا گیا۔  
حالانکہ راقم نے تفسیر ابن کثیر کی مکمل عبارت پیش کر دی۔ جس میں آپ نے بہت  
خوبصورت انداز میں ”الاتقی“ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لئے ہیں کیونکہ وہ  
سب سے اقدم و اسبق ہیں۔ البتہ بالتبع دوسرے متقی حضرات بھی اس میں آتے ہیں۔  
اس تفصیل کا قانون ہی یہی ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ابن کثیر کی عبارت  
میں اگرچہ بالتبع کے الفاظ نہیں۔ البتہ مطلب وہی جو راقم نے بیان کر دیا ہے۔

بالتبعیۃ کے الفاظ تفسیر غرائب القرآن (نیشاپوری) میں صراحتاً موجود ہیں۔

اگرچہ ص ۳۸۴ پر تو بالبعیہ کا ترجمہ شامل نہیں کیا گیا لیکن ص ۳۶۹ پر ترجمہ میں شامل کیا۔ آسان مطلب کو ادھر ادھر پھیر کر اپنی بات منوانا تو مشکل کام ہے۔ نظام الدین نیشاپوری متوفی ۷۲۸ھ فرماتے ہیں:

”تتناول الآیة غیرهما من الاشقیاء والانتقاء بالتبعیہ اذا لا عبرة بخصوص السببۃ وان کان المراد اعم فان ارید بہم الشقی والتقی فلا اشکال ایضا“  
الفاظ کو بھی دیکھتے چلے جائیں آسان مطلب بھی سمجھیں۔ بفضلہ تعالیٰ کوئی ہیر پھیر نظر نہیں آئے گا۔

آیہ کریمہ ان دونوں (یعنی ”اشقی“ سے مراد امیہ بن خلف یا بعض اقوال میں ابو جہل اور ”اتقی“ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے سوا تمام اشقیاء اور تمام اتقیاء کو بالتابع شامل ہے، جبکہ خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں۔

اتنی عبارت کا بہت واضح مفہوم ہے کہ درحقیقت دراصل تو ”اشقی“ سے مراد بڑا بد بخت ہے اور ”اتقی“ سے مراد بڑا پرہیزگار ہے لیکن بالتابع ہر شقی اور ہر تقی کو حکم شامل ہے خصوصی سبب یعنی خصوصی نزول کی وجہ سے حکم اپنے مورد میں بند نہیں ہوگا۔

کیا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے یہی بات ثابت نہیں۔ یہ تو مفہوم مخالف والوں کے نزدیک ہے کہ اگر ”اتقی“ سے مراد بڑا پرہیزگار ہو تو ہر تقی کا آگ میں جلنا لازم آئے گا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تو صراحتاً ذکر کر دیا ہے کہ ”اتقی“ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں وہ سب سے افضل ہیں کسی تقی کا آگ میں جانا اس سے ثابت نہیں۔

نیشاپوری کی عبارت کا دوسرا حصہ دیکھئے:

”وان کان المراد اعم فان ارید بہم الشقی والتقی فلا اشکال ایضا“  
اگر اس عبارت کا تعلق فرض احتمال پر ہو تو بات درست ہے کہ اگر بالفرض ”الاشقی“ اور

”الاتقی“ سے مراد عام ہو یعنی ہر شقی اور ہر تقی تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کہ جہنم میں تو ہر شقی نے جانا ہے اور آگ سے ہر تقی بالخصوص ہر صحابی نے بچتا ہے۔

لیکن اس مفہوم پر وہی اعتراض ہوگا جو علامہ محلّی پر ہو چکا ہے کہ اسم تفضیل کو بلا ضرورت اپنے معنی سے پھیرنا منع ہے۔ مفہوم مخالف جب باطل دلیل ہے تو اسم تفضیل سے اپنے حقیقی معنی میں رکھنے کے باوجود یہ لازم نہیں آئے گا کہ اور کوئی شقی جہنم کی آگ میں نہیں جائے گا۔ اور کوئی تقی جہنم کی آگ سے نہیں بچے گا۔

اس لئے راقم کے نزدیک پہلا مطلب فرضی احتمال والا لیں تو نیشاپوری کی دونوں عبارتیں درست ہوں گی۔ کوئی اختلاف نہیں ہوگا یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اختلاف کو مٹانے کی کوشش کی جائے ”میں نہ مانوں“ کا تو کوئی علاج نہیں سوائے موت کے۔

اعتراض کا دارومدار صغریٰ اور کبریٰ دونوں کے صحیح نہ ہونے پر رکھی گئی ہے:

صغریٰ : حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ الاتقی ہیں۔

کبریٰ : اور ہر اتقی اکرم ہوتا ہے

نتیجہ : ابو بکر صدیق اکرم (افضل) ہیں۔

صغریٰ اس میں اس لئے باطل ہے کہ ”الاتقی“ میں عموم پایا گیا ہے وہ جزئی شخص نہیں۔ اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ ہر تقی مراد ہے۔

اور کبریٰ اس لئے درست نہیں کہ ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ میں کلیت نہیں پائی گئی۔

صغریٰ کے باطل ہونے پر یہ دلیل قائم کی گئی:

علمائے تفسیر نے مع جلال الدین سیوطی و جلال الدین محلّی کے ”الاتقی“ صیغہ عموم قرار دیا تو پھر جزئی حقیقی شخص کس طرح بنے گی۔

میرے ممدوح سابق شاید اپنی بات ہی بھول گئے جو بہت قریب ہی لکھ کر آئے ہیں۔ ”زبدۃ التحقیق“ کے ص ۳۶۳ پر آپ خود ”الاتقان“ کی عبارت نقل کر چکے ہو۔ راقم نے چونکہ پہلے وہ عبارت کھل ذکر کی ہوئی ہے۔ اب صرف ایک دو جملے دوبارہ ذکر کرتا ہوں:

(وسيجنبها الاتقى الخ) فالها نزلت في ”وسيجنبها الاتقى“ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اس پر اجماع ہے۔ اس لئے اس آیت میں عموم الایة لیس فیہا صیغۃ عموم۔

پراجماع ہے۔ اس لئے اس آیت میں عموم نہیں۔

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں: ”فبطل القول بالعموم القطع والقصر علی من نزلت فیہ رضی اللہ عنہ“ عموم کا قول باطل ہے۔ اسی لئے جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی اس کے ساتھ خاص ہونا اس کا قطع ہے۔ پتہ چلا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو عموم کے قائل ہی نہیں۔

جہاں تک علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ کی بھول کی بات ہے۔ اسے پہلے دو تین مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ بار بار ذکر کرنا مفسر کی شان کے خلاف ہے۔ راقم کی عادت ہی نہیں کسی عظیم ہستی کو نشانہ بنانا۔ راقم کا طریقہ ”نجوم الفرقان“ کی آٹھ (مطبوعہ) جلدوں اور باقی تصنیفات میں دیکھا جاسکتا ہے کہ راجح قول کو لینا اور مرجوح کو چھوڑ دینا ہے۔ جب بزرگوں کو اہل علم ہی نشانہ بنانا لگے جو تو انین صدیوں سے اتفاق حاصل کر چکے ہیں ان کو مرجوح اقوال سے توڑنے والے خود بھی نشانہ بن گئے۔ ان کی وجہ سے کئی بزرگ ہستیاں بھی نشانہ بن گئیں۔ کاش! ایسا نہ کیا جاتا۔ راقم جیسے اعتدال پسند کو بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید کی وجہ سے اعتدال کا دامن نہ چھوڑنا پڑتا۔

بنائے فاسد بر فاسد:

”الاتقی“ کو تم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے  
بالاجماع اور جس بزرگ نے بھی آیہ کریمہ کا سبب نزول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو  
مانا اس نے ”الاتقی“ کا معنی تقی کیا تو ”الاتقی“ کا بمعنی تقی ہونے پر بھی اجماع ہو گیا۔

یہ قول ہی فاسد ہے کہ اس کی بناء ہی فاسد پر ہے۔ جن غیر محققین نے ابو عبیدہ  
کا قول نقل کیا کہ ”الاتقی“ بمعنی تقی ہے ان کے قول کا اعتبار ہی نہیں۔ جن محققین نے  
الاتقی کو اسم تفضیل کے معنی پر برقرار رکھا ہے اسی پر اجماع ہے۔ اجماع قول صحیح پر ہوتا  
ہے، قول فاسد پر نہیں ہوتا۔ جب اسم تفضیل کو اپنے معنی پر برقرار رکھا تو بمعنی تقی کے ہونا  
کیسے صحیح ہے؟ ہاں! البتہ اسم تفضیل اپنے قانون کے مطابق بالتبع تقی کو شامل ہے۔

کبری کے باطل ہونے پر دلیل یہ قائم کی گئی:

شکل اول میں کلیت کبری شرط ہے ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ میں کلیت  
کبری کہاں؟ جس وقت سور قضیہ کا لفظ ”کل“ یا ”کل“ کا مترادف مذکور نہ ہو یا مطلقاً  
سور قضیہ مذکور نہ ہو تو مناطہ کے نزدیک قضیہ مہملہ ہوتا ہے اور قضیہ مہملہ مناطہ کے  
ز نزدیک بعضیہ ہوتا ہے تو اس جگہ قضیہ بعضیہ ہو کر مفید نتیجہ نہیں ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ اس  
سے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہیں کی جاسکے گی۔

(ماخوذ از زبدۃ التحقیق 385 تا 387)

راقم کے نزدیک تو آسان بات یہ ہے جو پہلے احادیث سے بیان کر دی گئی  
کہ منطقی طور پر مقدمات کو ترتیب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک چیز کو دوسری پر دلیل  
بنایا گیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کو دوسری پر دلیل بنایا۔ اگر منطقی مقدمات  
بنا کر نتیجہ نکالا جائے تب بھی جواب واضح ہے۔

جواب:

صغریٰ کے فاسد ہونے والا اعتراض تو ان حضرات کے قول پر ہے جنہوں

نے ”الاتقی“ کو معنی سے پھیر کر تقی کے معنی پر لیا۔ جب ان کا قول ہی فاسد ہے تو اس پر صغریٰ کے فساد کو مرتب کرنا ہی فاسد ہے۔ یہ تو مشہور بات ثابت ہوگئی کہ یہاں تو بنائے فاسد بر فاسد لازم آرہی ہے۔

راقم کو وجہ سمجھ نہیں آئی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی تقی کیلئے منفی کوشش کا کیا فائدہ حاصل کیا جا رہا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر کو بھی نہ مانا، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیر فتح العزیز (عزیزی) کو بھی چھوڑا۔ بخاری کی حدیث بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مجتہد صحابی کو غیر مجتہد کہہ کر تسلیم نہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی یہ کہہ کر ترک کر دیا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں یارا نہ تھا۔ تقریباً مطلب یہی نکلتا ہے کہ یار کی بات یار کے حق میں معتبر نہیں۔ ائمہ کرام کے نظریات کو بھی چھوڑا۔ مشائخ عظام کے اقوال کی بھی کوئی پرواہ نہ کی اور غیر معتبر اقوال کا سہارا لے لیا، اس میں مقاصد کیا ہیں؟ راقم کو کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ اہل سنت کے افتراق و اختلاف پر پریشانی تو لاحق ہے لیکن اس کا میرے پاس کوئی علاج بھی تو نہیں ہے۔

کبریٰ کے فاسد ہونے والا اعتراض نیا نہیں، پرانے تفصیلیوں کے اعتراض کے قریب ہی ہے:

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کو دیکھئے! بات سمجھ آ جائے گی۔ پرانے یاروں نے تقریباً یہی کہا تھا:

تیسرا شبہ اس کا تعلق اہل سنت و جماعت کے کبریٰ کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ میں محمول ”الاتقی“ ہے ”فکان حاصل المقدمتین: ان الصدیق

اتقی و کل اکرم اتقی: دونوں مقدموں سے یہ حاصل ہوا کہ پیشک صدیق اتقی ہیں اور ہر اکرم (افضل) اتقی ہے۔ یہ نہ شکل اول ہے اور نہ شکل ثانی۔ کیونکہ شکل ثانی کیف یعنی ایجاب و سلب میں اختلاف کو چاہتی ہے۔ یہاں اختلاف المقدمین فی الکلیف نہیں پایا گیا۔ اور اگر کبریٰ کا عکس کر دو تو وہ جزئیہ بن جائے گا۔ اور جزئیہ شکل اول کا کبریٰ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دونوں آیتوں کا مفاد نہ ہی ہمیں نقصان دے گا اور نہ ہی تمہیں نفع پہنچائے گا۔

اعلیٰ حضرت <sup>علیہ السلام</sup> فرماتے ہیں: یہ وہی اعتراض ہے جس کے متعلق مجھے پتہ چلا کہ یہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم پر کیا۔

یہ اعتراض بہت ضعیف ہے، جواب کے قابل ہی نہیں:

و انا اول و بالہ التوفیق ما استغفہ  
تشکیمہا و اضعفہ دغلا رھیمہا غلط  
ساقط باطل عاطل لا یستحق ولیکن  
اذا قبل وسئل فلا بد من اہانة الصواب  
اور میں کہتا ہوں: اور توفیق اللہ سے ہی ہے۔  
یہ کتنی نحیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف۔  
اعتراض یہ ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل و  
عاطل ہے جواب کا مستحق نہیں لیکن یہ جب  
کہا گیا اور پوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا  
ضروری ہے۔

فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 616 تا 617

تنبیہ:

اعلیٰ حضرت <sup>علیہ السلام</sup> کے زمانے کے تفسیلیوں کے اعتراض کا دار و مدار اس بات پر کہ جب صغریٰ "ان الصدیق اتقی" ہے اور کبریٰ یہ بنایا جاتا ہے "کل اکرم اتقی" تو دونوں مقدمات میں حد واسطہ محمول ہے۔ بظاہر یہ شکل ثانی ہے اور شکل ثانی

کا نتیجہ دینے والی شرط ”اختلاف المقدماتین“ نہیں پائی گئی۔ اور کبریٰ کا عکس کرو تو قضیہ یوں ہو جائے گا ”بعض الاتقی اکرم“ یہ قضیہ جزئیہ ہے۔ شکل تو بن گئی کہ حد اوسط صغریٰ میں محمول اور کبریٰ میں موضوع ہے۔ لیکن شکل اول کے نتیجہ دینے والی شرط نہیں پائی گئی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جواب جو مبسوط ہے کئی وجوہ اس میں بیان کی گئیں ان میں اصل اس بات کو مد نظر رکھا گیا ہے کہ ”کل اکرم اتقی“ میں حد اوسط کس طرح موضوع ہے کہ شکل اول رہے نہ کہ شکل ثانی۔

لیکن ہمارے زمانے میں جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ کبریٰ کلیہ نہیں۔ ان موجودہ حضرات نے دونوں مقدمات کی ترتیب یوں دی ”الصدیق الاتقی والاتقی اکرم“ اس ترتیب پر انہوں نے صغریٰ پر بھی اعتراض کیا کہ صغریٰ میں ”الاتقی“ پر الف لام استغراقی ہے جو عموم پر دلالت کر رہا ہے۔ اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تخصیص نہیں۔ اس کا جواب تو راقم نے ذکر کر دیا۔ اعتراض کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ اگر ”اتقی“ میں عموم نہیں تو کلیہ نہیں۔ جب قضیہ کلیہ نہیں تو شکل اول نتیجہ کیسے صحیح؟

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے جواب: اپنے زمانے کے تفصیلیوں کو دیا اس کے ضمن میں آج کے دور کے اعتراض کا جواب بھی آ گیا ہے۔

اس جواب سے پہلے یہ تمہید سمجھی جائے کہ اگر کسی کو افضل کہا جائے تو دیکھا جائے کہ اگر وہ ایک سے افضل ہے تو اسکی افضلیت کم درجہ کی ہے۔ اگر دو سے افضل ہے تو افضلیت پہلے سے زیادہ ہے۔ اگر تین سے افضل ہے تو اور زیادہ افضلیت حاصل ہوگی۔ جب سب سے زیادہ افضل ہوگا تو انتہائی درجہ کی افضلیت حاصل ہوگی۔

اس تمہید کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات سے جو کبریٰ کی کلیت کے نہ



ہونے کا جواب سمجھا رہا ہے اسے دیکھئے:

○ اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی  
وابن حبان بسند صحیح عن عبد اللہ  
بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی  
ﷺ ان اولی الناس ہی یوم القیامة  
اکثرهم علی صلوٰۃ

امام بخاری نے تاریخ میں اور ترمذی اور ابن  
حبان بسند صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ  
سے راوی وہ نبی کریم ﷺ سے روایت  
کرتے ہیں کہ فرمایا: قیامت کے دن سب  
لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو  
سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔

(جامع الترمذی ابواب الوتر باب ما جاء فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ والجامع الصغیر حدیث 2249)  
شارح حدیث کی وضاحت کرتے ہیں:

قال الفاضل الشارح ای اقربهم منی فی  
القیامة واحتمهم بشفاعتی اکثرهم علی  
صلوٰۃ فی الدنیا لأن کثرة الصلوٰۃ علیہ  
صلی اللہ علیہ وسلم تدل علی صلوٰۃ  
المحبة وکمال الوصلة فتکون  
منازلهم فی الآخرة منه صلی اللہ علیہ  
وسلم بحسب تفاوتهم فی ذلك۔

فاضل شارح نے فرمایا: یعنی قیامت میں  
سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ  
میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا  
میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس  
لئے کہ حضور ﷺ پر درود کی کثرت سچی محبت  
پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے تو لوگوں  
کے مدارج حضور ﷺ کے قرب میں اس امر  
میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں  
گے۔

(آبیسر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی  
الناس لی 316/1)

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 646)

شارح الجامع الصغیر کے آخری الفاظ کو دیکھئے!!

کیا خوبصورت جواب کی طرف اشارہ کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے  
میں جو فرق آئے گا وہی ان لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے قرب میں فرق ہوگا۔

خدارا! انصاف کریں!!! تمام ضوابط کو پس پشت نہ ڈالیں۔ مطلب بہت واضح ہے کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے والا نبی کریم ﷺ کے قریب ہوگا اور دوسرے مرتبہ والا اقرب ہوگا۔ اور دوسرے مرتبہ درود پڑھنے والا بنسبت تین مرتبہ پڑھنے والے کے قریب ہوگا اور وہ اقرب ہوگا۔ اور تین مرتبہ درود پڑھنے والا بنسبت چار مرتبہ پڑھنے والے کے قریب ہوگا اور وہ اقرب ہوگا۔ اور سب سے زیادہ درود پڑھنے والا سب سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا۔

اب کبریٰ کو کلیہ بنانے میں کوئی مشکل درپیش نہیں۔ مطلب یہ ہوا "بیشک زیادہ میرے قریب ہوگا ہر وہ جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا یعنی کوئی کم والے سے اقرب ہوگا اور کوئی اس سے اوپر درجے والا اقرب ہوگا کوئی سب سے زیادہ اقرب ہوگا جو سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا۔"

اب اسی کو دیکھ کر موجودہ حضرات اپنا جواب سمجھ لیں کہ کبریٰ یہ ہے "کل اتقی اکرم" ہر اتقی افضل ہے۔ نیچے والے کے لحاظ پر ایک شخص اتقی ہوگا اور اوپر والے کے لحاظ سے اتقی ہوگا سب سے بڑا اتقی (پرہیزگار) سب سے زیادہ افضل ہے وہ ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ بالا حدیث سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ اپنے زمانے والے تفسیلیوں کو

جواب دیتے ہیں:

آپ نے جوابات کا سلسلہ جہاں سے شروع کیا وہاں "کل اکرم اتقی" کے متعلق فرمایا کہ اگر اکرم کو ہی محمول بنانا مقصود ہو تو کلام میں تقدیم و تاخیر ہوگی۔ یعنی "اتقی" مقدم ہوگا اکرم سے۔ (اسی سے یہ بھی اشارہ کر دیا کہ "اتقی" اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی موضوع بن سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تاخیر موضوع لازم آئے گا) تقدیم و تاخیر والے قول کو ذہن میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کا جواب دیکھئے جو

آپ نے اپنے زمانے کے تفصیلیوں کو دیا:  
 اقول انظر شرح اولاً لفظ الحديث ثم  
 علل بما لا يستقيم الا على جعل الأولى  
 محكوماً به وأمين من هذا ان العلماء  
 المحدثين افاض الله علينا من  
 برحمتهم استدلوا بهذا الحديث على  
 فضل اهل الحديث وأنهم أولى الناس  
 برسول الله صلى الله عليه وسلم لأنهم  
 اكرم الناس صلوة عليه وسلم لا يذكرون  
 حديثاً الا ويصلون فيه على النبي صلى  
 الله عليه وسلم عشراً أو خمساً أو مرتين  
 أو مرة لا أقل حكماً هو معلوم مشاهد و  
 الحمد لله

میں کہتا ہوں: پہلے حدیث کی شرح (ایک  
 مرتبہ پھر) دیکھو۔ پھر وجہ جو ہم نے بیان کی  
 کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے اسے دیکھو۔ یقیناً  
 تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حدیث پاک میں  
 جو لفظ اولیٰ استعمال ہے اسے محکوم بہ بنانے  
 کے بغیر مطلب درست ہی نہیں۔ کیا خوب  
 علماء محدثین (اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر ان کی  
 برکتیں نازل فرمائے) نے فرمایا۔ اس  
 حدیث سے علماء حدیث کی انہوں نے  
 فضیلت پر استدلال کیا کہ وہ سب لوگوں  
 سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہیں  
 اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ

پر درود بھیجتے ہیں۔ جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی کریم ﷺ پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا  
 دو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ الحمد للہ

ذرا بتاؤ تو سہی!!

تم (مجھے) خبر دو! (بتاؤ) کیا یہ حدیث پاک  
 سے جو دلیل ہم نے پیش کی ہے ہمارے  
 دعوتی پر پیش کی ہوئی دو آجوں (ان اکرمکم  
 عند الله اتقاكم) اور (وسبحنہا  
 الاتقی) کے مطابق نہیں۔ یقیناً یہ دلیل اصل  
 مسئلہ کی دلیل کے مطابق ہے۔

ارأيتك هذا الاستدلال ليس على طبق  
 احتجاجنا بالأئمة من هذا بعدو سواء  
 سواء۔

جو حدیث پیش کی گئی، اسے بیہتی کی ایک اور حدیث سے بھی تائید حاصل ہے:

ثم ان من تمام نعمة الله ان جاء  
حدیث عند البیهقی برجال ثقات عن  
ابی امامة رضی الله عنه عن النبی ﷺ  
اکثروا من الصلوة علی فی کل یوم  
جمعة فان صلوة امتی تعرفن علی فی  
کل یوم جمعة فمن کان اکثرهم  
علی صلوة اقریهم منی منزلة (السنن  
الکبری للبیہقی کتاب الجمعة باب ما  
یؤمر به فی لیلۃ الجمعة)

پھر اللہ تعالیٰ کی تمامی نعمت سے یہ ہے کہ ایک  
حدیث بیہتی میں ثقہ راویوں کی روایت سے  
حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے آئی انہوں نے نبی  
کریم ﷺ سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر  
جمعہ کے دن بکثرت درود بھیجو۔ اس لئے کہ  
تمہارا درود ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش  
ہوتا ہے تو سب سے زیادہ جو میرے اوپر  
درود بھیجے گا وہ درجے میں سب سے زیادہ مجھ  
سے قریب ہوگا۔

احادیث سے نتیجہ واضح ہے:

اصل بات یہ ہے کہ جہاں اشتباہ نہ ہو وہاں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی  
۔ احکام شرعیہ بغیر شارع کے بتانے کے حاصل نہیں ہوتے۔ جن کو شارع میں محمول بنانا  
مقصود ہوگا جو اہل علم کے ذہنوں میں رب تعالیٰ کے فضل سے آجاتے ہیں وہ محمول ہی  
رہیں گے۔ تقدیم و تاخیر کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔

نحو کا ضابطہ مطلق نہیں:

مبتدا اور خبر جب دونوں معارف ہوں تو مبتداء کا مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔  
بعض اوقات متن میں صرف اتنا ہی بیان کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض لوگ  
البحسن کا شکار ہوتے ہیں کہ شاید ہر جگہ یہ قانون وجوبی طور پر جاری ہوتا ہے۔ حالانکہ  
شارحین وضاحت کر دیتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب التباس کا خطرہ ہو۔ اگر التباس  
نہ پایا جائے بلکہ قرآن پائے جائیں جن سے پتہ چل جائے کہ یہ مبتداء اور یہ خبر ہے تو

مبتداء کا مقدم کرنا واجب نہیں ہوتا۔

یہی صورت فقہی مسائل میں ہوتی ہے۔ متن میں ایک مسئلہ مختصر ذکر کیا جاتا ہے اس کے ساتھ قیود کو ذکر نہیں کیا جاتا حالانکہ شارحین ان قیود کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ جب تک ان قیود کا اعتبار نہ کیا جائے تو انسان ان مسائل کے بیان میں غلطی کر دیتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۳۷ تا ۶۳۸)

آئیے! اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کے جوابات کی ابتداء کی طرف چلیے:

موجودہ زمانے میں کبریٰ کے کلیہ نہ ہونے پر جو اعتراض کیا جاتا ہے اس کا جواب اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ نے مختلف وجوہ سے دیا۔ راقم نے اپنے زمانے کے معترضین کو جلدی جواب دینے کیلئے تاکہ انہیں انتظار نہ رہے۔ درمیان سے بات شروع کی۔ اعلیٰ حضرت رحمہم اللہ نے بہت طویل بحث کی اور تمام عربی میں ہے۔ بحث کو مختصر کرنے کیلئے زیادہ اردو ترجمہ ذکر کیا جائے گا۔ کہیں کہیں کوئی عربی جملہ استعمال ہوگا اور ساتھ ساتھ اختصار بھی کیا جائے گا۔

تقدیم و تاخیر پائی گئی یعنی ”اکرم مقدم ہے اور اتقی مؤخر ہے۔ اس کے متعلق آپ تفصیلی طور پر ارشاد فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: پہلی بات یہ ہے کہ اہل جاہلیت نسب پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رد کرتے ہوئے آیا۔۔۔ (یعنی ارشاد باری تعالیٰ نے ان کا یوں رد فرمایا) ”ان اکرم عند اللہ اتقا کم“ (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے)۔

سمجھنا یہ چاہیے:

کہ نزاع تو اس میں ہے کہ وصف اولیٰ کا موصوف کون ہے نہ صفت افضل میں۔ یہ ایسے ہی جیسے کوئی پوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو

کوئی کہے ”اللہا احلاھا“ (کھٹا سب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رد کرنے کیلئے تم یہ کہو: اللہا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) تو اصل میں اس کی مراد یہ ہے: ان الاحلی هو الألد (سب سے میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے) اس مثال سے یہ واضح ہو گیا کہ جس طرح ”احلی“ اور ”الذ“ میں معنوی طور پر تقدیم و تاخیر ہے اسی طرح ”الافتی هو الاکرم“ معنوی طور ”الاکرم هو الافتی“ ہے۔

### زخشری نے کشاف میں بیان کیا:

المعنى ان الحكمة التي من اجلها رتبكم على شعوب وقبائل هي ان يعرف بعضكم نسب بعض فلا يعتزى الي غير آباءه لان تتفاخروا بالآباء والاجداد وتدعوا التفاوت والتفاضل في الاسباب ثم بمن الغصلة التي بها يفضل الانسان غيره ويكتسب الشرف والكرم عند الله اتقاكم۔

بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمہاری ترتیب کنیوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے تو اپنے آباؤ اجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباؤ اجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کو دعویٰ کرو۔ پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے ہاں عزت و بزرگی کو حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم“ (بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے)۔

(کشاف زیر آیہ 13/29)

اتقاکم“ (بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے)۔

علامہ رازی رحمہ اللہ سوال و جواب کی صورت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

فان قيل الآية قلت علي ان همل من كان احرم مكان اتقى وذلك لا دلالت کر رہی ہے کہ بیشک ہر وہ جو اکرم

يقتضي ان كل من كان اتقى كان  
اكرم، قلنا وصف كون الانسان اتقى  
معلوم مشاهد و وصف كونه افضل  
غير معلوم ولا مشاهد و الاخبار عن  
المعلوم بغير المعلوم هو الطريق  
الحسن اما عكسه فغير مفيد فتقدير  
الآية وقعت الشبهة في ان الأكرم عند  
الله من هو؟ فقيل هو الاتقى، وانا كان  
كذلك كان التقدير لتأخر الأكرم  
عند الله - انتهى -

(مفاتيح الغيب) (کبیر) للرازی تحت الآیة 192

(17)

(افضل) ہے وہ "اتقی" (بڑا پرہیزگار) ہے  
یہ اس بات کا تقاضا تو نہیں کرتی کہ جو بڑا  
پرہیزگار ہے وہ سب سے زیادہ افضل  
ہے۔ جواب: ہم نے اس کے جواب میں  
کہا: انسان کا وصف بڑا پرہیزگار ہونا تو  
معلوم ہے اور ظاہر ہے لیکن وصف افضلیت  
ظاہر نہیں اور نہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے  
اچھا طریقہ یہی ہے کہ معلوم و مشاہد سے خبر  
دی جائے غیر معلوم و مشاہد کی لیکن اس کے  
عکس (الث) میں قاعدہ نہیں۔ گویا کہ آیہ

میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا کہ اللہ کے ہاں  
سب سے افضل کون ہے؟ اس کا یہ جواب دیا

گیا "هو الاتقى" وہ جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے جب یہ بات واضح ہوگئی تو پتہ چل گیا کہ  
معتوی طور پر عبارت یہ ہے "اتفکم اکرمکم عند اللہ" (جو تم میں سے بڑا پرہیزگار ہے  
وہ اللہ کے ہاں سب سے افضل ہے)۔

اعتراض:

تقویٰ تو دل میں پایا جاتا ہے۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کس طرح درست

ہے کہ تقویٰ معلوم و مشاہد ہے؟ معترض نے اپنے اعتراض کو پختہ کرنے پر دلائل یہ ہیں:

○ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى"

(۳۹-۳) (یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کیلئے پرکھ لیا ہے) اور ارشاد باری تعالیٰ

ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب" (۲۲-۳۳) (اور جو اللہ کے نشانوں کی

تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے)

○ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "التقوى ههنا" التقوى ههنا بشیر

الی صدرہ ﷺ (صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تحریم ظلم المسلم خنلہ)  
یعنی حضور ﷺ اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے تین مرتبہ فرمایا: تقویٰ یہاں ہے۔ یہ حدیث  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

○ طبرانی نے حضرت ابن عمر اور بیہقی نے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا۔  
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لکل شیء معدن و معدن التقویٰ قلوب العارفين“ ہر چیز  
کیلئے معدن (کان) ہے اور تقویٰ کا معدن اولیاء کے دل ہیں۔ (معجم الکبیر حدیث  
۱۳۱۸۵)

جواب:

یہ بات قابل تسلیم ہے کہ تقویٰ کا مقام دل ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ  
جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہیں تو ضروری ہوا کہ آپ  
سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہیں لیکن دل تمام اعضاء کا امیر ہے۔ تو جب دل پر  
کسی چیز کا غلبہ ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہوتے ہیں۔ اسلئے تمام اعضاء پر دل  
کے اثرات صاف جھلکتے ہیں اور حیا و غم اور خوشی و غضب وغیرہ صفات قلب کا اعضاء میں  
مشاہدہ ہوتا ہے۔

○ بخاری و مسلم نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:  
الاوان فی الجسد مضغة اذا صلحت خبردار اپنیجک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے  
صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسدت جب وہ درست ہوتا ہے تو پورا جسم درست  
الجسد کلہ الا وہی القلب۔ ہوتا۔ اور جب وہ بگڑتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا  
ہے۔ خبردار اوہ دل ہے۔

صحیح بخاری جلد 1 کتاب الایمان باب فضل من استبرأ للدينہ صحیح مسلم ج 2 کتاب المساقاة  
باب أخذ الحلال وترك الشبهات)

○ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول



اذا رأيت الرجل يعتاد المسجد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم آدمی کو مسجد میں  
فاشہدوا له بالایمان۔ (رواہ ابو سعید) آنے جانے کا عادی پاؤ تو اس کے مؤمن  
الخدی رضی اللہ عنہ) ہونے کی گواہی دو۔

(جامع الترمذی کتاب التفسیر زیر آیت ۱۸/۹ سنن ابن ماجہ کتاب المساجد والجماعات باب لزوم  
المساجد مستد احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المسد رک الحاکم کتاب الصلوٰۃ بشر المشائین فی الظلم  
الی المساجد السنن الکبریٰ کتاب الصلوٰۃ باب فضل المساجد مواہد الظمان الی زوائد الظمان باب  
الجلوس فی المسجد بالخیر)

○ اور ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ جو کچھ آیت کریمہ کے شان نزول میں آیا ہوا ہے وہ تو  
اسی وقت صحیح ہوگا اور نزول کے مطابق ہوگا جب آیت کریمہ میں ”متقی“ ہی موضوع ہو لیکن اگر  
اس کا الٹ کر دیں تو بات نہیں بنے گی اور نہ ہی ہر تیر نشانے پر بیٹھے گا۔

رعی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو!  
تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ وہ سیاہ قام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ (آپ  
نے) ذلیل کی عیادت کی اور ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے لیکن وہ غلام ہمارے  
نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا۔

والفضل عندنا بالتقویٰ فمن كان اور ہمارے ہاں بزرگی تقویٰ سے ہے۔ تو جو  
تعبا كان کریمنا عندنا وان كان متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا  
عبدنا اسود اجده اگر چہ کالا ناک کٹا غلام ہو۔

ہر ذوق تسلیم والا شخص آیت کریمہ کا یہی مطلب سمجھے گا اور یہی درست ہے۔ اور  
تمہارے گمان کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ کے استدلال کا حاصل یوں گا کہ وہ بے  
شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے۔ اس لئے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔

تمہارا یہ استدلال کا طریقہ درست نہیں۔ حالانکہ ذلیل اسی چیز کو لانا چاہیے جو

کفار بھی تسلیم کریں اور جو اس کو مستلزم ہو۔ جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقویٰ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ عزت اس سیاہ قام غلام کی کافروں کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافروہ کچھ نہ کہتے جو انہوں نے کہا۔

علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت میں ذکر ہوا اس تقدیر پر بے فائدہ ٹھہرے گا ”والعیاذ باللہ“ اس لئے کہ کفار پر رد تو اس قضیہ مطویہ (پوشیدہ) سے مکمل ہو گیا جس میں یہ دعویٰ ہے کہ وہ غلام اللہ کے نزدیک باعزت ہے۔

وبعد ذلك اى حاجة الى ان يقال هل  
 كرم متقى العالم يمكن نزاعهم في  
 التقوى بل في الكرم وبالجملة يلزم  
 اخذ المدعى صفري واستنتاج ما ليس  
 بمدعى

اس کے بعد کون سی حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم متقی ہے اس لئے کہ کافروں میں تقویٰ نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا یعنی وہ تو ہر متقی کریم ہے کو نہیں مانتے تھے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت وارد ہوتا جبکہ مدعی صفری ہو اور نتیجہ وہ نکلے جو مدعی نہیں۔

اور یونہی کلام روایت مقاتل میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العقیق (حضرت ابو بکر صدیق و عتیق کے آزاد کردہ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہما کی تحقیر میں جاری ہوگا) اللہ تعالیٰ ہمیں صدیق و بلال رضی اللہ عنہما کے صدقے جہنم کے عذاب سے بچائے۔ آمین۔

تفصیلیوں کے سوال کا جواب ایک اور انداز سے تاکہ ادھورے منطقیوں کا ناز

ٹوٹ جائے:

ان کا اعتراض یہ تھا کہ کبریٰ ”کل اکرم اتقی“ ہے۔ اس سے شکل اول نہیں بنتی۔ آپ ﷺ جواب ایک اور انداز سے یوں دیتے ہیں:

کفار نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حقارت پر دلیل یوں پیش کی: ”فانہ عبد

ولاشیء من العبد کریماً“ بیشک وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلا“ فہو لیس بکریم“ تو وہ بلال عزت والے نہیں۔

کفار کی دلیل کارو کرنے کیلئے ضروری ہے:

کہ ان کی دلیل کے دو مقدمات میں سے یا صغریٰ کو توڑا جائے یا کبریٰ کو۔ لیکن صغریٰ کو توڑنے کی کوئی صورت نہیں اس لئے کہ ”فانہ عبد“ تو صحیح ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غلام ہی تھے۔ اس لئے متعین ہو گیا کہ ان کا کبریٰ ”ولاشیء من العبد کریماً“ باطل ہے۔ اس لئے اس کی نفی لازم ہے ورنہ ارتقاع نقیضین لازم آئے گی۔ ان کے کبریٰ کی نفی یہ ہے ”بعض العبد کریم“ کہ بعض غلام باعزت ہیں۔ اس طرح اسے ثابت کرنا درست نہیں بلکہ اس طرح درست ہوگا جس طرح ہم بیان کر رہے ہیں ”بعض العبد یتقی اللہ ومن یتقی اللہ فہو کریم“ معن عموم پر دلالت کر رہا ہے لفظ ”کل“ کو بڑھانے کے بغیر ہی مطلب یہ ہے ”کل من یتقی اللہ فہو کریم“ اب نتیجہ بھی واضح ہے۔

اور آجکل کے تفصیلیوں کا جواب بھی واضح کہ کبریٰ کلیہ ہے۔ جزئیہ یا مہملہ نہیں نتیجہ نکلا ”بعض العبد کریم“ معترضین نے خود ہی شکل اس طرح بنائی جس کا وہ رد کر چکے ہیں۔ انہوں نے یوں کہا: ”بعض العبد متق و کل کریم متق“۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تفصیلیوں کو جواب ایک اور انداز پر دیتے ہیں:

اس جواب کا تعلق ثابت ابن قیس کے واقعہ سے ہے جو شروع میں شان نزول کی تین صورتیں ذکر کی گئی تھیں۔ دو کا جواب آچکا ہے۔ اب تیسری صورت کا جواب دیکھئے! اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اپنے مدعا کو تیسری عبارت سے ثابت کرتے ہیں۔ حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ کی بعض اہل مجلس نے تحقیراً نہیں ”یا ابن فلانة“ (اے فلانی کے بیٹے!) کہہ کر کی۔ یعنی اے نسب میں کتر! تو اللہ جبارک و تعالیٰ

نے ان کارویوں فرمایا: تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو۔

وان اردت السلب الحلی فباطل قطعاً  
اذ لو صدق لصدق ان بعض المعتلمین  
لمس کریماً لأن بعضهم و فی النسب  
فلم یکن کریماً عندک لکن العالی  
باطل لصدق للیضہ وهو ان کل متق  
کریم فالمقدم مثله هذا علی طریقتنا  
واما علی طریقتکم فالمقدمة  
الاستثنائیة ان کل کریم متق وهو لا  
یرفع اللازم فلا یرفع الملزوم۔

اگر تمہاری مراد سلب کلی ہے تو یہ قطعاً باطل ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ صادق ہو تو یقیناً یہ صادق ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں سے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک وہ شریف نہ ہوں گے۔ لیکن تالی باطل ہے کہ اس کی نقیض صادق ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اس کی طرح باطل ہے (یعنی تمہارا یہ کہنا کہ بعض متقی شریف نہیں یہ بھی باطل ہو جائے گا) یہ تو ہمارے طریق پر ہے۔

اور تمہارے طریق پر تو مقدمہ استثنائیہ یہ ہے "کل کریم متق" یہ لازم کو نہیں اٹھاتا یعنی تالی جو لازم ہے اس کی سلب نہیں ہو سکتی تو مقدم کو بھی نہیں اٹھائے گا جو ملزوم ہے۔

مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتا ہے:

قیاس استثنائی وہ ہے کہ جس میں نتیجہ یا نتیجہ کی نقیض بالفعل مذکور ہو۔ قیاس استثنائی اتصالی کا نتیجہ دو طرح آئے گا:

اگر استثناء کریں عین مقدم کا تو نتیجہ عین تالی آئے گا اور اگر استثناء کریں نقیض تالی کا تو نتیجہ آئے گا نقیض مقدم۔

جیسے ہم یہ کہیں "ان کان هذا جسماً فهو متحیز۔ استثناء کریں عین مقدم کا یعنی یہ کہیں "لکنہ جسم" تو نتیجہ آئے "فہو متحیز" یہ یعنی قیاس کا ایک



المتقی کثیر الخیر فی الدنیا ولہ  
الدرجات العلی فی الآخرة کان اعم  
الناس کرما فهو اتقاہم۔ انتھی  
(البشیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم  
الناس اتقاہم۔ ۲/۳۱۱)

سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ ”اکرم“  
اصل میں کثرت خیر ہے۔ تو جب متقی دنیا  
میں خیر کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے  
درجے بلند ہوں گے تو سب سے زیادہ کرم  
والا وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا  
ہے۔ انتھی

اے تفصیلیو! اسی سے تمہارا کمزور شبہ زائل ہو گیا۔ آج کے تفصیلیوں کا  
اعتراض بھی مندرج ہو گیا کیونکہ کبریٰ کلیہ ہے۔ ان کا شبہ طویل بحث کی وجہ سے ذہن  
سے نہ نکل جائے۔ پھر سے یاد کریں۔ ”الذین اتقی و کل اکرم اتقی“ شکل اول  
درست نہیں کیونکہ کبریٰ میں حد اوسط موضوع نہیں۔ اگر کبریٰ کا عکس کرو تو قضیہ موجبہ  
جزئیہ بنے گا جو شکل اول کا کبریٰ نہیں بن سکتا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا اس  
میں ”اکرم“ خیر مقدم ہے اور ”اتقی“ مبتداء مؤخر ہے۔

○ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم طاف  
یوم الفتح علی راحلته یستلم الا و  
کان بمحبته فلما خرج لم یجد مناخا  
فذل علی ایدی الرجال ثم قام فخطبہم  
فحمد اللہ والنی علیہ وقال الحمد للہ  
الذی اذهب عنکم غیبة الجاہلیة و  
تکبرہا بأبائہا انما الناس رجلان ہر  
تقی کریم علی اللہ و فاجر شقی ہمن  
علی اللہ ثم تلا یا ایہا الناس انما خلقنا  
کم من ذکر واننی ثم قال اتول قولی  
ہذا واستغفر اللہ لی ولکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر  
طواف کیا۔ ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے  
مبارک سے لیتے تھے۔ تو جب باہر تشریف  
لائے تو سواری کے ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو  
لوگوں میں سواری سے اتر گئے پھر کھڑے ہو  
کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثناء کی  
اور فرمایا: اللہ کیلئے حمد جس نے تم سے جاہلیت  
کا گھمنڈ اتارا اور آباؤ اجداد کا غرور دور کیا۔  
لوگوں میں دو قسم کے مرد ہیں: ایک نیک متقی  
اللہ کے ہاں عزت والا دوسرا بدکار بد بخت

(معالم التنزیل للبخاری زیر آیہ ۱۳/۲۹) اللہ کی بارگاہ میں ذلیل پھر یہ آیہ پڑھی۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا الخ۔ پھر فرمایا: میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتا ہوں۔

اعلیٰ حضرت ﷺ فرماتے ہیں: دیکھو مصطفیٰ کریم ﷺ نے مخلوق کو دو قسم کیا: ایک نیک پرہیزگار اور ان کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار بد بخت اور انہیں ذلیل بتایا۔ اور یہ ہمارے دعویٰ کی صریح دلیل ہے یعنی آپ نے فرمایا ”کل اکرم اتقی“ میں ”اتقی“ خبر مقدم ہے اور ”اکرم“ مبتداء مؤخر ہے، قضیہ کا عکس نہیں کیا گیا بلکہ تقدیم و تاخیر کے بعد لفظ ”کل“ پھر سے داخل کیا گیا۔

محتوی طور پر عبارت بن گئی ”کل اتقی اکرم“ حد اوسط کبریٰ میں موضوع بن گئی اور کبریٰ کلیہ بھی جوں کا توں رہا۔ ہمارے موقف پر دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ”بر تقی کریم“ یہ نہیں فرمایا ”کریم تقی“ سیاق و سباق سے نگرہ کی عمومیت بھی سمجھ آ رہی۔ مطلب یہ ہے ”کل کریم تقی“۔

ایک اور حدیث پاک سے استدلال:

ومنها ما أخرجه ابن النجار و الرافعي عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم من دعائه اللهم اغني بالعلم وزيني بالعلم واكرمني بالتقوى وجملي بالعافية  
(کنز العمال بحوالہ ابن نجار حدیث ۲۳۶۶۳/۱۸۵-۲۰۲)

ہمارے دلائل میں سے جو احادیث ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیدنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نبی کریم ﷺ کی دعا کے یہ کلمات مروی ہیں: اے اللہ مجھے علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقویٰ کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطاء فرما۔

قال المناوي اكرمني بالتقوى لأكون من اكرم الناس عليك ان اكرمكم  
مناوی نے (دعاء کا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: مجھے تقویٰ کے ساتھ اکرام عطاء

عند الله اتقاكم

فرما تا کہ میں تیرے ہاں سب سے زیادہ  
عزت پانے والے لوگوں میں سے ہو جاؤں  
(بیشک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ  
ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے)

(الجامع الصغير ۱/۹۳)

اعلیٰ حضرت ﷺ کی دلیل کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے  
واکرم منی بالتقویٰ "ارشاد فرمایا یعنی تقویٰ سے اکرام عطاء فرما۔ یہ نہیں فرمایا: اکرام  
سے تقویٰ عطاء فرما۔ یہ دلیل ہے "کل اکرم اتقی" میں خیر کے مقدم ہونے پر۔

کشاف اور مدارک سے استدلال:

ومنها ما أوردته الزمخشري في الكشاف  
ثم الأمام النسفي في المدارك عن  
النبي ﷺ من سره ان يكون اکرم  
الناس فليتق الله، اه، وهذا بين واجلي  
ہمارے دلائل میں سے اور دلیل یہ ہے جو  
زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے  
مدارک میں ذکر کی ہے: نبی کریم ﷺ نے  
فرمایا: جس کو یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے  
زیادہ عزت والا ہو تو اللہ سے ڈرے۔ یہ  
حدیث ہمارے موقف کو زیادہ ظاہر اور واضح  
بیان کرتی ہے۔

(کشاف و مدارک ۱۳/۳۹)

یعنی اس حدیث پاک میں بھی اکرام کو تقویٰ پر مرتب کیا، تقویٰ کو اکرام پر  
مرتب نہیں فرمایا۔ یہ تو واضح ہوا "کل اکرم اتقی" میں "اتقی" معنوی طور پر مقدم ہے  
"کل اتقی اکرم" حدیث پاک سے ہمارا مدعا بہت واضح سمجھ آ رہا ہے۔

جواب کا پانچواں طریقہ یوں بیان فرمایا:

"العلماء ما فهموا من الآية الامدح  
المتعلمين ولم يزالوا محتجين بها على  
فضيلة التقوى واهلها"  
علماء نے اس آیت "ان اکرمکم عند الله  
اتقاکم" سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی  
اور اس آیت سے تقویٰ اور اہل تقویٰ کی



فضیلت پر دلیل لاتے رہے۔

تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتے۔ اس لئے کہ جب معنی یہ ٹھہرے ”ہر کریم متقی ہے“ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ”ہر متقی کریم ہے“ تو اس میں پرہیزگاروں کی کون سی تعریف ہے؟ اور پرہیزگار کس وصف میں دوسروں سے برتر ہوں گے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان ہے اور حیوان ہے اور جسم ہے لیکن ہر انسان ہر حیوان اور جسم کریم نہیں۔ تو پتہ چلا کہ ہر متقی کریم ہے اور ہر اتقی اکرم ہے۔ یعنی ”اتقی“ بنسبت اتقی کے اکرم ہوگا لیکن اپنے سے اوپر کے لحاظ پر اتقی اور کریم کے درجے میں ہوگا۔ سب سے اتقی سب سے اکرم ہوگا۔ ہمارا مدعا ثابت ہے کہ ”کل اکرم اتقی“ میں معنوی طور پر تقدیم و تاخیر پائی گئی ہے۔

امید ہے کہ ”میزان الصرف“ پڑھے ہوئے بچے بھی کچھ نہ کچھ سمجھ جائیں گے اور صرف و نحو کے ماہرین کو سوائے ضد کے انکار کی گنجائش نہیں ہوگی۔

اعتراض:

جبکہ تقویٰ کریموں کے ساتھ خاص ہے تو یہ وصف تعریف کا مستحق ہے۔  
بخلاف ان اوصاف کے جو تم نے ذکر کئے۔

جواب:

قلت الآن أتيت الي ابيت فان التقوى اذا  
اختص بهم ولم يوجد في غيرهم  
وجب ان يكون كل متقى هريما  
وفيه المقصود  
میں کہتا ہوں: اب تم اسی بات پر آگئے ہو  
جس کا تم نے انکار کیا تھا۔ اس لئے کہ تقویٰ  
جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں  
میں نہیں پایا جاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم  
ہو اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

مولانا فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی "طریقہ محمدیہ" میں تقویٰ کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

تو ان آیات کریمہ میں غور کرو جو ہم نے  
لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے

زیادہ کریم ٹھہرا (یہ ترجمہ استفہام تقریری کا  
اکرم۔ انتہی  
(الطریقۃ الحمدیہ الباب الثانی الفصل الثالث ہے)

(ج 1 ص 129)

علامہ آفندی نے بھی ہمارے مدعا کے مطابق ہر متقی کو اکرم کہا ہر اکرم کو متقی نہیں کہا۔ کتاب مذکور کے شارح مولانا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح "حدیقہ ندیہ" میں فرماتے ہیں: مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالیٰ کے قول "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔

(الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ الحمدیہ ج 1 ص 410)

جواب کی چھٹی تقریر پر احادیث سے استدلال:

○ عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم کرم المرء دینہ ومروءتہ  
عقلہ وحسبہ خلقہ  
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آدمی کی عزت اس کا دین ہے اور اس کا حسب اس کا خلق

مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المسند رک للحاکم کتاب العلم ۱/۱۲۳ المسند رک کتاب النکاح  
۲/۱۶۳ السنن الکبریٰ کتاب النکاح باب اعتبار ایسار فی الکفء و کتاب الشہادت باب بیان مکارم  
الاخلاق ۱۰/۱۹۵)

عن یحییٰ بن ابی کثیر مرسل یدمیہ  
الی المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
الکرم التقویٰ والشرف العواضع  
یحییٰ بن کثیر سے بسند مرسل روایت کیا  
درانحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: کرم تقویٰ ہے

(کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا اور شرف تواضع ہے۔

حدیث 22)

○ ترمذی محمد ابن علی الحکیم (المعروف حکیم ترمذی) نے جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے۔ ”الحیاء زینة والتقی کرم“ حیاء زینت اور تقوی کرم ہے۔

ان تمام احادیث کو دیکھو!! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا۔ اور فرمایا حسب اس کا خلق ہے اور فرمایا شرف تواضع ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا الٹ کرے اور یہ کہے۔ مروت عقل ہے، خلق حسب ہے اور تواضع شرف ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تقوی اکرم ہے ہمارے مدعا کو کتنا زیادہ واضح کر رہا ہے۔

### ضابطہ:

اعلیٰ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوب ضابطہ بیان فرمایا: جب تم دو معرف باللام دیکھو یا ایک معرفہ کسی اور وجہ سے ہو اور دوسرا معرف باللام ہو تو ان میں سے ایک دوسرے پر محمول ہو۔ تو دیکھیں کہ معرف باللام کا بغیر لام کے محمول بنتا صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قصبے میں بھی محمول ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔ اس کی نظیر شاعر کا شعر ہے

بنونا بنو ابنائنا وبنو بناتنا ابناء الرجال

ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور (دوسرے) مردوں کے بیٹے ہیں

یعنی یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ”ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں“ لیکن یہ کہنا درست نہیں کہ ”ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں۔“

اس مثال میں دونوں یعنی ”بنونا“ اور ”بنو ابنائنا“ معرفہ ہیں لیکن بنونا

اس میں محمول ہی بن سکتا ہے موضوع نہیں کیونکہ یہ نکرہ بن کر بھی محمول بن سکتا ہے۔  
 ”بنو ابنائنا ابناء“ کہنا صحیح ہے لیکن ”بنو ابنائنا“ کو نکرہ بنا کر مطلوب مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔

اسی ضابطہ کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ تو کہا جاسکتا ہے ”التقویٰ کرم“ جیسا کہ حکیم ترمذی کی روایت میں ”التقیٰ کرم“ نکرہ ہے۔ اور دوسری روایت جو یحییٰ بن کثیر سے مروی ہے اس میں ہے ”الکرم التقویٰ“ دونوں معارف باللام ہیں۔  
 جب واضح ہو گیا کہ ”کرم“ نکرہ ہو کر بھی محمول بن سکتا ہے تو اس میں ہمارا مدعا ثابت ہے کہ ”التقویٰ“ مبتداء ہے جو موخر ہے اور ”الکرم“ خبر ہے جو مقدم ہے۔ اس لئے ”الکرم تقویٰ“ کہنا یا ”الکرم دین“ کہنا درست نہیں۔

### تنبیہ:

یہ کوئی نہ سمجھے کہ خبر کو مقدم کرنا نادر ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب سیاق و سباق دلالت کرے تو خبر کو مقدم کرنا عام ہے۔ خاص کر کے مبتداء ذات ہوگا اور خبر عرض ہوگی۔  
 دونوں کے معارف ہونے کی صورت میں عرض نے ہی خبر ہونا ہے خواہ وہ مقدم ہی ہو۔  
 O عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم خیرکم لأہلہ و آدا خیرکم لأہلی و ادامات صاحبکم فدعواہ هذا حدیث حسن صحیح۔  
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کیلئے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کیلئے تم سب سے بہتر ہوں۔ جب تمہارا کوئی ساتھی مر جائے تو اسے چھوڑ دو۔ (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم موارد الطمان حدیث ۱۳۱۲ الفردوس  
 بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰)

اس حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں ”خیر کم لأہلہ“ موضوع اور ”خیر کم“ محمول ہے۔

دوسری احادیث سے ہمارا موقف واضح طور پر سمجھا آ رہا ہے:

○ عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص عن النبی ﷺ قال: خیر الاصحاب عند اللہ خیرہم لصاحبہ وخیر الجہران عند اللہ خیرہم لجارہ (مسند امام احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص المحرک للحاکم کتاب المناکب خیر الاصحاب عند اللہ / الجامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ما جاء فی حق الجوار ۱۶/۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کیلئے سب سے بہتر ہے۔ اور ہمسائیوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ہمسائیوں کیلئے سب سے بہتر ہے۔

اس حدیث کے تحت التیسیر شرح الجامع الصغیر جلد ۱ ص ۵۲۵ میں شارح نے یوں ذکر فرمایا:

فکل من کان اکثر خیرہم لصاحبہ وجارہ فهو افضل عند اللہ والعکس بالعکس

تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کیلئے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے۔

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ ”خیر الاصحاب“ خبر ہے اور ”خیر ہم لصاحبہ“ مبتداء ہے۔ اسی طرح ”خیر الجیران“ خبر ہے اور ”خیر ہم لجارہ“ مبتداء ہے۔

اخرجہ احمد و ابن حبان والبیہقی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سند صحیح سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر ذکر و خفی ہے۔

الذکر الخفی

(مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص، موارد الظمان حدیث ۲۳۲۳، بیہقی شعب الایمان حدیث ۱۵۵۲/۴۰۷)

قال الفاضل الشارح ای ما اخفا الذاکر  
وستره عن الناس فهو افضل من الجهر  
(التیسیر شرح الجامع الصغیر ۱/۵۲۶)

فاضل شارح نے کہا: یعنی وہ ذکر جسے ذاکر  
خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکر جہر  
سے افضل ہے۔

اس حدیث میں بھی معنوی طور پر تقدیم و تاخیر ہے ”الخصی“ مبتداء ہے اور ”خیر الذکر“ خبر ہے۔

اخرج الطبرانی عن ابی امامة الباهلی  
رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ  
وسلم افضل الصدقة سرالی فقہر  
(المجم الکبیر حدیث ۸۷۱ ج ۸ ص ۲۵۹ المکتبہ الفیصلیہ بیروت، الجامع الصغیر حدیث ۱۲۷۰)

ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ  
نے فرمایا: سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ  
طور پر فقیر کو دیا جائے۔

دارالکتب العلمیہ بیروت ج ۱ ص ۸۰)

قال الفاضل الشارح قال اللہ تعالیٰ وان  
تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو خیر لکم  
(التیسیر شرح الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۸۵ مکتبہ  
امام شافعی ریاض)

فاضل شارح نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:  
وان تخفوها وتؤتوها الفقراء فهو  
خیر لکم: اگر تم چھپا کہ صدقہ فقیروں کو دو تو  
تمہارے لئے بہتر ہے۔

آیہ کریمہ میں صراحتاً ”خیر لکم“ خبر ہے۔ اسی سے پتہ چل گیا کہ حدیث  
پاک میں ”افضل“ خبر ہے جو مقدم ہے۔

اخرج احمد و العاکم عن رجل من  
الصحابیة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
ان افضل الضحایا اغلاها واسمها۔

امام احمد اور عاکم نے کسی صحابی سے روایت  
کیا وہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:  
قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب  
سے قیمتی سب سے فریبہ (موٹا جانور) ہے۔

(مسند احمد عن جد ابی الاسد سلمیٰ مستدرک حاکم  
کتاب الاضاحی)

قال الفاضل الشارح فالأسمن افضل من فاضل شارح نے کہا: جو سب سے زیادہ فربہ العدد، (تیسیر شرح الجامع الصغیر ۱/۲۱۲) ہے وہ عدد (زیادہ گنتی) سے افضل ہے۔

حدیث پاک میں "افضل الضحایا" پہلے ہے اور "اسمنها" بعد میں ہے۔ شارح کی وضاحت سے پتہ چل رہا ہے کہ "الاسمن" مبتداء ہے اور افضل خبر ہے۔ یعنی معنوی طور پر تقدیم و تاخیر پائی گئی ہے۔

اخرج احمد و الطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔

(مسند احمد حدیث ماعز رضی اللہ عنہ المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ ج ۱۳۲۲۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت) اس حدیث شریف کے شروع میں "افضل" ذکر فرمایا اور آخر میں "سبحر" تفضل" ذکر فرمایا۔ اشارہ فرمایا "افضل الاعمال" مقدم ہونے کی صورت میں خبر ہے۔ اور "الایمان باللہ" مبتداء ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ج ۲۸ ص ۶۱۶ تا ص ۶۲۲)

تعمیہ:

اسی اپنے مدعا پر دلیل کے طور پر کچھ احادیث اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہم نے اور بھی ذکر کی ہیں اور "ان اولی الناس ہی یوم القیامۃ اکثرہم علی صلوة" کو تفصیلی طور پر تفصیلیوں کے تیسرے شبہ کے جواب میں پہلے ہی ذکر کر دیا گیا۔ تکرار سے بچتے ہوئے اس کو چھوڑا جا رہا ہے۔

تفصیلیوں کے منطقی اعتراض مذکور کا جواب رخ بدل کر:

وسلمنا ان مفاد الآیۃ الأولى قولنا " اور ہم اسے مان لیں کہ پہلے آیۃ کا مفاد ہمارا

كل اكرم اتقى " وینعكس بعكس  
النقيض الى قولنا " من ليس باتقى ليس  
باكرم " قول ہے "كل اكرم اتقى" (یعنی ہر اكرم  
سب سے بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض  
ہمارا یہ قول ہے۔ "من ليس باتقى ليس  
باكرم" (جو اتقی یعنی سب سے بڑا متقی نہیں  
ہے وہ اكرم نہیں ہے)۔

اور ہم نے پہلے عرش تحقیق کو ثابت کر دیا ہے کہ مراد "اتقى" آیہ ثانیہ یعنی اللہ  
تبارک و تعالیٰ کے قول "وسبجنبها الاتقى" میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی مراد ہے تو  
ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور نہ تقویٰ میں اس کے کوئی  
مساوی ہو۔

اذا ثبت هذا فنقول كل صحابي فهو  
ليس باتقى من ابي بكر ومن ليس  
باتقى منه ليس باكرم منه اتبع ان  
كل صحابي فهو ليس باكرم من ابي  
بكر۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں: ہر صحابی  
ابو بکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ  
کر متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر  
نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابو بکر سے زیادہ  
عزت والا نہیں۔

یہاں تک جو صفری اور کبریٰ کا ترجمہ آپ نے پیش فرمایا وہ متقدمین کے  
مذہب کے مطابق ہے۔ لیکن عکس نقیض اور قضیہ معدولہ میں مختار مذہب متاخرین کا ہے  
اسی لئے آپ فرماتے ہیں:

وصفري القياس معدولة كما لو حنا  
اليه بتقديم ادلة الربط على حرف  
السلب ولك ان جعلها موجبة سالبة  
المحمول اعنى على قول قوم من  
المتأخرين ويرشدك الى ما يزيه  
اس قیاس کا صفری معدولہ ہے جیسا کہ ہم  
نے اس کی طرف ادوات ربط کو حرف سلب پر  
مقدم کر کے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم  
اس قضیہ کو موجبہ سالبہ المحمول بناؤ یعنی متاخرین  
میں سب سے ایک قوم کے قول پر اور



وہمك جعل السلب فی الكبری مرآة تمہاری راہنمائی اس بات کی طرف جو  
لملاحظۃ افراد الأوسط۔ تمہارے وہم کو دور کر دے سلب کو کبریٰ میں

افراد اوسط کیلئے مرآة ملاحظہ بنانے سے ہوگی  
مطلب تقریباً واضح ہے کہ قضیہ معدولۃ الموضوع ہو یا معدولۃ المحمول ہو یا

معدولۃ الطرفين ہو کبھی موجب ہوگا کبھی سالبہ ہوگا۔ (فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 659)  
اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بحث اس مسئلہ میں بہت طویل ہے راقم نے ضرورت  
کے مطابق اختصار کیا ہے۔

قال المنذرى عن ابى عبد رضى الله عنه منذرى نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ  
ان النبى صلى الله عليه وسلم قال له نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: بے شک تم  
انظر فانك لست بخير من احمر ولا سیاہ فام سے اور سرخ سے بہتر نہیں۔ اور نہ  
اسود الان تفضله بتقوى سیاہ فام تم سے بہتر ہے مگر یہ تم اس پر فضیلت  
(روای احمد الترغیب والترہیب ۶۲۱/۳ باب پاؤ تقویٰ کی وجہ سے۔  
من احقار المسلم وانه لا فضل لاحد)

یہ حدیث امام احمد نے روایت کی اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ  
بکر بن عبداللہ مرنی نے اس حدیث کو ابو ذر سے نہیں سنا لیکن حدیث مرسل ہمارے  
نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔

و عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:  
عطينا رسول الله صلى الله عليه وسلم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کے  
في اوسط ایام التشریق عطية الوداع درمیانی دن میں خطبہ الوداع دیا کہ فرمایا:  
فقال يا ايها الناس ان ربكم واحد و اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور  
ان اباكم واحد الا لفضل لعرب على بیشک تمہارا باپ ایک ہے سنتے ہو (خبردار)  
عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لاحمر عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر

علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی  
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم الادل  
ہلفت؟ قالوا: بلی یا رسول اللہ قال  
فلیبلغ الشاهد الغیب

اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر  
فضیلت ہے مگر تقویٰ سے بیشک اللہ کے  
نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ  
ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔ سنتے  
ہو!! کیا میں نے رب کا پیغام پہنچا دیا؟ صحابہ  
نے عرض کیا: کیوں نہیں (ہاں! آپ نے  
پہنچا دیا) یا رسول اللہ آپ نے فرمایا: اب جو  
حاضر ہیں وہ عائشہ کو پہنچا دیں۔

(الترغیب والترہیب باب من احقار المسلم وانہ  
لا فضل لاحد ۳/۶۲۱)

و اخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب  
بن خراش رضی اللہ عنہ عن النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون اخوة لا فضل لاحد  
علی احد الا بالتقوی

حبیب بن خراش سے مروی ہے کہ نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان آپس میں بھائی  
بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ  
سے۔

(المجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ج ۳ ص ۲۵)

تقویٰ کی کمی زیادتی سے مدارج کی کمی زیادتی ہوگی:

جب تقویٰ زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقویٰ کم ہوگا کرامت کم  
ہوگی اور تقویٰ میں تساوی ہوں گے۔ جیسے کہ عصیان سبب ہے ذلت کا تو ذلت عصیان  
کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 663, 664)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں جو فرمایا وہی فیصلہ کن بات ہے:

روی الدار قطنی عن علی رضی اللہ  
عنه قال لا اجد احدا فضلی علی ابی  
بکر وعمر الا جلدی حد المفتری

دار قطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا  
فرمایا: میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابو بکر  
و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو

مفتی کی حد ماروں گا۔ (یعنی کسی پر تہمت لگانے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے اسے ماروں گا)۔ (فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 674)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی کتاب تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

راقم نے صواعق محرقة سے پہلے جو ذکر کر دیا ہے تقریباً اسی کے مطابق شیخ نے بھی فرمایا بلکہ زیادہ نقل ہی آپ نے صواعق محرقة سے کیا ہے۔ لیکن خیال یہ ہوا کہ آپ کی کمال بحث کو نقل کر دیا جائے تاکہ یہ کوئی نہ کہے کہ اپنی مرضی کی عبارت کو نقل کر دیا اور مرضی کے خلاف کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

آسان سمجھنے کیلئے راقم کہیں کہیں عنوان قائم کرے گا۔ وہ عنوان کسی کو قبول ہوں یا نہ ہوں وہ اپنی اپنی پسند ہے اس پر راقم کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

فصل صحابہ اربعہ یکدیگر بد و مقام:

چار صحابہ (خلفاء راشدین) کی ایک دوسرے پر فضیلت و درجات کے بیان میں۔

والخلفاء الاربعة افضل الاصحاب: چار خلفاء (چار یار) سب صحابہ سے افضل ہیں۔

چهار یار با صفا کہ خلفاء راشدین و جالشین مصطفیٰ انہ (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہم) فاضل ترین اصحاب و نزدیک ترین احباب اویند و مناقب و معامد و سوابق و آثار ایشان در اسلام چنداں است کہ هیچ یکی را از اصحاب با ایشان در انہا مشارکت و مسامحت نبود و چنانکہ در احادیث و اخبار و آثار روشن گردد۔

چار یار با صفا کہ جو خلفاء راشدین اور نبی کریم ﷺ کے جالشین ہیں وہ سب صحابہ سے زیادہ فضیلت والے ہیں۔ اور آپ کے تمام احباب میں سے آپ کے زیادہ نزدیک ہیں۔ ان چار کے مناقب و محامد و سوابق و آثار (سبقت و ایثار) اتنے ہیں کہ تمام صحابہ کرام میں سے کسی ایک کو بھی ان کے ساتھ ان میں مشارکت اور حصہ داری حاصل نہیں جس طرح احادیث و اخبار و آثار میں بہت روشن طریقہ سے بیان ہیں۔

### ترتیب فضیلت اور افضلیت کی مراد کا بیان:

وفضلهم علی ترتیب الخلافة والمراد  
بالفضلیة اکثریة الثواب  
ان کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو ان کی  
خلافت کی ترتیب ہے۔ افضلیت سے مراد  
زیادتی ثواب کا حصول ہے۔

### یہاں دو مسائل پر گفتگو کرتے ہیں:

بدانکہ اینجا دو مقام است مقام اول  
آنکہ خلیفہ برحق بعد رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم ابو بکر صدیق است  
بعد از وی عمر فاروق بعد از وی عثمان  
ذوالنورین بعد از وی علی مرتضی  
رضوان اللہ علیہم اجمعین۔  
اس جگہ دو مقام ہیں: پہلا مقام یہ ہے کہ  
رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفہ برحق حضرت  
ابو بکر صدیق اور ان کے بعد حضرت عمر  
فاروق ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین  
اور ان کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ہیں  
(جی اللہ)

### مندرجہ بالا مسئلہ پر اجماع ہے اور وہ یقینی ہے:

در این مسئلہ نزد اہل سنت و جماعت  
از یقینات است و طریق اثبات  
خلافت ابو بکر نزد بعض بنص صریح  
و حدیث صحیح است و نزد جمہور  
اہل سنت و جماعت اجماع صحابہ  
است یعنی صحابہ ہمہ اتفاق کردند  
بر خلافت ابی بکر و اطاعت و انقیاد  
وی نمودند و در احکام دنیا و آخرت  
بر او موافقت و متابعت رفتند و حال  
آنکہ در ایشان ابو بکر و عمار و سلمان  
یہ مسئلہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک  
یقینات (قطعیات) سے ہے اور بعض  
حضرات کے نزدیک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی  
خلافت نص صریح و حدیث صحیح سے ثابت  
ہے اور جمہور علماء اہل سنت کے نزدیک  
اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ یعنی تمام صحابہ  
کرام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر  
اتفاق کیا اور آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری  
کی اور دنیا و آخرت کے احکام میں موافقت  
متابعت کی راہ چلے۔ اور حال یہ ہے کہ ان

وصہیب و امثال ایشان بودند کہ بحال  
ایشان میل و مداهنت در دین اصلاً راہ  
نداشت و در شان ایشان وارد است (لا  
یخافون لومة لائم)

حضرت ابوذر اور حضرت عمار اور حضرت  
سلمان اور حضرت صہیب اور ان کی مثل اور  
صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی تھے جنہوں نے کبھی  
دین کے معاملہ میں میلان اور چالپوسی نہیں کی۔ ان کی شان میں رب تعالیٰ کا ارشاد وارد ہے  
لا یخافون لومة لائم "وہ خوف نہیں کرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔"

بعض صحابہ کرام کا تاخیر بیعت سے اجماع میں کوئی فرق لازم نہ آیا:

اگرچہ امیر المؤمنین علی بن ابی  
طالب و عباس بن عبدالمطلب  
و دیگر از اصحاب مثل طلحہ و زبیر و  
مقداد بن اسود کہ از اعیان و اکابر  
صحابہ بودند در حین عقد بیعت  
اصحاب بیعت نکردند لیکن بعد  
از ان وقت دیگر ایشان نزد بیعت  
کردند و در اطاعت و انقیاد و یہ  
در آمدند و ہر اہ موافقت رفتند و  
ابوبکر ایشان را نزد خود طلبید و  
دیگر اصحاب نیز حاضر آورد و خطبہ  
خواند و گفت ایں علی بن ابی طالب  
است و من او را بہ بیعت خود الزام  
نمی کنم، اختیار او بدست اوست و  
شما را نیز اختیار بدست شما است  
اگر دیگرے را جز من اولی دانید

اور اگرچہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی  
طالب و عباس بن عبدالمطلب اور اصحاب  
میں سے دوسرے طلحہ اور زبیر اور مقداد بن  
اسود کہ جو اشراف و اکابر صحابہ تھے انہوں نے  
جب دوسرے صحابہ نے بیعت کی اسی وقت  
بیعت نہ کی۔ لیکن اس کے بعد دوسرے وقت  
میں انہوں نے بھی بیعت کر لی اور یہ بھی  
آپ کی اطاعت و فرمانبرداری میں آگئے۔  
اور موافقت کی راہ اختیار کر لی۔ حضرت ابوبکر  
رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو اپنے پاس بلایا اور  
دوسرے صحابہ کو بھی اپنے پاس حاضر کیا اور  
خطبہ دیا اور فرمایا: یہ علی بن ابی طالب ہیں۔  
میں نے ان پر اپنی بیعت کرنا لازم قرار نہیں  
دیا ان کا اختیار ان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور  
تمہارا اختیار بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر  
تم لوگ کسی دوسرے کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو

و مصلحت بیند اولی کسیکہ باوی بیعت کند من خواہم بود پس علی و ہر کہ باوی بود گفتہ غیر ترا اولی ندانیم' ترا پیغمبر خدا علیہ السلام در امر دین ما پیش کرد و دیگر کہ تواند پیش انداخت اشارت بامر امامت نماز کرد کہ آنحضرت علیہ السلام در روز آخرت از حیات او را فرمود جز آنکہ مارا آن گراں آمد کہ ما از اہل بیت پیغمبر و ارباب مشاورت و اجتہاد بودیم ہی سابقہ مشاورت ما چون کردند اکنوں ما میدانیم کہ اولی و احق بامامت تونی پس علی ہر کہ از اصحاب باوی بودند رضی اللہ عنہم باوی علی رؤس الاشہاد بیعت کردند۔

اور کسی دوسرے کے خلیفہ بنانے میں مصلحت سمجھتے ہو۔ تو پہلا شخص اس آدمی سے جو بیعت کرنے والا ہوگا وہ میں ہوں گا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ جو تھے سب نے کہا: ہم آپ سے کسی کو بہتر نہیں سمجھتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین کے معاملہ میں آگے رکھا اور بھی جہاں تک ہو سکا آپ کو آگے رکھا۔ آپ کا اشارہ نماز کی امامت کے متعلق تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری (مرض کے) دنوں میں آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، صرف ہمیں پریشانی یہ ہوئی کہ ہم اہل بیعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ارباب مشاورت و اجتہاد تھے۔ ہم سے مشورہ نہیں کیا گیا اب ہم آپ کو ہی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ حقدار خلافت کا سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ جو دوسرے

اصحاب تھے سب نے اعلانیہ طور پر سب لوگوں کے سامنے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ اس لئے آپ کی خلافت پر اجماع منعقد ہو گیا۔ ان کا بیعت کرنے میں دیر کرنا سوچتے اجتہاد اور درست راہ کی تلاش کی کوشش کی وجہ سے انعقاد خلافت اور اجماع میں کوئی عیب نہ تھا۔

بیعت کرنے کی مدت تاخیر میں شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ کا مختار:

وبعض گویند کہ سبب تاخیر وعدم حضور علی مرتضیٰ در وقت بیعت اشتغال تہیز و تکفین آنحضرت

بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دیر کرنا اور بیعت کے وقت حاضر نہ ہونا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

صلی اللہ علیہ وسلم بود و بعد ازاں بسبب حزن و مصیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود را در خلوت انداخت و بجمع قرآن مشغول شد و ازین جا امتداد مدت توقف و تردد فہم گردد حتی کہ گفتہ اند تا شش ماہ بود و بعد از فوت فاطمہ زہرا بیعت کرد و صحیح آنست کہ این قدر نبود در آخر ہماں روز یا بروز دیگر بود واللہ اعلم

تجھیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں مبتلا ہو گئے اور آپ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی، قرآن پاک کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے، پھر کچھ دیر تک سوچ و غیرہ میں مبتلا رہے یہاں تک کہ چھ ماہ گزر گئے۔ حضرت فاطمہ الزاہرہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بیعت کی۔ لیکن صحیح یہ ہے اتنی مدت نہیں تھی اسی دن کے آخر میں یا دوسرے دن ہی آپ نے بیعت کر لی تھی۔

(تکمیل الایمان ص 133 تا 137)

راقم کا مختار اس میں یہ ہے جو بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ آپ نے بیعت دو مرتبہ کی۔ ایک مرتبہ تو شروع میں اسی دن کچھ تاخیر سے یا دوسرے دن آپ نے بیعت کر لی تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے غم اور حضرت فاطمہ الزاہرہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی وجہ سے کھل کر حکومت کا ساتھ نہ دے سکے۔ پھر چھ ماہ بعد دوبارہ بیعت کر کے باقاعدہ حکومت میں شامل ہو گئے۔ چھ ماہ کے بعد کا تذکرہ بھی مسلم ج 2 ص 99 باب الثمنی میں ملتا ہے۔ بہتر تطبیق اور محاکمہ اسی میں نظر آتا ہے۔۔۔۔ واللہ اعلم

حضرت علی حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے مطیع رہے اور آپ کے غزوہ میں

شریک ہو کر مال غنیمت حاصل کیا:

و بالجملہ علی مرتضیٰ دائم مطیع و حاصل کلام یہ ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سامع و متبع امر ابوبکر صدیق بود ہمیشہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مطیع اور آپ کے فرمان کو سننے اور ماننے والے رہے فرض و در نماز فرض و جمعہ و عید اقتداء ہویے میگرد و در غزوہ ہنی حنیفہ کہ نمازوں اور جمعہ و عید میں آپ کی اقتداء

مسئلہ کذاب درانجا گشتہ شد باوی بود و جاریہ را از غنائم آن غزوہ بہ تسری برگرفت اگر غزوہ بحکم امام حق نمی بود تصرف در غنائم آن جا جایز نمی بود۔

کرتے رہے۔ غزوہ بنی حنیفہ یعنی مسیلہ کذاب کے ساتھ جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ مال غنیمت سے آپ نے ایک لوٹھی حاصل کی جو آپ کے زیرِ مجامعت رہی۔ اگر امام حق کے حکم سے غزوہ نہ ہوتا تو مال غنیمت میں تصرف بھی جائز نہ ہوتا۔

عقل مند تو یہی کہتا ہے کہ مردِ حق شیرِ خدا نے خلیفہِ حق کے پیچھے نمازیں ادا کیں:

وہیچہ عاقل روا دارد کہ علی مرتضیٰ کہ شیرِ خدا و امام اولیاء و مرکزِ حق بود و قرآن چنانچہ در حدیث آمدہ است کہ القرآن مع علی و علی مع القرآن "مدتِ عمر در نماز و جمیع طاعات بدنی و مالی تابعِ ظالمی باشد باوجود آنکہ داند کہ حق بجانبِ اوست و از رسولِ خدا نصی در شانِ خود شنیدہ بطلبِ حق نہ بر آید و سکوتِ شب و روز و مدتِ عمرِ خود زبون و اسیرِ اہلِ باطل و اربابِ ہوا بود و آخرِ با معاویہ کہ بناحقِ باوی کرم اللہ وجہہ نقل کردہ اند کہ فرمود سو گند

کیا کوئی عقلمند شخص یہ جائز رکھے گا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو شیرِ خدا تھے اور امام اولیاء اور مرکزِ حق تھے اور قرآن آپ کے ساتھ تھا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہوا ہے "قرآن علی کے ساتھ اور علی قرآن کے ساتھ ہیں" ایسے عظیم شخص نے اپنی عمر کا کچھ حصہ نمازیں اور طاعتِ بدنی و مالی میں ایک ظالم شخص کی تابعداری کی ہو (بقول شیعہ) باوجود اس کے وہ جانتا بھی ہو کہ حق میری جانب ہے اور رسولِ خدا سے اپنے بارے میں خلیفہ ہونے کی نص بھی سنی ہو۔ بحرِ حق کی طلب کیلئے باہر نہ نکلے ہوں۔ دن رات خاموشی اختیار کی ہو۔ اور اپنی عمر کا کچھ حصہ اہلِ باطل اور اربابِ خواہشات کی قید اور



بغذائیکہ پیدا کنندہ و رویانندہ دانہ است کہ اگر پیغمبر خدا با من عہد کردہ باشد و امری فرمودہ و بر من جزایں روا من نبود نگذارم ابن ابی قحافہ را کہ بر ادنی پایہ منبر مصطفیٰ بر آید ولیکن چون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با وجود حضور من و معرفت موضع من ابو بکر را امر کرد کہ امامت کند و با مردم نماز گزار و مرا مجال نزاع در آن نبود چون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اورا در امر دین ما اختیار کرد مارا اختیار او در کار دنیا اولی باشد۔

ان سے جھگڑے کی کچھ مجال نہ رہی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے دین کے معاملہ کیلئے پسند فرمایا تو ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم ان کو اپنے دنیا (امر خلافت) کے معاملہ کیلئے پسند کریں اور ان کو ہی ترجیح دیں۔ (تکمیل الایمان ص ۱۳۷ تا ۱۳۸)

شیعہ حضرات کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ڈر پوک سمجھنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حق کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟

جواب شیعہ و نقص و قدم ہراں از جہت ترس جان و خوف اعداء

اس کا جواب شیعہ نے یہ دیا کہ یہ کمی اور یہ عیب آپ پر اپنا لئے رہ گیا کہ آپ کو اپنی جان کا خطرہ تھا اور دشمن کا ڈر تھا۔

شیعہ گویند کہ ابن ہبہ از جہت تلبیہ بود و بہ حقیقت ابن تلبیہ کہ شیعہ اعتقاد شیعہ کہتے ہیں: یہ سب (خاموشی اور اپنے حق کا مطالبہ نہ کرنا) تلبیہ کی وجہ سے تھا۔ شیعہ

کنند اگر بنظر انصاف درنگرد  
عین عیب و صریح منقصت است یعنی  
علی مرتضیٰ کہ طلب حق نکرد و  
سکوت و رزید و بطلب حق برخواست  
ازاں بود کہ از اعداء می ترسید تاوی  
رانکشند و ہلاکش نکند۔

جس تقیہ کا اعتقاد کرتے ہیں اسے اگر  
انصاف کی نظر سے دیکھیں تو اس کی حقیقت  
عین عیب و نقص ہے۔ (ڈرپوک سمجھنا عیب  
اور نقص نہیں تو اور کیا ہے؟) یعنی حضرت علی  
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حق طلب نہ کیا اور خاموشی  
اختیار کی۔ اور حق کی طلب کیلئے نہ اٹھے اس  
لئے کہ آپ دشمنوں سے ڈر رہے تھے تاکہ  
آپ کو قتل نہ کر دیں اور ہلاک نہ کر دیں۔

یہ تو عجیب بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام ان کے سپرد کریں اور وہ ڈر جائیں:

این چہ سخن است مثل علی مرتضیٰ  
با آن کمال ایماں و یقین کہ  
لو کشف الغطاء ما ازدت یقیناً از  
پیغمبر شنیدہ باشد کہ خلیفہ بعد از  
من تونی و این بشارت غیر این معنی  
ندارد کہ متکفل تمشیت و اجر ای  
احکام دین بعد از من تو خواہی بود  
دیگر وی از مردم بترسد و داند کہ  
اگر من طلب خلافت کنم کشتہ  
شوم۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ  
جیسا شخص جس کو اس کا کامل یقین و ایمان  
حاصل تھا کہ ”جتنے پردے کھلیں اتنا ہی میرا  
یقین زیادہ ہوگا“ اس عظیم شوق نے نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو کہ میرے بعد خلیفہ تم ہی  
ہوگے۔ تو یقینی بات ہے کہ اس کا مطلب  
سوائے اس کے نہیں کہ میری راہ پر چلنے کے ذمہ  
داری تمہارے سپرد ہے اور میرے بعد احکام  
دین دوسروں پر تم نے ہی جاری کرنے ہیں لیکن  
وہ شخص لوگوں سے ڈر جائے کہ اگر میں نے  
خلافت کا مطالبہ کیا تو مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

تقیہ ڈرپوک کرتے ہیں، بہادر نہیں کرتے:

بیز تقیہ و خوف درجائی بود کہ  
صاحب حق ضعیف و مغلوب و زبون  
صاحب حق کا تقیہ کرنا اور ڈرنا اس وقت ہوتا  
ہے جب وہ کمزور اور مغلوب اور زبونوں حال

بود و این جانہ چنیں است علی مرتضیٰ باآں شجاعت و صلابت در دین و توکل بر خدا کہ وی داشت و فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باآں عظمت و علو منصب زوجہ وی و حسن و حسین سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و محبوب ترین خلق نزد وی و عباس بن عبد المطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفعت محل تابع وی و زبیر بن عمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم با کمال شجاعت و شہامت کہ داشت باوی و بنو ہاشم باآں شوکت و عزت برادران وی دیگر ضعف و زہونی چہ معنی دارد۔

ہو۔ یہاں تو یہ بات ہی نہ تھی کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو بہادر تھے اور دین میں پختہ تھے اور رب تعالیٰ پر آپ کو کامل بھروسہ تھا۔ اور آپ کی زوجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی عظیم مرتبہ اور بلند منصب والی تھیں۔ آپ کے بیٹے حسن و حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے۔ اور آپ حضور کے نزدیک مخلوق میں محبوب ترین تھے اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جو کہ رفیع مقام رکھتے تھے وہ آپ کے ساتھ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد جو بہت بڑے شجاع و بہادر تھے وہ آپ کے ساتھ تھے اور آپ کے خاندان کے شوکت و عزت رکھنے والے بنو ہاشم آپ کے ساتھ تھے۔ پھر آپ کے ڈرنے اور کمزور ہونے کا کیا مطلب؟

### خواستن عباس بیعت علی را برائے بیعت و انکار وی:

حضرت عباس کا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا بیعت کا مطالبہ اور آپ کا انکار روایت کردہ اند کہ عباس در مدت توقف با علی گفت دست برد آر کہ با تو بیعت کنم تا اہل عالم گویند کہ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہن عمروی بیعت کرد و بیہچکس روایت کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے توقف کی مدت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو کہا: ہاتھ آگے بڑھاؤ! میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں تاکہ جہاں والے کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد سے بیعت کر

لی تو کسی کو تمہارے ساتھ اختلاف کرنے کی طاقت نہ رہے۔ اور حضرت ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبد مناف کی اولاد! تمہیں کیا ہو گیا کہ تم قریش کے خاندان کے دل پر ایک تھی کی حکمرانی قبول کر بیٹھے ہو۔ ان کا اشارہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کہ آپ بنی تیم سے تھے۔ اگر تم دعویٰ کر دو تو میں پیدل اور سوار لوگ اتنی تعداد میں جمع کر دوں کہ تمام وادی بھر جائے تو ان کو زمانے کے دربار سے باہر لے آؤں۔ (یعنی حکمرانی سے دور کر دوں) تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کیا اور ڈانٹا کہ اے اہل اسلام کے دشمن! یہ کیا بات تو کہہ رہا ہے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ فتنہ برپا ہو جائے۔ اور یہ شیعہ تو تقیہ انبیاء کرام کیلئے بھی جائز مانتے ہیں بلکہ واجب۔ وہ کہتے ہیں: انبیاء کرام کو بھی جب کسی بات کے ظاہر کرنے میں خوف ہو تو تقیہ ان کیلئے جائز ہے یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دل میں خلیفہ مقرر کر دیا تھا لیکن اس کو ظاہر کرنے سے خوف (ڈر) نے روک دیا تو آپ نے تقیہ کر لیا۔ جب اس قسم کے احتمالات شیعہ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے

را مجال خلاف با تو نمائد و ابوسفیان اموی گفت چه شد شمارا ایے پسران عہد مناف کہ راضی شدید کہ تیمی بر شما والی گردد از دل بیت قریش، اشارت بہ ابوبکر صدیق کرد کہ از بنی تیم بود اگر شما دعویٰ کنید من پیادہ و سوار چنداں جمع کنم کہ تمامہ وادی پر گردد و دربار از روزگار ایشان بر آرم پس علی مرتضیٰ اورا منع کرد و زجر فرمود کہ یا عدو اہل اسلام اینچہ سخن است کہ تو میگوئی و میخوایی کہ فتنہ برپا شد و این شیعہ تقیہ را بر پیغمبران جائز می داند بلکہ واجب و می گویند کہ اظہار کفر از انبیاء علیہم السلام در مقام خوف و تقیہ جائز باشد حتی کہ گویند کہ آنحضرت علی مرتضیٰ را بامامت در نفس خود تعین کرده بود و لیکن از اظہار خوف و تقیہ شد بہر گاہ امثال این احتمالات شیعہ را در جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم را دہند دیگر کسے با ایشان چگویند "تقیہم اللہ ما اجہلہم و افسد اعتقادہم"

پیش کر دیئے تو دوسرے کے متعلق تو کیا کہا جائے کہ وہ اسے تقیہ والا نہیں کہیں گے۔ اللہ ان کو برباد کرے کتنے ہی بڑے جاہل ہیں اور کتنے ہی ان کے برے اعتقادات ہیں۔

انبیاء کرام نے بڑے بڑے ظالموں سے ٹکر لی لیکن تقیہ نہ کیا ورنہ دین حق کیسے

ظاہر ہوتا؟

اگر انبیاء احنفاے حق کنند دیگر ظہورِ حق کجا باشد متکبر تر از قومِ نوح و متمرّد تر از نمرود و ظالم تر از فرعون کہ خواہد بود، باوجود آن نوح و ابراہیم و موسی علیہم السلام اظہارِ حق کردند دیگر تقیہ چہ معنی دارد پس ثابت شد کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ اجماع کردند بر خلافت ابی بکر رضی اللہ عنہ و ہر چہ صحابہ بلکہ سائر علماء و مجتہدان این امت مرحومہ مغفورہ ہر اجماع کنند حق باشد و ثابت ہوا یقین۔

سوال مقدّر:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے خلیفہ بنایا۔ مجتہد کے اجتہاد میں تو دو گمان ہوتے ہیں کہ اس کے اجتہاد میں خطا واقع ہوئی یا درست اجتہاد کیا۔ اس طرح ہر ایک کا اجتہاد ظن ہو گیا۔ ظن کے ساتھ جب ظن ملا تو وہ ظنی ہی رہا، یقینی کیسے ہو گیا؟

جواب:

اگرچہ ہر یک از افراد آن بحکم "المجتهد یخطئ ویصیب" احتمال خطا دارد ولیکن اجماع و اتفاق ایشان را خاصیتی است کہ جز بر حق و صواب نبود و احتمال خطا ندارد و بحکم نص قرآن "لتکونوا شهداء علی الناس" وقوله تعالیٰ "ویتبع غیر سبیل المؤمنین" الآیة - وحديث نبوی "لن تجتمع امتی علی الضلالة۔ ہرچہ ایشان کنند و اتفاق نمایند حق بود اگر روا بودی کہ تمامہ صحابہ با اکثر ایشان در خلافت اختیار بیعت ابو بکر عمداً براہ عطا رفتند و ارتکاب ظلم کردند و خلاف حکم پیغمبر و رزیدند و حق صریح پوشیدند فساد این سخن و نتائج آن در تمامہ دین و ملت سرایت می کند و در بیعت جا و در بیعت حکم شرعی وثوق نماید چہ وصول قرآن و شریعت بنقل ایشان ثابت شدہ است و ایشان خود بزعم شما فاسق و ظالم و فاجر و سائر حق بودند بیعت قباحتی

ہاں گرچہ ہر ایک فرد کا علیحدہ علیحدہ حکم "المجتهد یخطئ ویصیب"۔ (مجتہد یا خطا کرتا ہے یا درست راہ اختیار کرتا ہے) کے مطابق خطا کا احتمال رکھتا ہے لیکن ان (صحابہ کرام) کے اجماع و اتفاق کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ حق ہی ہوتا ہے اس لئے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "لتکونوا شهداء علی الناس" (تا کہ تم گواہ بن جاؤ لوگوں پر) اور رب تعالیٰ نے فرمایا "ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولى ونصلیہ جہنم و مماء ت مصیرا" (اور جس نے مؤمنوں کی راہ کے بغیر اور راہ کی تابعداری کی ہم اسے پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور جلا دیں گے اسے جہنم میں اور برا ہے ٹھکانہ) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "لن تجتمع امتی علی الضلالة۔" (ہرگز میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اس لئے صحابہ کرام کا ہر وہ کام جس پر اتفاق ہوتا وہ حق ہوتا۔ اگر جائز ہوتا کہ تمام صحابہ کرام یا ان میں اکثر نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کو اختیار کرنے میں جان بوجھ کر غلطی کی اور قلم کار کتاب کیا اور رسول

وشناعتی بالاترازیں بناشد، نعوذ باللہ اللہ علیہ السلام کے حکم کے خلاف کو پسند کیا۔ اور من الجہالة والضلالة والغباوة۔  
 صریح (واضح) حق کو پوشیدہ رکھا تو اس بات کا نفاذ اور اس کے نتائج تمام دین و ملت میں اثر انداز ہوں گے اور کسی جگہ اور کسی حکم شرعی میں اعتبار نہیں رہے گا کیونکہ قرآن پاک اور شریعت ان سے ہی تو منقول ہوا۔ اگر (اے رافضیو) تمہارے گمان کے مطابق وہ حضرات خود ہی فاسق و ظالم و فاجر اور حق چھپانے والے تھے تو اس سے بڑھ کر اور برائی بے حیائی کیا ہوگی؟ ”نعوذ باللہ من الجہالة والضلالة والغباوة“ ان کی پناہ جہالت و گمراہی اور غباوت سے۔

رافضیوں کی عقل تو سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی سے بھی کم ہے:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض تصنیفات میں عجیب استنباط کیا اور فرمایا کہ قرآن پاک میں ہے ”لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ وہم لا یشعرون“ (نہ پامال کر دیں سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں بے خبری میں) معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی رافضی سے زیادہ عقلمند تھی کیونکہ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں کو کہا: اپنی بلوں میں گھس جاؤ تاکہ سلیمان علیہ السلام کا لشکر بے خبری اور بے علمی سے تمہیں پامال نہ کر دے۔ کیا چیونٹی نے یہ تجویز نہیں کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر سے چیونٹیوں کو پامال کرنے کی زیادتی ان کی بے خبری اور بغیر دیکھے کے تو ہو سکتی (لیکن اصحاب پیغمبر جان بوجہ کر ظلم نہیں کرتے) لیکن یہ رافضی تو کہتے

امام فخر رازی در بعض مصنفات عود استنباطی عجیب نمود است و گفته کہ بحکم قرآن مجید کہ فرمودہ است ” لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ وہم لا یشعرون“ معلوم میشود کہ نملہ سلیمان عاقل تر از رافضی بود زیرا کہ مورچہ ہا مورچہائی دیگر گفت کہ در کاتھائے عود بخزید تالشکر سلیمان بے شعور و نادانستہ پائمال تاں نکنند پس نملہ تجویز نکرد کہ از جنود سلیمان کہ اصحاب پیغمبر اند پائمال کردن مورچہا و ظلم برایشان نایدہ و دانستہ بوجود آیدایشان یعنی رافضیان می گویند کہ اصحاب سید المرسلین عمداً حق علی را

پائمال ساختند و ظلم صریح بر اہلبیت پیغمبر کردند و ایں قدر ندانستند کہ از صحابہ رسول اتفاق بر ظلم درست نباشد۔

ہیں کہ سید المرسلین ﷺ نے جان بوجھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق کو پائمال کر دیا اور اہلبیت نبی پر صریح ظلم کیا۔ ان کو اتنا بھی پتہ نہ چل سکا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کا ظلم پر متفق ہونا درست نہیں۔ (انہوں نے سوائے تین چار صحابہ کے سب کو مرتد قرار دے دیا" معاذ اللہ)۔

### حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی؟

بالجملہ بیچہ دلیلے بتحقیق بہ از اجماع صحابہ کہ حل و عقد دین و ملت بدست ایشان بود و احکام شریعت و سنت بایشان سپردہ شدہ است نباشد بیچہ الزامی قوی تر از اطاعت و انقیاد علی مرتضیٰ مر ابو بکر را در احکام دین و دنیا نخواہد بود و بحقیقت ہر دلیلی کہ بر فضل و کمال علی مرتضیٰ است کرم اللہ وجہہ برہان صحت خلافت ابو بکر صدیق است یعنی علی با آن فضل و کمال و ہدایت و حقانیت و تائید دین متابعت او کرد و ہاوی بیعت نمود بالا تر ازین دلیل و برہان چہ خواہد بود۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی صحابہ کرام جو اصحاب حل و عقد (مجتہدین) تھے اور دین و ملت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔ احکام شریعت و سنت ان کے سپرد تھے ان کا اجماع ہوا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر۔ اور اس سے بڑھ کر بہت مضبوط اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دینی اور دنیاوی احکام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے۔ حقیقت بات یہ ہے کہ ہر دلیل جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال پر دلالت کرتی ہے اس کا دار و مدار ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر ہے کیونکہ حضرت



علیؑ باوجود صاحب فضل و کمال اور صاحب ہدایت ہونے کے اور تائید دین کے انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی متابعت کی اور آپ کی بیعت کی اس سے بڑھ کر اور دلیل کیا ہو سکتی ہے؟

آخر کار وہی حکایت جو مشہور ہے سچی آئے گی:

آخر ہماں حکایت اند کہ نقل کردہ اند کہ از امیر المؤمنین علی پرسیدند کہ سبب چیست کہ امر خلافت آن سے خلیفہ منتظم و ملتئم وہی خلاف آمد و در عہد خلافت شما این همه ہرج و مرج بظہور رسید فرمود ناصر و معین و مقوی و مؤید ایشان ما ہونیم و ناصر و معین ما شما اید دیگر چہ حال باشد۔

آخر وہی حکایت جو ان سے منقول ہوئی صادق آئے گی کہ حضرت امیر المؤمنین علیؑ سے پوچھا گیا کہ کیا سبب ہے کہ پہلے تینوں خلفاء کی خلافت منتظم تھی اور اس میں اتفاق تھا۔ کوئی اختلاف نہ تھا لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کی خلافت میں قتل و فساد ظہور میں آئے؟ آپ نے فرمایا: ان کے مددگار ان کو تقویت پہنچانے والے اور ان کو تائید دینے والے ہم تھے اور ہمارے مددگار تم ہو۔ یہی حال ہونا تھا اس کے بغیر اور کوئی کیا حال ہوتا؟

صحابہ کرام کی تنقیص و درحقیقت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی تنقیص ہے:

بحقیقت فطرت سلیمہ مجہول است بر قبول آنکہ اجماع و اتفاق اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جز ہر صواب نبود ہر انکار محمد رسول اللہ کہ آخر الزماں و ہادی انس و جان مبعوث بکافہ و غلابی باشد از وی ہمین دعاوندہ تن از اصحاب (کیا) حقیقت میں فطرت سلیمہ مجہول ہے اسے قبول کرنے پر کہ اگر رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا اجماع درست نہ ہو تو آخر الزماں نبی انسانوں اور جنوں کے ہادی تمام مخلوق کی طرف مبعوث محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا انکار لازم آئے گا کیونکہ یہی تو دس بارہ کی تعداد میں صحابہ کرام شروع شروع میں حق پر

بر ہدایت و برحق و راہ راست یافتہ باشند دیگر تمامہ اصحاب و یاراں او کہ مدت عمر در صحبت او بودہ و فضائل و کمالات اکتساب نمودہ بر باطل و ظلم و ضلالت رفتہ آخر این منقصت بہ سید کائنات و دین اقوام وی سرانیت میکنند پس بہ یقین معلوم شد کہ خلافت ابو بکر صدیق و صواب بودہ۔

(تکمیل الایمان ص 138 تا 142)

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق تھی۔

### مقام افسوس یا مقام تعجب!!!

بعض صحابہ کرام کے ایمان لانے سے پہلے حالت کفر کے حالات و اقوال کو بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کسی کے رجوع سے قبل کے افعال و اقوال کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس شخص نے اپنے اقوال سے رجوع کر لیا ہے۔ جیسے امام مالک رضی اللہ عنہ نے شیخین کی افضلیت کو تو ہمیشہ قبول کیا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے پہلے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے تھے پھر توقف کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل ہو گئے۔ آپ کے پہلے والے اقوال کو ان کے رجوع کے بعد دلائل کے طور پر استعمال کرنا درست نہیں۔

اسی طرح کبھی عقیدہ میں تجاوز کرنے والے لوگوں کے ان کے تجاوز سے پہلے والے اقوال کو پیش کر کے بتایا جاتا ہے کہ وہ تو اس عقیدہ پر قائم تھے۔ اس طرح کے طور طریقہ سے حقائق کو نہیں چھپایا جاسکتا۔ عجیب بات یہ کہ شیخ

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تکمیل الایمان پر بڑا زور دیا گیا اور ادھر فرقہ زید یہ کو سنی بنانے پر بھی ایڑی چوٹی کا زور بھی لگا دیا گیا کیونکہ زید یہ فرقہ زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے قبیعین کا فرقہ ہے۔ یہ لوگ پہلے سنی تھے، خارجیوں کا رد کرتے کرتے حد سے تجاوز کر گئے۔ شیعہ کا معتدل فرقہ یہی ہے۔

### تکمیل الایمان میں زید یہ فرقہ کو شیعہ کہا گیا:

غایت تنزل و تساهل درین مقام آن است کہ فرقہ زید یہ کہ ایشان را عدل فرقہ شیعہ می گویند بر آنند کہ خلافت بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حق علی بود ولیکن در نصب ابوبکر مصلحت بود زیرا کہ تیغ علی مرتضیٰ هنوز از خون دشمنان دین عسک نشده بود و نثارها و عداوتها در دلها ممتکن گشته اگر وی را کرم اللہ وجہہ خلیفہ می ساعتند شاید کہ باعث مرج و مرج و فساد و مبنی و مدار این مذاہب بر افضلیت علی و وجوب نصب افضل و اکمل است۔

انتہائی تنزل و تساهل یعنی بہت ہی نرم اس مقام پر گفتگو فرقہ زید یہ کی ہے کہ انہیں شیعہ کا معتدل فرقہ کہا جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے میں مصلحت تھی کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار ابھی تک دین کے دشمنوں کے خون سے خشک نہیں ہوئی تھی۔ دلوں میں نفرتیں اور دشمنیاں جگہ پکڑے ہوئے تھیں۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا جاتا تو ہو سکتا ہے کہ قتل و فساد کا سبب بن جاتا۔ اس مذہب والوں کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے: ایک یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں دوسری یہ کہ جو سب سے افضل اور اکمل ہو اس کو خلیفہ بنانا واجب ہے۔

(تکمیل الایمان ص 142)

آئیے شیعہ کے سب سے معتدل فرقہ زید یہ (تفضیلیہ) کے ظالمانہ قول

کو دیکھئے!!

پہلے ایک بات کی طرف توجہ فرمائیں کہ نبی کریم ﷺ کے وصال سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ جن جنگوں میں شریک ہوئے وہ کفار سے جنگیں تھیں۔ اگر مراد یہ ہے کہ کافروں کے دلوں میں نفرت و عداوت تو اس سے آپ کو خلیفہ نہ بنانے کی وجہ؟ وہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مخالف تھے۔ اگر اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو پہلے کافر تھے ان سے لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حصہ لیا تھا تو یہ قرآن کی مخالفت اور صحابہ کرام کی توہین ہے۔ قرآن پاک میں تو مصطفیٰ کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی شان یوں بیان کی گئی۔ ”محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم“ محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بہت سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں۔

واضح ہوا کہ رب تعالیٰ نے تو یہ فرمایا اسلام لانے کے بعد مسلمان ایک دوسرے کیلئے رحمدل تھے یعنی ان کے دلوں میں عداوت و نفرت نہیں تھی اور شیعہ کا زید یہ (تفضیلیہ) فرقہ یہ کہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد وہ ایک دوسرے سے عداوت و نفرت رکھتے تھے۔ تو کیا ان کا یہ قول ظالمانہ ہے یا نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کا موقف خلفاء راشدین کے متعلق یہ ہے:

جوابتداء بحث میں ذکر کیا گیا ”وفضلہم علی ترتیب الخلافة والمراد بالافضلیۃ اکثریۃ الثواب“ خلفاء راشدین کی افضلیت کی ترتیب وہی ہے جو ان کی خلافت کی ترتیب ہے۔ خلفاء راشدین کی خلافت خلافت خاصہ کہلاتی ہے بلکہ وہ خلافت نبوت ہے۔

زید یہ فرقہ کو شیخ کا الزامی جواب اور خلافت عامہ کا ذکر:

علمائے سنت را در ہر دو جا سخن است می گویند کہ واجب است کہ علیفہ افضل و اکمل از اہل زمان خود باشد بلکہ بودن او از قریش و عالم بحلال و حرام و مصالح و مہام دین اسلام و ورع و عدالت و شہامت و کفایت در اہلیت امامت و استحقاق خلافت کافی است۔

اہل سنت علماء کرام کو دونوں جگہ میں کلام ہے۔ کہ وہ جو کہتے ہیں کہ خلیفہ اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہونا چاہئے۔ یہ ضروری نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ وہ قریش سے ہو اور حلال و حرام اور مصالح (اچھے) اور دین اسلام کے اہم کاموں کا علم رکھتا ہو۔ نیک ہو عادل ہو ولیر و بہادر ہو امامت کی اہلیت خلافت کا مستحق ہونے کیلئے یہ چیزیں کافی ہیں۔

(یہ مطلقاً خلافت کی بات ہے۔ خلفاء راشدین کی خلافت میں شیخ نے اپنا عقیدہ بیان کر دیا۔ دونوں کو ایک بنا کر نتیجہ باطل نہ نکالا جائے)۔

### حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نص سے ثابت ہے یا اجماع سے؟

و وجود این صفات در ابو بکر بشہادت نقل آثار و سیروی مقطوع بہ است۔ بعض علماء الثباتِ خلافتِ ابی بکر بنص کنند و گویند کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تنصیب کرده است ہر خلافت وی و مختار نزد اہل تحقیق آن است کہ در بیہوجہ جانب یعنی در خلافت ابو بکر نہ در خلافت علی نص قطعی از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم واقع شدہ اگرچہ ہر یک از فریقین ادعای نص پر مذہب خود کردہ است

مذکورہ بالا تمام صفات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں یقینی طور پر پائی جاتی ہیں جس پر آثار منقول ہیں اور عنقریب ان کی روایت کا ذکر ہوگا۔ بعض علماء کرام نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت نص سے ثابت ہے۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خلافت پر نص فرمائی ہے۔ لیکن اہل تحقیق کا مختار یہی ہے کہ کسی جانب بھی نص نہیں نہ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اگرچہ دونوں فریقوں نے

و از نصوص خصم جواب دادہ زیرا کہ اگر نصی بر خلافت علی کرم اللہ وجہہ از اظہار آن نص را و عقد اجماع بر خلاف نص صورت نمی بست و سکوت وی کرم اللہ وجہہ از اظہار آن نص و سکوت از حق و ترک طلب خلافت امکان نمیداشت چنانچہ سابق تحریر یافت و اگر نصی بر خلافت ابو بکر وجود میداشت تقاضا و مهاجرین و انصار کہ "منا امیر و منکم امیر" درست نبود و بہ رد و بدل آن را احتیاج نمی شد چنانچہ در قضیہ نصب خلافت در کتب مذکور است۔

(تکمیل الایمان ص 142 تا 143)

سے تقریر کا واقعہ کتب میں مذکور ہے۔

تنبیہ:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی نص قطعی پائی گئی یا نہیں پائی گئی اس میں اختلاف تھا۔ صحیح یہ ہے کہ محققین نے بیان کیا ہے کہ آپ کی خلافت پر نص قطعی نہیں پائی گئی لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی خلافت کے ثبوت میں اجماع پایا گیا ہے اور اجماع خود دلیل قطعی ہے۔ لہذا یہ کہنا درست ہے کہ آپ کی خلافت کا ثبوت قطعی ہے۔

بعض حضرات نے اختلاف کی ایک اور وجہ بیان کی:

و اگر گویند تواند کہ این تقاضا و اگر بعض حضرات یہ بیان کریں کہ ہو سکتا ہے

تخالف از برای تحقیق حجت و تفتیش  
نص بود از جهت خفای آن و عدم  
علم بعض از اصحاب ہداں پس تنزل  
ابوبکر ازاں مقام و تخییر وی علی را  
وسایر اصحاب را در بیعت چہ معنی  
دارد چہ در امر واجب منصوص تخییر  
و تواضع گنجایش نقل کردہ اند کہ  
ابوبکر صدیق دست عمر بن الخطاب  
و ابو عبیدہ بن الجراح کہ پیغمبر خدا  
اورا امین امت خواندہ است بگرفت  
و بانصار گفت کہ امامت حق قریش  
است و از قریش کسے دو کس ہر کہ  
را خواہید اختیار کنید، اگر نصے  
دیں باب از پیغمبر صلی اللہ علیہ  
وسلم بودی اختیار عمر و ابو عبیدہ  
درست نبود پس حق آنست کہ  
نصب خلافت با اجتہاد صحابہ و اجماع  
ایشان بود و اجماع را سندی باید  
و نص غیر قطعی در سند است آن  
کافی است چنانچہ در علم اصول فقہ  
مقرر شدہ است۔ دلائل جانبین و  
نزاع و جدال و قیل و قال ایشان  
در کتب مبسوط مذکور است و چون

مہاجرین و انصار کا اختلاف حجت کی تحقیق  
اور نص کی تفتیش کیلئے ہو بوجہ اس نص کے مخفی  
ہونے کے اور بعض صحابہ کو اس کا علم نہ ہونے  
کی وجہ سے۔ (شیخ اس کا رد کرتے ہیں) کہ  
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے مقام (منبر)  
سے اترنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے  
ساتھیوں کی بیعت کا اختیار دینے کا کیا  
مطلب ہو سکتا ہے؟ اگر خلافت کا معاملہ نص  
سے و جوبی طور پر ثابت تھا تو کیا اس میں کسی  
کو اختیار دینا اور خود عاجزی کرنا (کہ میرے  
بغیر جسے چاہتے ہو امیر بنا لو سب سے پہلے  
میں اس کی بیعت کروں گا) اس کی گنجائش  
پائی جاسکتی تھی پھر یہ بھی منقول ہے کہ حضرت  
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب اور ابو  
عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے اپنی امت کا امین فرمایا۔ ان کے  
ہاتھوں کو پکڑ کر انصار کو فرمایا کہ امامت قریش  
کا حق ہے۔ اور قریش میں سے ان دو شخصوں  
میں سے جسے چاہتے ہو اختیار کر لو۔ اگر  
خلافت کے معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
کوئی نص ہوتی تو ابو عبیدہ اور عمر بن خطاب  
رضی اللہ عنہما کو اختیار کرنا درست نہ ہوتا۔ تو حق یہی  
ہے کہ خلیفہ مقرر کرنا صحابہ کرام کے اجتہاد اور

از خارج از وضع رسالہ بود ترک آن لازم وقت افتادہ موقوف برتالیف کتابی دیگر افتاد، واللہ الموفق۔

اجماع سے ہوا۔ اور اجماع کیلئے کوئی سند چاہئے۔ لیکن اجماع کی سند کیلئے نص غیر قطعی کافی ہے۔ جیسا کہ علم اصول فقہ میں ثابت ہے۔ دونوں جانبوں کے دلائل نزاع اور قیل وقال بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔ میرے اس رسالہ سے جب یہ موضوع خارج ہے تو اس کو چھوڑ دینا اس وقت تک ضروری ہے جب تک کسی اور کتاب کی تالیف نہیں ہوتی۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے صحیح ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا

صحیح ہونا موقوف ہے:

چوں خلافت ابو بکر بہ اجماع ثابت شد و امتثال امر او بر کافہ مسلمانان لازم گشت و وی در وقت رحلت خود تفویض امر بعمر فاروق کرد اورا خلیفہ نمود عہدنامہ بنام او بنوشت و مردم را بمتابعت ہر کہ دراں نامہ است امر کرد و تمامہ صحابہ باوی بیعت کردند و علی مرتضیٰ نیز بیعت نمود و فرمود "بایعنا لمن فیہ وان کان عمر" خلافت عمر نیز باجماع ثبوت یافت

(تکمیل الایمان ص 143 تا 144)

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع سے ثابت ہوگئی تو تمام مسلمانوں پر لازم ہو گیا آپ کے حکم کو تسلیم کرنا اور آپ نے اپنے وصال کے قریب خلافت کا معاملہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ آپ کو خلیفہ بنا دیا، اس کا طریقہ یہ رکھا کہ ایک خط لکھا جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ جس شخص کا نام اس خط میں ہے اس کی تابعداری کرنا، تمام صحابہ نے آپ کے ساتھی بیعت کر لی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی اور فرمایا ہم اس سے بیعت کرتے ہیں جس کا نام اس میں مذکور ہے اگرچہ وہ عمر ہی ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہوگئی۔



واضح ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح اور حق تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے حکم کو صحابہ کرام نے دل و جان سے تسلیم کر لیا۔ خط بند تھا صرف یہ دیکھ کر کہ اس میں جس کا نام ہے اس کی تابعداری کرنا، پہلے سب نے زبانی اس طرح بیعت کر لی کہ جس کا ذکر اس میں ہے ہم اسے ہی خلیفہ مانتے ہیں۔

کاش!! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کرامت مانی جاتی کہ آپ نے بند خط کو دیکھتے ہی فرما دیا: جس کا نام اس میں ہے، ہم نے اس کی بیعت کر لی، اگرچہ وہ عمر ہی ہوں۔ آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آخری حکم مان کر ثابت کر دیا کہ ہمارے درمیان اختلاف ثابت کرنے والے احمق ہوں گے۔ میری محبت کے دعویدار وہی عقلمند ہوں گے جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کو حق مانیں گے کیوں کہ میں نے ان کی خلافت کو حق تسلیم کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہے:

و عمر در وقت شہادت خود امر خلافت را میان شش کس عثمان و علی مرتضی و عبد الرحمن بن عوف و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص مشعرک گذشت و ایشان تفویض برای عبد الرحمن بن عوف کردند و وی عثمان را اختیار کرد پس علی مرتضی و تمامہ صحابہ با عثمان بیعت کردند و منقاد امر وی شدند در احکام دین و دنیا اورا امیر و حاکم دانستند خلافت عثمان نیز بہ اجماع ثبوت یافت۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت (زخمی ہو جانے کی حالت) کے وقت خلافت کا معاملہ چھ حضرات کے درمیان مشترک کر دیا کہ ان میں سے جسے چاہو تم منتخب کر لو، یعنی یہ معاملہ چھ شخصوں کی مشاورتی کمیٹی کے سپرد کر دیا کہ تم خود ہی ان چھ میں سے ایک کو منتخب کر لو وہ چھ حضرات یہ تھے: حضرت عثمان، حضرت علی مرتضی، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ ان سب حضرات نے معاملہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور دین و دنیا کے احکام میں ان کے حکم کی تابعداری کی۔ ان کو اپنا امیر و حاکم تسلیم کر لیا۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع سے ثابت ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اہل حل و عقد (مجتہدین) کے اجماع سے

ثابت ہے:

بعد از وی علی مرتضیٰ خود متعین بود و اکمل و افضل الزمان خود بود پس وی کرم اللہ وجہہ باجماع اہل حل و عقد خلیفہ برحق و امام مطلق شد و نزاعی و خلافتی کہ از مخالفان در زمان خلافت وی ہو جود آمد نہ در استحقاق خلافت و حق امامت بود بلکہ منشاء آن بغی و خروج و خطا در اجتہاد کہ تعجیل عقوبت قاتلان عثمان باشد بود۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آپ کو متعین کر لیا۔ اس لئے کہ اس وقت میں سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ فضیلت والے آپ ہی تھے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اہل حل و عقد (مجتہدین) کے اجماع سے خلیفہ برحق اور امام مطلق بن گئے۔ آپ کے زمانہ میں جو نزاع و اختلاف ہوا وہ آپ کی خلافت کے قائم ہونے کے بعد ہوا۔ اس اختلاف کا تعلق استحقاق خلافت اور حق

(تکمیل الایمان ص 144 تا 145) امامت سے نہ بنا بلکہ اس مخالفت اور آپ

کے مقابل فوجوں کا لکنا اجتہادی خطا کی وجہ سے تھا کہ وہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو جلدی سزا دینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

کاش کہ لوگوں کو بغی و خروج کا معنی سمجھ آتا تو گمراہ نہ ہوتے:

یہاں بغی کا معنی ہی اجتہادی خطا ہے اور خروج کا معنی مد مقابل لکنا۔ اگر کوئی صحابہ کرام کو عام مشہور معنی کے لحاظ پر باغی یا خارجی کہے گا تو وہ یقیناً ضال و مضل

ہوگا۔ زیادہ وضاحت راقم کی ”نجوم التحقیق“ میں دیکھئے۔

قرآن پاک اور احادیث میں جو الفاظ ظاہری معنی میں نہیں رکھے جاسکتے ان کی تاویل اور مطالب بیان کرنا ضروری ہوگا ورنہ ”یخادعون اللہ وهو خادعہم“ کو دیکھ کر رب تعالیٰ کو دھوکا باز ماننا پڑے گا۔ ”نسوا اللہ ففسیہم“ کو دیکھ کر کوئی یہ کہہ دے رب تعالیٰ کو تو کوئی بات یاد ہی نہیں رہتی وہ تو بھول جاتا ہے۔ ”ووجدک ضالاً فہدی“ کو دیکھ کر کوئی یہ کہہ دے کہ نبی کریم ﷺ ہی پہلے بھٹکے ہوئے تھے، گمراہ تھے (معاذ اللہ) پھر رب تعالیٰ نے ان کو ہدایت دی۔ سمجھ نہیں آ رہا اہل علم کیوں بھٹکے جا رہے ہیں ”الامان والحفیظ“

بحث کے شروع میں بتایا تھا یہاں دو مقام ہیں: ایک مقام خلافت ابھی تک بیان ہوا۔ اب دوسرا مقام افضلیت یہاں سے بیان کیا جا رہا ہے۔  
شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ افضلیت کے متعلق اپنا عقیدہ بیان کرتے

ہیں:

مقام ثانی آنکہ افضلیت خلفای اربعہ بہ ترتیب خلافت است یعنی افضل اصحاب ابو بکر است ثم عمر ثم عثمان ثم علی مراد از افضلیت اکثریت ثواب است عند اللہ تعالیٰ۔  
 دوسرا مقام یہ ہے کہ چار خلفاء یعنی چار یاروں کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کی مطابق ہی ہے یعنی سب صحابہ سے افضل حضرت ابو بکر ہیں، پھر حضرت عمر، پھر حضرت عثمان، پھر حضرت علی (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ افضلیت سے مراد اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب حاصل ہونا ہے۔

کچھ زیادہ وضاحت اور قیل و قال کا بیان:

و تحریرش چنانکہ بعض علماء کردہ بیان اس کا یہ ہے جو بعض علماء کرام نے

اند آں است کہ قول ما فلاں فاضل تر است از غیر خود زہرادت و در رجحان آں فلاں را طلبند نسبت باں غیر۔

وضاحت کی کہ جب ہم کہیں کہ فلاں زیادہ فضیلت رکھنے والا ہے دوسرے سے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بنسبت زیادہ مرتبہ رکھنے والا۔ اسے اس دوسرے سے فوقیت حاصل ہے۔

رجحان یعنی فوقیت کی دو قسمیں ہیں، کلی اور جزئی:

و این رجحان تواند کہ بجمیع وجوہ در جمیع صفات باشد یعنی در ہر صفتی کہ تصور کنند و موازنہ نمایند آں فلاں راجع آید و کامل بود یا در مجموع صفات و فضائل من حیث المجموع و این آں جمع شود کہ در مفضول صفتی از صفات کمال باشد کہ در فاضل نبود و توان آں رجحان از وجہی خاص و صفتی مخصوص بود۔

یہ رجحان یعنی فوقیت و افضلیت ہو سکتا ہے کہ افضل کو جمیع وجوہ سے تمام صفات میں حاصل ہو۔ یعنی ہر صفت جو تصور میں آسکے اور اس کا دوسرے سے مقابلہ کیا جائے تو وہ فلاں یعنی افضل راجح اور کامل ہو۔ (یہ افضلیت کلیہ باعتبار ہر فرد فضیلت کے ہے) یا مراد یہ ہو کہ افضل میں تمام صفات و فضائل من حیث المجموع مراد ہیں۔ یہ من حیث المجموع صفات افضلیت تو اس افضل میں ہی پائی جائیں گی لیکن اس قسم میں بعض اوقات

مفضول میں تو صفت کمال پائی جائے گی اور وہ فاضل میں نہیں ہوگی (مفضول میں کسی صفت کا پایا جانا اور فاضل میں نہ پایا جانا افضلیت جزئیہ کہلائے گا) اور ہو سکتا ہے کہ اس رجحان یعنی فوقیت و افضلیت سے مراد خاص وجہ اور صفت مخصوص ہو۔

اختلاف علماء کا افضلیت وجہ خاص اور صفت خاص میں ہے:

و محل خلاف درین مسئلہ رجحان باین وجہ خاص است یعنی کثرت ثواب عند اللہ نہ بوجوہ دیگر مثل اور اس مسئلہ افضلیت میں محل اختلاف یہی وجہ خاص ہے یعنی کثرت ثواب اللہ کے ہاں۔ اور دوسری وجوہ یعنی علم کی زیادتی اور

زیادت علم و شرف نسب و قوت ملکاتِ نفسانیہ مثل شجاعت و شہامت و امثال آن از انچه عقلاً آنرا در عرف فضیلت خواہند و مخصوص جوہر نفس و لازم وی بود و این منافات ندارد بہ رجحان آن غیر در احاد فضائل دیگر یا در مجمع فضائل من حیث المجموع و اسباب کثرت ثواب مآثر و فضائل بود کہ منافع و نتائج آن بدین اسلام راجع و متعدی گردد مثل سبقتِ ایمان و نصرتِ دین و تقویتِ اسلام و امدادِ مسلمان و کثرتِ خیرات و صلوات مہرات و ہدایتِ ناس و امثال آن می گویند کہ این صفات در ذات ابو بکر بیشتر است چہ از آنکہ ایمان آورد کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دہد کہ از وی دعوتِ اسلام و نصرتِ دین بود و عثمان و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و عثمان بن مظعون کہ اکابر صحابہ و رؤسای مہاجرین اند ہر دست وی ایمان آوردند و دائم در دفع

شرف و نسب اور ملکاتِ نفسانیہ کی قوت جیسے شجاعت، دلیری اس قسم کی صفات میں کوئی اختلاف نہیں۔ اگرچہ عقلاً عرف میں اس (صفتِ عامہ) کو بھی فضیلت ہی کہتے ہیں کیونکہ یہ جوہرِ انسانیہ کے ساتھ خاص اور لازم ہیں اور اس میں کوئی منافات نہیں۔ ہاں! البتہ غیروں پر افضلیت مجموع من حیث المجموع فضائل کی وجہ سے ہے۔ اس کے اسباب کثرتِ ثواب و فضائل ہے کہ منافع اور نتائج اس کے اسلام میں راجح اور متعدی (دوسروں تک پہنچنے والے) ہیں۔ ایمان میں سبقت، اسلام کی تقویت، مسلمانوں کی امداد، کثیر صدقات و خیرات اور لوگوں کی ہدایت اس کی مثل صفات کے بارے میں یہی بیان کیا گیا ہے کہ یہ صفات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں سب سے زیادہ پائی گئیں۔ جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے [اور آپ نے ایمان اس وقت لایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام دی پھر آپ کی] (توسین کے درمیان عبارت طہامت میں صحیح موجود نہ ہونے کی وجہ سے اندازہ سے شامل کی گئی) دعوتِ اسلام اور نصرت دین جاری رہیں، یہاں تک کہ حضرت عثمان

منازعت کفار و اعلای اعلام دین بود اور طلحہ اور زبیر اور سعد بن ابی وقاص اور عثمان  
چہ در حالت حیات آنحضرت صلی بن مطعون رضی اللہ عنہم جو اکابر صحابہ اور مہاجرین  
اللہ علیہ وسلم وچہ بعد از ممات وی کے رئیس تھے آپ کے ہاتھ پر ہی ایمان  
صلی اللہ علیہ وسلم۔ لائے اور ہمیشہ آپ کفار کے تنازع کا دفاع  
کرتے رہے اور دین کی سر بلندی کا کام آپ نے جاری رکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر حیات  
میں اور آپ کے وصال کے بعد بھی۔

مکہ شریف میں آپ نے اپنے زور سے (اپنے گھر) مسجد تعمیر کر کے تبلیغ دین کو  
جاری فرمایا:

و در صحیح بخاری آورده است کہ وہ در مبادی ایام بعثت کہ در اظہار  
شعار دین و شرائع کسی را مجال نہ  
بود مسجدی بزور خود بنا کردہ بود و  
در انجا نماز می گذارد و قرآن می  
خواند و نساء و اطفال و جوان قریش  
گرد می آمدند و قرآن می شنیدند  
بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
جب شروع میں اعلان نبوت فرمایا اس وقت  
کسی کو دین و شریعت کے شعائر کو ظاہر کرنے  
کی طاقت نہ تھی لیکن اس وقت حضرت ابو بکر  
رضی اللہ عنہ نے اپنے زور سے مسجد تعمیر کی۔ جس  
میں آپ نماز ادا کرتے اور قرآن پاک  
پڑھتے تو قریش کی عورتیں، بچے اور جوان  
آتے اور قرآن سنتے تھے۔

چوں تحریر مطلب کردہ ، شروع تقریر آن کنیم و ہرچہ از

اقوال در انجا آمدہ است نقل می نمائیم

جب اصل مطلب (یعنی حقیقی عقیدہ) ہم نے بیان کر دیا تو اب علماء کے اقوال نقل کرتے  
ہیں: (یہ عنوان شیخ کا اپنا ہے)

بدانکہ جمہور اہل سنت و جماعت جمہور اہل سنت کا ہی عقیدہ ہے جو ہم نے  
بیان کر دیا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور کچھ  
ہیں اند کہ مذکور شد و مروی از

امام مالک و غیر وی توقف آنست میان عثمان و علی از مالک پرسیدند کہ افضل امت بعد پیغمبر کیست گفت ابوبکر ثم عمر گفتند علی و عثمان را چہ گوئی گفتہ مقتدا بیان دین از انہا کہ ما دریافتہ ایم بیچہ یکی را نیافتہ ایم کہ تفضیل یکی بر دیگر می کرد ازین دو۔

حضرات نے توقف کیا ہے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں امام مالک سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں سے سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ابوبکر پھر عمر، پھر آپ سے پوچھا گیا حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: دین کے زاہنما حضرات کو

اسی پر پایا ہے کہ وہ کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (راقم نے ”نجوم التحقیق“ میں یہ واضح کیا ہے کہ امام مالک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی رجوع کر لیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر۔ حضرت ابوبکر کی افضلیت پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر آپ نے بغیر کسی توقف کے فیصلہ فرمایا۔

امام الحرمین نے بھی ان دو میں ہی توقف کیا:

ومذہب امام الحرمین نیز توقف امام الحرمین کا مذہب بھی ان دونوں (حضرت علی و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما) کی است میان این دو۔ افضلیت میں توقف کا تھا۔

اہل کوفہ اور ابن ابی خزیمہ نے حضرت علی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہما پر فضیلت

دی:

ومنقول از ابوبکر بن خزیمہ تفضیل علی مرتضیٰ است بر عثمان ودر جواہر الاصول می گوید کہ منقول از اہل کوفہ تقدیم علی است بر عثمان

”ابوبکر بن خزیمہ سے منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان سے افضل ہیں اور جواہر الاصول میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل کوفہ سے منقول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

یعنی افضل ہیں حضرت عثمان سے اور یہی ابن خزیمہ کا مختار ہے اور مقدمہ شیخ ابو عمرو بن صلاح میں بھی یہی مذکور ہے اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ حضرت علی مقدم ہیں حضرت عثمان پر اور سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔

ومختار ابن خزیمہ نیز ہمیں است و در مقدمہ شیخ ابو عمرو بن الصلاح نیز مذکور است کہ در مذہب اہل کوفہ تقدیم علی است بر عثمان و سفیان ثوری نیز ہمیں قائل است

امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام محی الدین نووی شرح مسلم میں بیان فرماتے ہیں کہ بعض اہل سنت و جماعت اہل کوفہ سے حضرت علی کی حضرت عثمان پر تقدیم (افضلیت) کی طرف گئے ہیں لیکن صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ حضرت عثمان مقدم (افضل) ہیں حضرت علی پر۔ اور بھی امام نووی اصول حدیث میں بیان فرماتے ہیں سب صحابہ سے افضل مطلقاً حضرت ابو بکر ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر اس پر اہلسنت کا اجماع ہے اور خطابی جو علمائے اہل سنت سے ہیں وہ اہل کوفہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مقدم (افضل) ہیں۔ ابو بکر بن خزیمہ بھی اسی طرف گئے۔

وامام محی الدین نووی در شرح صحیح مسلم می گوید کہ بعض اہلسنت و جماعت از اہل کوفہ بتقدیم علی بر عثمان رفتہ اند و قول صحیح و مشہور تقدیم عثمان است بر علی و ہم امام نووی در اصول حدیث می گوید کہ افضل اصحاب علی الاطلاق ابو بکر است بعد از ان عمر بہ اجماع اہل سنت و خطابی کہ از علماء اہل سنت است از اہل کوفہ تقدیم علی بر عثمان نقل کردہ و ابو بکر بن خزیمہ نیز بر آن رفتہ است

امام قسطلانی فرماتے ہیں: ابو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے رجوع کر لیا تھا:

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ صحیح بخاری کی شرح میں

و قسطلانی در شرح صحیح بخاری می



گوید کہ بعضیے از سلف بتقدیم علی بر عثمان رفتہ اند و سفیان ثوری از ایشان است و بعضیے گفته اند کہ وی در آخر ازاں رجوع کردہ است واللہ اعلم۔

فرماتے ہیں کہ بعض سلف حضرت علی کی حضرت عثمان پر تقدیم (افضلیت) کی طرف گئے ہیں اور سفیان ثوری بھی ان میں سے ہیں۔ اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے (حضرت سفیان ثوری نے) آخر میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر کی افضلیت میں کسی صحابی اور تابعی نے اختلاف

نہیں کیا: (ہاں! پتہ چلا اختلاف کرنے والے بعد کی پیداوار ہیں)

و بیہقی در کتاب الاعتقاد میگوید کہ ابو ثور از شافعی روایت میکند کہ بیہ یکی از صحابہ و تابعین در تفضیل ابو بکر و عمر و تقدیم ایشان اختلافی نکرده و اختلافی اگر ہست در علی و عثمان است و بالجملہ و قرار داد مشایخ اہل سنت ہراں است کہ در تقدیم ابو بکر و عمر بر سائر صحابہ و رعایت ترتیب میان ایشان اختلافی نیست و لیکن بعض از فقہای محدثین در شرح قصیدہ امالیہ نقل کردہ کہ افضلیت خلفائی اربعہ مخصوص است ہما عداہ اولاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں بیان فرماتے ہیں کہ ابو ثور شافعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی ایک بھی صحابی اور تابعین میں سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی افضلیت اور ان کے مقدم ہونے میں اختلاف کرنے والا نہیں تھا، اگر اختلاف ہوا تو وہ حضرت علی اور حضرت عثمان کی افضلیت میں ہوا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ سے مقدم (افضل) حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ہیں ان کی ترتیب میں کوئی اختلاف نہیں (یعنی پہلے حضرت ابو بکر کی افضلیت پھر حضرت عمر کی) لیکن بعض فقہاء محدثین نے قصیدہ امالیہ کی شرح میں بیان کیا ہے کہ خلفاء اربعہ

(چار پیاروں) کی افضلیت مخصوص ہے ما سوائے اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ (اولاد کو کس طرح

کی افضلیت حاصل ہے وہ بھی شیخ کی زبان سے ہی ان شاء اللہ عنقریب سنو گے

چار سو سال کے بعد غلام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واہن عبد البر کہ از مشاہیر علمای حدیث است در استیعاب ذکر میکند کہ سلف اختلاف کرده اند در تفضیل ابوبکر و علی میگویند کہ مروی از سلمان و ابو ذر و مقداد و خباب و جابر و ابو سعید خدری و زید ابن ارقم آن است کہ علی مرتضیٰ اول کسی است کہ اسلام آوردہ ولیکن از جہت خوف ابوطالب کتمان نمودہ و گفتہ است کہ این جماعت از صحابہ علی را تفضیل دہند بر ہر کہ غیر اوست این کلام ابن عبد البر است

ابن عبدالبر رحمہ اللہ جو مشہور علمائے حدیث سے ہیں استیعاب میں ذکر کرتے ہیں کہ سلف کا اختلاف تھا اس میں کہ کیا حضرت ابوبکر افضل تھے یا حضرت علی۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ مروی ہے سلمان ابو ذر مقداد خباب جابر ابو سعید خدری اور زید بن ارقم سے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے پہلے اسلام قبول کیا لیکن ابوطالب کے ڈر کی وجہ سے ایمان کو چھپائے رکھا۔ اس جماعت نے بیان کیا کہ تمام صحابہ میں سے حضرت علی افضل ہیں۔ یہ کلام ابن عبدالبر کا ہے۔

ابن عبدالبر کی روایت پر سہارا لگایا تھا، ہائے افسوس!! شیخ اسے بھی گراتے نظر آتے ہیں:

لیکن میگویند کہ این مقالہ از ابن عبد البر مقبول و معتبر نیست زیرا کہ روایت شاذہ کہ مخالف قول جمہور افتد معتبر نباشد و جمہور ائمہ درین اجماع نقل میکنند، بر تقدیر و تسلیم این روایت وی از ان جماعت صحابہ

لیکن اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عبدالبر کا مقبول و معتبر نہیں، کیونکہ شاذ روایت جمہور کے قول کے مخالف آئے تو وہ معتبر نہیں ہوتی جمہور ائمہ دین نے اجماع دین کیا ہے۔ اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ کی اس مذکورہ جماعت

کہ تفضیل علی مرتضیٰ نقل کردہ و امثال آن روایات چنانچہ خطابی از بعض مشائخ حدیث نقل میکند کہ می گفتند ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر۔

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا ہے یا اس طرح کی اور روایات کو تسلیم کیا جائے جیسے خطابی کا قول جو انہوں نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے۔ ”ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر“ ابو بکر بہتر ہیں علی سے اور علی افضل ہیں ابو بکر سے۔

(یہ سب قابل تاویل ہیں۔ آئیے! ان کی تاویلات و توجیہات شیخ کی زبانی ہی سنئے)

حضرت علی کی افضلیت کا مطلب امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ بیان فرماتے:  
یعنی زبان شیخ سے زبان سبکی رحمہ اللہ سنئے:

امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ جو عظیم علمائے از اعظم علمای شافعیہ در طبقات کبریٰ از بعضی متأخرین نقل کرده است کہ ایشان تفضیل محتسین میکنند از جهت ثبوت بیضۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ جو عظیم علمائے شافعیہ سے ہیں طبقات کبریٰ میں بیان کرتے ہیں کہ بعض متأخرین سے یہ منقول ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کو اس نسبت سے افضل قرار دیتے ہیں کہ ان کے زوجیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کا ٹکڑا یعنی آپ کی بیٹیاں آئیں۔

حضرت فاطمہ الزہراء اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم کی افضلیت کی وجہ:

شیخ جلال الدین سیوطی در کتاب خصائص از امام علیہ السلام عراقي نقل کرده است کہ فاطمہ و ہرادی ابراہیم باتفاق افضل اند از خلفای اربعہ و از امام مالک آورده اند کہ

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب خصائص میں امام علیہ السلام عراقي سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ الزہراء اور آپ کے بھائی حضرت ابراہیم خلفاء اربعہ (چار پیاروں سے) افضل ہیں۔ اس میں

گفت " ما فضل علی بضعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم " فرمودہ من ہیچہ یکی را بر آنکہ جگر پارہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم است تفضیل ندہم

اتفاق ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا (ترجمہ) کہ کسی کو نبی کریم ﷺ کی اولاد پر فضیلت نہیں دی گئی۔ اسلئے میں کسی کو نبی کریم ﷺ کے جسم کے ٹکڑوں (آپ کی اولاد) پر فضیلت نہیں

(تکمیل الایمان ص ۱۴۵ تا ۱۴۹)

یہاں تک عبارات کو نقل کر کے لوگوں کو گمراہ نہ کریں آگے شیخ کی بحث کو بھی

دیکھئے!!

یہ انصاف سے دور ہے کہ "یا ایہا الذین آمنوا لا تقربوا الصلوۃ" ذکر کرتے رہیں "وانتم سکارای" کو چھوڑ دیں۔ اور "لا الہ" کی رٹ لگاتے رہیں "الا اللہ" سے منہ پھیر لیں اور "عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا" بیان کرتے رہیں اور "الا من ارتضی من رسول" نہ پڑھیں۔ اسی انداز بیان سے سوائے بھٹکنے اور بھٹکانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

آئیے! مذکورہ بالا روایات کی وضاحت شیخ کی زبانی سنئے!!

ابن تفضیل بنسبت دیگران است ہايشان میگویند این ہمہ روایات ضرر بمقصود ندارد و منافی مدعائے ما نیست مدعائے ما این جا چنانچہ تحریر کردہ آمد اثبات فضیلت بوجہ خاص است و آن بمفضولیت بوجہی دیگر منافات ندارد و این فضائل کہ ذکر کردہ شدہ راجع بکثرت ثواب و

یہ فضیلت جو اولاد یا بیٹیوں کی وجہ سے دامادوں کو دوسرے تمام لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ تمام روایات سے مقصود کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتیں اور نہ ہی ہمارے مدعا کے منافی ہیں۔ ہمارا مدعا وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجہ خاص سے افضلیت (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

ہی حاصل ہے۔ افضل میں کسی اور وجہ سے مفضولیت منافی نہیں۔ وہ فضائل جن کا (شیخین میں) ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے مراد کثرتِ ثواب اور اہل اسلام کو نفع حاصل نہیں بلکہ ان کو شرافت نسبی اور جوہر ذات کی وجہ سے تکریم حاصل ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی اولاد جو آپ کے اجزاء (یعنی آپ کے جسم کا ٹکڑا) ہیں ان کو ایک خاص شرافت اور شان حاصل ہے وہ شیخین کو حاصل نہیں۔ اس میں کسی شخص کو بھی توقف کی کوئی طاقت نہیں اور نہ ہی کوئی انکار

نفع اہل اسلام نیست بلکہ بمزید شرفا نسب و کرامت جوہر ذات است چہ شک نیست کہ در اولاد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ اجزای او اند شرفی و شانی ہست کہ در ذات شیخین نیست ہیچکس رادر آنجا مجال توقف و انکار نخواہد بود و باوجود آن ثواب شیخین اکثر و نفع ایشان در اسلام و اہل آن اعظم و اوفر است

(حکیم الامت ص ۱۳۹)

شرافت نسبی حاصل ہے لیکن کثرتِ ثواب شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو ہی حاصل ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو ان دونوں سے بہت زیادہ نفع حاصل ہوا۔

ہاں! ہاں! اسی کو افضلیت کہیہ کہا جاتا ہے جو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو یکے بعد دیگرے حاصل ہے اور وہ افضلیت جو نبی کریم ﷺ کی اولاد یا ان کی وجہ سے دامادوں کو حاصل ہے اس کا نام افضلیت جزئیہ ہے۔

شیخ کی عبارت اور دیگر صدیوں پہلے متاخرین علماء کی عبارات دلالت کر رہی ہیں یہ صرف علماء ہند یعنی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ اور ان کے تبعین کی ایجاد نہیں۔ کاش کہ علماء کرام انصاف کی بات کریں۔ بے انصافی کیلئے جہلاء کافی ہیں۔

علامہ خطابی کی روایت پر سردھننے کے بجائے شیخ سے اس کا مطلب پوچھئے:  
شیخ بیان کرتے ہیں:

بآنکہ از قول خطابی کہ از بعض مشائخ خود نقل کرده است نیک، درتوان یافت کہ چہ مقصود دارد و خیریت چیست و افضلیت کدام بہست گفتہ است کہ "ابوبکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر" اگر مراد خیریت ابوبکر از وجہی است و افضلیت علی از وجہی دیگر پس این سخنی است بیرون از دائرہ خلاف و خارج از محل نزاع و اگر مراد از خیریت کثرت ثواب است و امثال آن پس منافات بمقصود ندارد و اگر غرض دیگر و مرادی دیگر دارد بیان کند تا معلوم شود کہ حقیقت حال چیست "واللہ اعلم۔"

(تکمیل الایمان ص ۱۵۰)  
جائے تاکہ معلوم ہو کہ حقیقت حال کیا ہے؟  
قانون صحابہ تمام ثقہ ہیں۔ باقی کسی اور کی روایت اس کے نام کے بغیر قبول نہیں ہوگی کیونکہ راوی کے ثقہ ہونے کا علم ضروری ہے۔ تفصیلیوں کے مذہب کا دارومدار ہی اس پر ہے کہ بعض صوفیاء نے یہ کہا ہے اور بعض مشائخ نے یہ کہا ہے۔  
سبحان اللہ! کیسے دلائل ہیں؟ چن چن کر مرجوح روایات کو جمع کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی لٹی کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ ضعیف اور باطل دلائل سے ثابت ہونے والے دعویٰ سے ثابت کیا ہوتا ہے؟ اس نے تو دھڑام سے گرتا ہی ہے۔

ترتیب افضلیت قطعی ہے اور ترتیب خلافت میں اختلاف ہے، قطعی ہے یا ظنی:

اکنوں سخن دران مانند کہ مسئلہ ترتیب افضلیت یقینی است کہ برهان قاطع ہر ان گذشتہ چنانچہ ترتیب خلافت یا ظنی است کہ دلیل آن امارت و قرائن است کہ رجحان و اولویت رساند بعض برانند کہ قطعی است و مختار نزد اکثر محققین آن است کہ ظنی است۔

ابھی تک بات اس میں باقی تھی کہ مسئلہ ترتیب افضلیت یقینی ہے کہ اس پر دلائل یقینی ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ ترتیب خلافت یا ظنی ہے کہ اس پر امارت (حاکمیت) اور قرائن دلیل ہیں جو رائج ہونے اور اولیٰ ہونے تک پہنچاتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس پر ہیں کہ قطعی ہے اور مختار اکثر کے نزدیک وہ ہے کہ ظنی ہے۔ (یعنی ترتیب خلافت ظنی ہے۔ ترتیب افضلیت کے ظنی ہونے کی بات ہی نہیں)۔

امام الحرمین نے بھی مطلقاً خلافت کی بات کی:

مسئلہ وہی ہے جو محققین نے بیان کیا ہے کہ فضلیت پہلے اور خلافت بعد میں ترتیب فضلیت کے مطابق رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو توفیق دی کہ انہوں نے اسی طرح انتخاب بھی کر دیا۔ اس لئے خلفاء راشدین کی خلافت کی ترتیب وہی ہے جو ان کی فضلیت ہے۔ ہاں! البتہ مطلقاً خلافت کیلئے خلیفہ سب سے افضل ہونا ضروری نہیں۔

امام الحرمین در ارشاد بعد از اثبات خلافت علی المرتبہ بطریق سوال میگویند اکنوں چه میگویند بعضی از صحابہ را تفضیل می دهند بر بعضی دیگر یا از مسئلہ تفضیل و تفضیل آن سکوت و اعراض میکنند

امام الحرمین ارشاد (ان کی تصنیف) میں خلافت علی المرتبہ ثابت کرنے کے بعد سوال کے طریقہ پر فرماتے ہیں: وہ بعض حضرات کیا کہتے ہیں جو بعض صحابہ کو بعض فضلیت دیتے یعنی فضلیت خلافت سے ثابت کرتے ہیں وہ اس کے بیان سے

جوابش میگویند کہ بناء مسئلہ تفضیل بران است کہ امامت مفضول باوجود فاضل جائز نباشد و معظم اہل سنت و جماعت برانند کہ امام افضل باید ولیکن اگر نصب وی موجب سوران ہرج و مرج و ہیجان فتنہ و فساد گردد نصب مفضول بر تقدیر اہلیت و استحقاق او مر امامت را باستجماع صفات و شرائط آن از قریشیت و علم بہ حلال و حرام و مصالح و مہام دین و اسلام و وعدہ و عدالت و شہامت و کفایت جائز باشد و میگویند کہ نزد من این مسئلہ یعنی اولویت نصب افضل قطعی و جز اخبار احاد کہ در غیر این امامت کبری کہ سخن ما در آن است یعنی امامت نماز کہ امامت صفری اش گویند وارد شدہ است این است مثل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "یومکم اقر اکم" یعنی باید کہ امام در نماز کسی شود قرآن خوانندہ تر و بعلم فقہ دانندہ تر باشد و این خود بقطع نمی رساند پس صحیح آن

خاموشی اختیار کرتے ہیں پھر وہ خود ہی اس کا جواب ذکر کرتے ہیں کہ انضیلت کی بناء اس پر ہے کہ فاضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت (خلافت) جائز ہی نہیں۔ اہل سنت کے بڑے بڑے علماء اس پر ہیں کہ امام افضل چاہیے لیکن اگر اس کے مقرر کرنے میں قتال کے بھڑکنے، فتنہ و فساد برپا ہونے کا خطرہ ہو تو مفضول کو اہلیت کی بناء پر اور استحقاق امامت کی بناء پر مقرر کر دیا جائے یعنی امامت و خلافت کی شرائط و صفات اس میں مجتمع ہوں۔ وہ شرائط و صفات یہ ہیں قریشی ہو، حلال و حرام اور مصالح اور دین کے اہم کاموں کا علم رکھتا ہو، مسلمان ہو، نیک ہو، عادل ہو، دلیر ہو اور خلافت کی کفایت رکھتا ہو تو جائز ہے کہ اس کو خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ میرے نزدیک افضل کو خلیفہ مقرر کرنے کی اولویت (بہتری) قطعی نہیں، کیونکہ اس میں سوائے اخبار احاد کے نہیں پائی گئیں۔ اس کے بغیر امامت کبری کے بغیر جس میں ہماری بات ہے وہ نماز کی امامت ہے جسے امامت صفری کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد یہ ہے "یومکم اقر اکم" تمہاری امامت وہ کرائے جو تم سے زیادہ



است کہ در امامت و خلافت افضلیت شرط نیست بس امامت دلیل افضلیت نتواند بود و نزد ما دلیلی دیگر نیست کہ قاطع بود و دلالت کند بر تفضیل بعض ائمہ بر بعض چہ عقل را بدرک حقیقت آن راہ نیست۔

قرآن پڑھا ہوا اور فقہ کا علم زیادہ رکھتا ہو، یہ دلیل قطعی نہیں۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ امامت و خلافت میں افضلیت شرط نہیں پس امامت دلیل افضلیت نہیں ہو سکتی۔ اور ہمارے نزدیک کوئی دوسری دلیل قطعی نہیں کہ وہ دلالت کرے بعض خلفاء کی بعض پر افضلیت پر اور عقل کو اس کی حقیقت کے پانے کی راہ نہیں۔

(تکمیل الایمان ص 150-151)

اگر امام الحرمین کی مراد یہ ہے کہ مطلقاً خلافت و امامت کیلئے ضروری نہیں کہ خلیفہ و امام سب سے افضل ہو تو یہ بات قابل تسلیم ہے۔ لیکن بظاہر یہ سمجھ آ رہا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھ کر اپنی زندگی کے آخر ایام میں امام نہیں بنایا تھا بلکہ سب سے زیادہ قاری قرآن سمجھ کر امام بنایا تھا تو یہ بات غلط ہے کیونکہ سب سے زیادہ قاری قرآن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔

اگر امام الحرمین کی مراد یہ ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اس لئے بنایا تھا کہ ان میں خلیفہ کی شرائط موجود تھیں لیکن وہ افضل نہیں تھے تو یہ قول ان کا مردود ہے۔

کیا امام الحرمین امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام بیہقی، امام رازی، طبرانی وغیرہ جلیل القدر صحابہ علم سے زیادہ عالم تھے؟ کیا تمام صحابہ کرام اور تابعین سے زیادہ ان کا قول صحیح ہے؟ جبکہ تمام صحابہ اور تابعین کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہے تو امام الحرمین کا قول کونسا صحیفہ آسمانی ہے؟

تمام منقولہ عبارات سے کچھ یہی سمجھ آ رہا ہے کہ اصل ناقل کی نتیجہ خیز عبارت کو نقل ناقلین چھوڑ جاتے ہیں کیونکہ امام الحرمین خود کہہ رہے ہیں یہ میری ذہنی اختراع

ہے تاکہ مجھے کوئی سلف کا مقلد نہ کہے۔ آئیے! آخر نتیجہ تک عبارت دیکھئے!! پھر راقم کے عنوان سے منصفین ان شاء اللہ ضرور انصاف کریں گے، غیر منصف کا تو کہنا ہی کیا۔

جو سلف سے پڑھا، علماء کا ملین سے پھرا، ناقصین اس سے چمٹے رہے:

اخباری کہ در فضائل ایشاں ورود یافتہ متعارض اند پس جز توقف و سکوت سبیلی نباشد ولیکن غالب بر ظن چناں آید کہ ابوبکر افضل خلائق است بعد از رسول صلی اللہ علیہ وسلم بعد از وی عمر و ظنون در علی و عثمان متعارض است ومی گوید از علی مرتضیٰ نیز روایت کردہ اند کہ فرمود است بہترین مردم بعد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر است بعد ازاں خدا دانا تر ہا آنکہ بہتر کیست این ترجمہ کلام امام الحرمین است در ارشاد ومیگوید کہ این قولی است کہ ما ہر ای خود اختیار کردہ ایم و از راہ تقلید مجالبت نمودہ ہر اہ حق واضح رفتہ ایم۔ انتہی

(تکمیل الایمان ص ۱۵۱ تا ۱۵۲)

اگر امام الحرمین کے ارشاد در ارشاد کا یہ مطلب لے لیا جائے کہ ظن سے مراد فقط توقع نہیں بلکہ ظن بمعنی یقین ہے اور یقین سے مراد قطعی درجہ طہارت ہے تو آپ کا

وہ اخبار (روایات) جو ان (خلفاء اربعہ) کی فضیلت میں پائی جاتی ہیں ان میں تعارض ہے۔ پس سوائے توقف اور سکوت کے کوئی اور راستہ نہیں لیکن غالب گمان اسی طرح آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب مخلوق سے افضل حضرت ابوبکر ہیں اور ان کے بعد حضرت عمر، اور حضرت علی اور حضرت عثمان کی افضلیت میں ظن متعارض ہیں۔ اور امام الحرمین کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ ﷺ سے مروی ہے: آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) ہیں اور ان کے بعد اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہی بہتر جانتا ہے کہ کون افضل ہے؟ یہ امام الحرمین کی کتاب ارشاد میں ان کے کلام کا ترجمہ ہے اور انہوں نے خود ہی بتایا یہ ہمارا قول ہے۔ ہم نے اپنے لئے یہ پسند کیا ہے، تقلید کی راہ سے ہم نے کنارہ کشی کر لی اور واضح راہ حق پر ہم چلے ہیں۔

ارشاد درست ہے۔ اور اگر ظن بمعنی توقع اور تردد ہو تو پھر اس پر تعجب ہی کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے بعد بھی دل کو اطمینان حاصل نہ ہو تو پھر کب حاصل ہوگا؟ بعضی از فقہائے محدثین از اہل مدینہ در شرح قصیدہ امالیہ نقل میکنند کہ شیخ احمد زواق کہ از اعظم علمائے فقہاء و مشایخ مغرب است در شرح عقیدہ حجۃ الاسلام می گوید کہ علماء را خلاف است در آنکہ تفضیل قطعی است یا ظنی میل اشعری بأول است و مختار باقلالی ثانی و نیز این تفضیل در ظاہر و باطن است معاً یا در ظاہر فقط اینجا نیز دو قول است۔ انتہی۔

### قاضی عضد الدین کا اظہارِ عجز اور سلف پر اعتماد:

کیا ہی خوب ترین بات بیان کی کہ ہمیں اگرچہ دلائل قطعیت کے نہ مل سکے لیکن مشائخ سلف نے یوں ہی قطعیت پر اتفاق تو نہیں کر لیا ہمیں ان پر ہی اعتماد ہے۔

وقاضی عضد در موافق بعد از ایراد تفضیل فضائل علی مرتضیٰ کہ شیعہ ہذاں استدلال پر فضیلت وی کرم اللہ وجہہ کردہ اند و جواب ازاں بحمل الفضیلت پر کثرت ثواب میگوید، ہذاںکہ مسئلہ الفضیلت ازاں

قاضی عضد الدین نے موافق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل کو بیان فرمایا شیعہ جن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ فضیلت کثرت ثواب پر محمول ہے۔ جان لوا کہ مسئلہ فضیلت اس قبیلے سے ہے کہ اس میں

قبیل است کہ در وی جزم و یقین را طمع نتوان داشت و عقل را بمعرفت افضلیت بمعنی کثرت ثواب بطریق استدلال راہ نیست و مستند آن جز نقل نتوان بود و این مسئلہ نیست کہ متعلق بعمل باشد تا بمجرد ظن در آن باب اکتفاء تواند کرد بلکہ این مسئلہ از باب علم و اعتقاد است کہ مطلوب در وی جزم و یقین است و نصوص مذکورہ از طرفین باوجود و تعارض دلالت آنہا قطعی نہ، وغایت آنکہ دلالت آنہا بر اختصاص اسباب کثرت ثواب باشد و وجود کثرت اسباب ثواب موجب زیادت ثواب و ہر کہ مطیع راندہند چنانچہ ما سبق در میان عقاید معلوم شد و ثبوت امامت اگرچہ قطعی است ولیکن از انجا قطع بافضلیت لازم نیاید الا غالب ظن چہ امامت مفضول باوجود فاضل نزد اہل سنت و جماعت جائز است و عدم جواز آن قطعی نیست لیکن ما مشائخ سلف را چنان یافتیم کہ میگویند افضل ابو بکر است ثم

جزم و یقین کا طمع نہیں کیا جاسکتا۔ اور عقل کو افضلیت بمعنی کثرت ثواب کے استدلال کی راہ حاصل نہیں۔ سوائے نقل کے اس کی اور کوئی سند نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلہ کا تعلق عمل سے نہیں کہ فقط ظن اس میں کافی ہو سکے۔ بلکہ یہ مسئلہ علم و اعتقاد سے ہے کہ مطلوب اس میں جزم و یقین ہے۔ دونوں طرفوں میں نصوص موجود ہیں اور تعارض کی وجہ سے ان کی دلالت قطعی نہیں۔ انتہائی بات یہ ہے کہ دلالت ان نصوص کی کثرت ثواب کے اختصاص سے مختص ہے اور ثواب کے کثیر اسباب کا پایا جانا ثواب کی زیادتی کا سبب ہے۔ اور ہر مطیع کو زیادہ ثواب نہیں دیا جاتا۔ جیسا کہ عقائد کی بحث میں اس کے ذکر سے وہ معلوم ہو چکا ہے۔ اور ثبوت امامت اگرچہ قطعی ہے لیکن اس جگہ افضلیت کی قطعیت لازم نہیں آتی، مگر غالب ظن سے کیونکہ امامت مفضول کی باوجود فاضل کے جائز ہے اور عدم جواز اس کا قطعی نہیں۔ لیکن ہم نے مشائخ سلف کو اسی پر پایا: کہ وہ کہتے ہیں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر پھر عثمان پھر علی (رضی اللہ عنہم) اور ہمارا ان پر حسن ظن یہی تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس کا اعتقاد

عمر ثم عثمان ثم علی و حسن ظن ما  
ایشان اقتضائی آن کند کہ اعتقاد  
کنیم کہ اگر ایشان دلیلی بر آن نمی  
داشتند حکم بدایاں نمی کردند و  
اتفاق بران نمی نمودند و ما در این  
مسئلہ اتباع ایشان می کنیم و براه  
تقلید ایشان می رویم و حقیقت امر  
را بہ علم الہی تفویض فی نمائیم۔

(تکمیل الایمان ص ۱۵۲ تا ۱۵۳)

عقل ہو، ضد اور حسد نہ ہو تو انسان بہتر سوچ سکتا ہے۔ بھٹکنے اور بھٹکانے  
سے بچ سکتا ہے۔ کتنی اچھی بات قاضی عضد الدین نے کی کہ جب صحابہ اور تابعین کا  
خلفاء اربعہ کی ترتیب افضلیت میں اجماع ہے تو یقیناً ان کے پاس دلائل تھے یونہی  
اجماع نہیں کر لیا۔ ہماری رسائی اگر ان دلائل تک نہیں تو پھر بھی ہمیں سلف صالحین کی  
ہی اتباع کرنی چاہیے۔ اپنی علیحدہ ڈگڈگی بجا کر قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ نہیں کرنا  
چاہئے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ قاضی عضد الدین اگر اس سے بھی آگے بڑھ کر یوں ارشاد  
فرماتے کہ محققین نے افضلیت کے بظاہر متعارض دلائل کو جو مٹایا اگر وہ ہماری سمجھ میں  
نہیں آیا یا نہیں مانا تو پھر بھی ہم سلف صالحین کی ہی اقتداء کریں گے کہ ان کا اجماع بغیر  
دلیل کے نہیں تھا تو کتنا ہی اچھا ہوتا ہے لیکن جو ارشاد فرما دیا وہ بھی ذی شعور انسانوں  
کیلئے کافی ہے۔

آمدی نے قاضی کے قول کی وضاحت تو کی لیکن اپنے یاروں کی طرح بطور

نتیجہ کہی ہوئی بات کو ذکر نہ کیا:

آمدی جو اصول فقہ اور علم کلام کے عظیم علماء

و آمدی کہ از اعظم علمائے اصول

فقہ و کلام است می گوید کہ مراد بہ تفضیل اختصاص یکے از دو شخص افتد بفضلی کہ در دیگری نہا شد خواہ اصل فضلیت و صفت چنانکہ عالم فاضل تراست از جاہل ب صفت علم کہ در وی موجود است و در جاہل نہ خواہ زیادت کمال آن فضلیت و اصل فضلیت مشترک کہ بود چنانکہ یکے را اعلم گویند از دیگری کہ صفت علم در وی زیادت و کمالی دارد کہ در دیگر نسبت اگرچہ اصل علم در ہر دو مشترک است و باین معنی نیز در صحابہ قطع نتوان کرد، ہر فضلی کہ در یکی از ایشان اثبات کنند دیگری شریک در آن باشد اگر شریک نہا شد بفضلیتی دیگر مخصوص بود کہ در مقابلہ آن افتد و بکثرت فضائل ترجیح نتوان کرد چہ یک فضلیت بجهت زیادت شرف و نفاست را چہ تر از صد فضلیت آید چنانچہ یک گوہر ب قیمت زیادہ تر از صد ہزار درہم بود پس تواند کہ صاحب آن فضلیت را نزد اللہ تعالی اجری و

سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مراد انفضلیت سے (ایک قسم یہ ہے) کہ دو شخصوں میں سے ایک میں فضلیت پائی جائے جو دوسرے میں بالکل نہ پائی جائے۔ جیسے عالم کو جاہل سے زیادہ فضلیت حاصل ہے کیونکہ عالم میں صفت علم موجود ہے اور جاہل میں بالکل ہی نہیں (اور دوسری قسم یہ ہے) کہ دونوں اصل فضلیتیں مشترک ہوں۔ اور ایک کو زیادہ کمال حاصل ہو دوسرے سے جیسے ایک کو علم کہیں دوسرے سے اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت علم میں دونوں مشترک ہیں لیکن علم کو نسبت عالم کے علم میں زیادہ کمال حاصل ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے صحابہ میں انفضلیت قطعی نہیں، ہر فضلیت جو ان میں سے ایک میں پائی جائے گی وہ دوسرے میں بھی پائی جائے گی، اگر اس فضلیت میں دوسرے کو شرکت حاصل نہیں تو اس میں دوسری فضلیت پائی جائے گی جو اس کے ساتھ خاص ہوگی تو وہ دوسرے کی فضلیت کے مقابل ہوگی۔ اور کثرت فضائل سے بھی کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جاسکتی کیونکہ کبھی ایک فضلیت شرف و نفاست سو فضلیتوں سے رائج ہوتی ہے، جس طرح ایک جوہر قیمت میں

ثوابی بود کہ ارباب فضائل کثیرہ را  
 نبود پس جزم بافضلیت بمعنی  
 کثرت ثواب مقطوع نباشد، این  
 ترجمہ کلام مواقف و شرح اوست  
 انتہی۔

(تکمیل الایمان ص 153-154)

ایک لاکھ درہم سے زیادہ ہوتا ہے اسی طرح  
 ہو سکتا ہے کہ ایک فضیلت والا اللہ کے ہاں  
 زیادہ اجر و ثواب اتنا حاصل کر لے، جتنا  
 زیادہ فضیلتوں والے کو حاصل نہ ہو تو  
 افضلیت بمعنی کثرت ثواب کا جزم قطعی نہ رہا  
 یہ ترجمہ ہے مواقف اور اس کی شرح کا۔ انتہی

علامہ آمدی جب مواقف کی شرح لکھ رہے ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ مواقف  
 کی نتیجہ خیز عبارت کو پیش کر دیتے جو ماتن نے بیان کی ہے کہ ہم سلف صالحین پر اعتماد  
 کرتے ہیں اور ان کی ہی راہ چلتے ہیں اور خلفاء اربعہ کی جو ترتیب ہے۔ اسی کے مطابق  
 ان کی افضلیت کو مانتے ہیں، پھر علامہ آمدی یہ تو کہہ رہے ہیں کہ ایک جو ہر قیمت میں  
 ہزار درہم سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے کبھی ایک فضیلت زیادہ فضیلتوں سے شرف  
 و نقاست میں بڑھ جاتی ہے تو یہ انہیں کیوں نہ پتہ چل سکا کہ ایک جو ہر ابو بکر صدیق  
 جس کے سینہ میں ایک خصوصی راز تھا جس کی وجہ سے اور آپ کے ایثار و شخصہ کی وجہ سے  
 افضلیت آپ کو ہی حاصل تھی جو قطعی تھی۔

راقم نے تو یہ دیکھا ہر دور میں سلف صالحین سے ہٹ کر اپنے عقل و اجتہاد سے  
 کام لینے والے یا دوسروں سے ضد اور حسد کرنے والے ڈگمگاتے رہے۔ علامہ اشعری  
 رحمہ اللہ کی اس حق مسئلہ میں مخالفت کے شوق میں کچھ اہل علم ایسے پھسلے کہ انہیں سمجھنے کا  
 موقع نہ مل سکا۔ علامہ تقی زانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مولانا سعد الدین تقی زانی در شرح  
 عقائد نسفیہ نیز سخن ہاں طرز گفتہ  
 است مہگوید کہ ما سلف را ہر این  
 باعتبار و ظاہر آنست کہ اگر ایہاں

مولانا سعد الدین تقی زانی نے شرح عقاید  
 نسفیہ میں بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم  
 نے سلف کو اسی پر پایا ہے (یعنی چار یاروں کی  
 افضلیت ان کی ترتیب خلافت پر ہی ہے)

را دلیلے براں نمی بود حکم براں اگر ان کے پاس اس پر دلیل نہ ہوتی تو وہ حکم حکم نمی کردند، ماخوذ از دلائل اس پر نہ لگاتے۔ دلائل دونوں جانبوں کے جانبین را متعارض یافتیم و این مسئلہ متعارض ہم نے پائے اور اس کو ہم نے اس را از قبیل نیافتیم کہ چیزی از قبیلے سے نہیں پایا کہ اعمال کا تعلق اس سے اعمال بد اں متعلق باشد و توقف در ہے کہ اس میں توقف کرنے سے واجبات وی مغل از واجبات گردد انتھی۔ میں کوئی خلل لازم آئے۔

(تکمیل الایمان ص ۱۵۴)

علامہ تفتازانی کا یہ کہنا کہ جو ترتیب ماتن نے بیان کیا: افضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذو النورین ثم علی المرتضیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور تمام انبیاء کرام) کے بعد سب انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق، پھر عمر فاروق، پھر عثمان ذوالنورین پھر علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ ”علیٰ هذا وجدنا السلف والظاهر انه لو لم یکن لهم دلیل علی ذلك لما حکموا بذلك“ اس پر ہم نے سلف صالحین کو پایا۔ ظاہر بات یہ ہے کہ اگر ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ اس پر حکم نہ لگاتے۔

اس طرح کچھ آگے چل کر علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا:

وكان السلف كانوا متوقفين في تفضيل عثمان علي رضي الله عنهما حيث جعلوا من علامات السنة و الجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختین سے افضل مانیں اور دو دو اداوں (یعنی حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھے)۔

سلف صالحین توقف کرتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے میں، انہوں نے یہ بیان کیا کہ اہل سنت و جماعت کی علامات میں سے یہ ہے کہ شیخین (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو سب

آپ کی یہ دونوں عبارات تو بلاغبار ہیں۔ اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی



فضیلت والا قول ہی رائج ہے۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آرہا ہے لیکن درمیان والی عبارت اور دو عبارتوں کے بعد والی عبارت پر علامہ عبدالعزیز پر ہاروی رحمہ اللہ نے خوب بحث کی۔ وہ درمیان والی عبارت علامہ تفتازانی کی یہ ہے۔

واما نحن فقد وجدنا دلائل الحائنین  
متعارضة ولم نجد هذه المسئلة مما  
يتعلق شيء من الاعمال او يكون  
التوقف فيه مخرلا بشيء من الواجبات  
لیکن ہم نے پائے ہیں دونوں جانبوں کے  
دلائل متعارض اور ہم نے اس مسئلہ کو نہیں پایا  
کہ اس سے اعمال کا تعلق ہو۔ یا اس میں  
توقف واجبات میں خلل انداز ہو۔

صاحب نیر اس کی وضاحت:

[دلائل الحائنین ای الشیعة و اهل السنة] علامہ تفتازانی نے ”حائنین“ کا جو ذکر کیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے شیعہ اور اہل سنت کے دلائل کو متعارض پایا ہے۔ مراد علامہ رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ مسئلہ ظنی ہے اس پر دلیل سلف صالحین پر حسن ظن ہے۔ ”ولا تقلدہم لکان السکوت عنہا افضل“ اگر ان کی تقلید نہ کرتے تو اس سے سکوت افضل ہوتا۔

علامہ تفتازانی نے تین چیزوں کو بیان کیا:

(۱) ”اما اولاً فلأن دلائل الشیعة و اهل السنة متعارضة فلا جزم بشيء منها“ ان میں پہلی چیز یہ بیان کی کہ شیعہ اور اہل سنت کے دلائل متعارض ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی جزم نہیں ہو سکتا (کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی)

(۲) واما ثانياً فلأن المسئلة اعتقادية لا عملية والاكتفاء بالظن انما يحوز في العمليات لا في الاعتقادات دوسری چیز جو بیان کی گئی وہ یہ ہے کہ افضلیت والا مسئلہ اعتقادی ہے، عملی نہیں۔ ظنی دلیل عملیات میں کافی ہوتی ہے اعتقادات میں نہیں۔

(۳) واما ثالثا فلان السکوت عنها لا یضر بشیء من واجبات الشرع "تیسری چیز جو انہوں نے بیان کی وہ یہ ہے کہ مسئلہ افضلیت میں سکوت واجبات شرع میں کوئی نقصان نہیں دیتا۔

صاحب نبراس فرماتے ہیں: میرے نزدیک ان تینوں میں بحث ہے:

اما فی الأول فلأن ادلة اهل السنة احادیث صحیحة واضعة الدلالة واما ادلة الشيعة فاما موضوعات او غير واضعة الدلالة فلا تعارض وينكشف هذا بالنظر فی كتب الحديث لكن علماء الكلام بمراحل عن علم الحديث

لیکن پہلے مسئلہ پر بحث یہ ہے کہ اہل سنت کے دلائل احادیث صحیحہ اور واضح دلالت کرنے والے ہیں اور شیعہ کے دلائل یا تو موضوع (من گھڑت) ہیں یا وہ واضح دلالت کرنے والے نہیں۔ اسلئے اہل سنت کے دلائل اور شیعہ کے دلائل میں کوئی تعارض نہیں لیکن علم کلام کے علماء کے عقلی دلائل اگر احادیث سے ٹکرائیں تو ان کو احادیث سے کوسوں دور سمجھا جائے۔

واما فی الثانی فلان الحكم بعدم كفاية الظن فی الاعتقادات ليس على اطلاقه وذلك لأننا نجد علماء السنة سلفهم وعلمهم يذكرون فی كتب الاعتقاد مسائل مظلونة

دوسرے مسئلہ پر بحث یہ ہے کہ یہ کہنا اعتقادات میں دلائل ظنیہ کافی نہیں۔ یہ حکم مطلق ثابت کرنا غلط ہے اس لئے ہم نے اہل سنت کے علماء حنفیہ و متاخرین کو اس پر پایا ہے کہ وہ ظنی مسائل یعنی ظنی دلائل سے ثابت ہونے والے مسائل کو اعتقاد کی کتب میں ذکر کرتے ہیں۔ (لفظ کی بات یہ ہے کہ دلائل ظنیہ سے ثابت ہونے والے مسائل قطعی ہیں)۔

دلائل ظنیہ سے ثابت ہونے والے اعتقادی مسائل:

انبیاء کرام افضل ہیں ملائکہ سے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد افضل الانبیاء آدم علیہ السلام ہیں، پھر ابراہیم علیہ السلام، پھر موسیٰ علیہ السلام پھر عیسیٰ علیہ السلام۔ خلفاء راشدین کے بعد افضل صحابہ عشرہ مبشرہ ہیں پھر اہل بدر، پھر اہل احد، پھر بیعت رضوان، اسی طرح خلافت کا تیس سال تک رہنا، اور مجتہد کا کبھی خطا کرنا اور کبھی اس کے اجتہاد کا درست ہونا۔ یہ سب اخبارِ احاد سے ثابت ہیں ان سب کو درجہ قطعیت پر رکھنے والے وہ بھی ہیں جو مسئلہ افضلیت کو ظنی کہتے ہیں۔

دلائل ظنیہ اعتقاد میں کہاں معتبر نہیں؟

ظنی دلائل عقائد میں وہاں معتبر نہیں جہاں یقینی دلائل کا مطالبہ پایا جائے جیسے توحید و رسالت اور جب ظن فاسد ہو جیسے مشرکین کا ظن فاسد جس کی خبر قرآن پاک نے دی "ان يتبعون الا الظن"

فعلم ان عدم جواز الظن في العقائد  
انما هو حيث يطلب اليقين كالتوحيد  
والرسالة واذا كان الظن فاسدا  
المشركين الذين نعى عليهم القرآن  
اتباء الظن

دلائل ظنیہ جب اعتقادی مسائل کا فائدہ دیں تو ان کو تسلیم کرنا جائز ہے:

لیکن جب ظنی دلیل مسئلہ اعتقادیہ کا فائدہ دے تو اس کا تسلیم کرنا ظن کے مطابق جائز ہوتا ہے بلکہ واجب ہوتا ہے کیونکہ دلیل ظنی ہونے کے باوجود کبھی قطعیت کا فائدہ دیتی ہے تاکہ کثیر احادیث احاد جو کہ اعتقادیات میں روایت کی گئیں ہیں ان کا چھوڑنا لازم نہ آئے اور ان کا وجود معدوم کی طرح نہ ہو جیسے قبر اور حشر کی تفصیل میں احادیث ہیں۔

واما اذا افاد الدليل الظني اعتقادية جاز  
تسليمها على حسب الظن بل وجب  
ذلك القطع بأن الدليل قد افاد الظن  
بكونها ولغلا يلزم اهمال كثير من  
الأحاديث الافراد المروية في الاعتقديات  
وجعل وجودها كعدمها كالأحاديث  
تفصيل بعض احوال القبر والحشر۔

واما فی الثالث فلان المسائل التي يتوقف الواجبات عليها قليلة جدا فعلم ان فائدة الاعتقادات ليست محصورة في توقف الواجبات عليها بل الاعتقاد مقصود بنفسه ولو سلم فنقول هذه المسئلة يدور عليها ابطال مذهب الشيعة

تیسرے مسئلہ میں بحث یہ ہے جن مسائل پر واجبات موقوف ہیں وہ بہت کم ہیں، تو معلوم ہوا کہ اعتقادات کا فائدہ صرف اسی میں بند نہیں کہ واجبات ان پر موقوف ہیں بلکہ اعتقاد مقصود بالذات ہے۔ اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ واجبات موقوف ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں تو شیعہ کے مذہب کو باطل کرنا مقصود ہے جو واجب ہے۔

شیعہ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں (بیچارے برخوردار کو اپنے مذہب شیعہ بھائیوں پر ہمدردی آئی کہ یہ ان کی کتابوں میں نہیں۔ کاش! آج اپنی قبر سے نکل کر میرے پاس آجائے تو کتب سے دکھا دوں کہ غلو ان کا معمول ہے) شیعہ کے مذہب کا غلو یہاں تک نہیں وہ تو بہت آگے بڑھ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے تینوں خلفاء کو مقرر کرنے والوں کو ظالم کہا۔ ان کے مفاسد تو معتزلہ اور جبریہ سے بھی زیادہ ہیں۔

فيجب على العلماء الاهتمام بمسئلة الأفضلية وانما اطيننا في هذا المقام لأن الشارح قد تساهل فصار كلامه مزلة الأقدام حتى سمعنا الشيعة يحتجون بعبارة ويزلقون بها كثيرا من طلاب العلم والله يقول الحق وهو يهدي السبيل۔

علماء پر واجب ہے کہ مسئلہ افضلیت کو اہتمام سے بیان کریں۔ ہم نے اس مقام میں کلام کو لمبا کر دیا کیونکہ شارح نے یہاں تساہل سے کام لیا ہے اس کے کلام سے قدم پھسلنے لگے۔ یہاں تک کہ ہم نے سنا شیعہ علامہ تفتازانی کی اس عبارت کو حجت بنا رہے اور کثیر تعداد میں طالب علموں کو پھسلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی حق ہے وہی سیدگی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔

علامہ تفتازانی کی دوسری عبارت جس پر نبراس میں بحث کی گئی ہے:

بظاہر اس عبارت سے لوگوں کو غلط فہمی بھی ہو رہی تھی کہ شاید یہ مطلق افضلیت کے بارے میں ہے حالانکہ یہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت کے بارے میں ہے۔

والانصاف انه ان ارید بالافضلية كثرة الثواب فلتوقف جهة و ان ارید كثرة ما بعد ذوالعقول من الفضائل فلا۔ انصاف یہ ہے کہ اگر افضلیت سے مراد کثرتِ ثواب ہے تو توقف کی وجہ پائی جائے گی اور اگر مراد کثرتِ فضائل ہوں تو توقف کی کوئی وجہ نہیں۔ (فلسوقف جهة) لأن كثرة الثواب لا تعرف بالعقل توقف کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے اس لئے کہ کثرتِ ثواب عقل سے نہیں پہچانا جاسکتا۔

امام مالک رحمہ اللہ کا توقف:

ولذا توقف الامام مالك قيل له اي الناس افضل بعد نبهم فقال ابو بكر و عمر رضی اللہ عنہما بلا شك فليل له و عثمان و علي رضی اللہ عنہما قال ما ادرکت احدا اقتدی به یفضل احدهما علی الآخر۔ اسی وجہ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے توقف فرمایا آپ سے پوچھا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی امت میں سب سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے بغیر کسی شک اور تردد کے ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے بعد دیگرے سب سے افضل ہیں۔ پھر آپ سے پوچھا گیا حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے کون افضل ہے؟ تو

(نبراس ص 490-491)

آپ نے فرمایا: میں نے کسی ایک کو اس پر نہیں پایا کہ اس نے ایک کو دوسرے پر فضلیت دی ہو کہ اس شخص کی اقتداء کی جائے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا رجوع:

ذكر القاضي عياض عن الامام مالك انه رجع عن العوقف الي هذا، وحكى قاضي عياض رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے رجوع فرمایا یعنی

توقف سے افضلیت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرمایا، امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی طرف رجوع فرمایا۔

القسطلانی عن سفیان الثوری أنه رجع عن تفضیل علی الی تفضیل عثمان  
(نبراس علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ ص 492)

حق یہی ہے کہ حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں:

ہم شرع دلائل اس پر پاتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ افضل ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ (۱) ایک ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں کہتے تھے کہ آپ کی امت میں آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ہیں یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے انکار نہیں فرمایا۔ (۲) دوسری دلیل ان میں سے یہ ہے سلف صالحین کی نصوص اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس امت میں سب لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر، پھر حضرت عمر فاروق، پھر حضرت عثمان پھر میں (رضی اللہ عنہما) بلکہ ابو منصور بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع بیان کیا ہے

انا نجد دلائل شرعیة علی ان عثمان رضی اللہ عنہ افضل أحدها حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال کنا نقول ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی افضل امتہ بعدہ ابوبکر ثم عمر ثم عثمان بلغ ذلك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ینکرہ (رواہ الترمذی) وثنیہما نصوص السلف فعن علی رضی اللہ عنہ قال غیر الناس فی هذا الأمة بعد ابي بکر عمر الفاروق عثمان ذو النورین ثم انا (رواہ الحافظ ابو سعید السمان حکما فی فصل الخطاب) بل حکمی ابو منصور البغدادی الاجماع علی ان عثمان افضل وعن عبد اللہ بن عمر قال اجمع الهاجرون والانسار علی ان غیر هذه الأمة ابوبکر وعمر

و عثمان رواه عثمہ بن سعد وقال  
 الامام النووی فی شرح مسلم الصحیح  
 المشہور تقدیم عثمان علی علی رضی  
 اللہ عنہما۔ انتہی  
 کہ حضرت عثمان افضل ہیں حضرت علی  
 (رضی اللہ عنہما) سے۔ عثمہ بن سعد نے روایت کیا  
 کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ  
 مہاجرین و انصار صحابہ کرام کا اس پر اجماع  
 کہ اس امت میں سب سے بہتر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔  
 امام نووی رحمۃ اللہ علیہ صحیح مسلم کی شرح میں بیان فرماتے ہیں کہ مشہور قول یہی ہے کہ حضرت عثمان  
 رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب کا اعتراف رکن ایمان ہے:

یہاں تک جو مسئلہ بیان کیا ہے اس کا تعلق ترمیبِ افضلیت سے تھا۔ یہ یقینی  
 بات ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تینوں خلفاء کے بعد سب سے افضل ہیں۔

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ شارح نبراس میں فرماتے ہیں: "قلت  
 الاعتراف بمناقبہ رکن الایمان" میں کہتا ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب کا  
 اعتراف کرنا رکن ایمان ہے۔ (نبراس ص ۴۹۲)

ان فضائل علی کثیرة جدا من کمالات  
 العلمیة والعملیة والجهاد والاجتهاد فی  
 الطاعة والمبالغة فی المواعظ وملازمة  
 النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحضر  
 والسفر وتشرفہ بأزواج سیدة النساء و  
 ابویة الریحانتین وانشاب طرق  
 الصوفیة منه وکثرة ورود الاحادیث فی  
 مناقبہ وظهور الخوارق وشجاعته و  
 سخاوته الی غیر ذلک مما ذکرہ علماء  
 "حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کثیر فضائل حاصل  
 ہیں، جن کا اعتراف کرنا رکن ایمان ہے یعنی  
 کمالات علمیہ، جہاد، طاعت میں کوشش کرنا  
 ۔ وعظ میں بلاغت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ  
 حضر و سفر میں رہنا (یہ تمام اوصاف حضرت  
 ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ سے زیادہ حاصل تھے)  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدۃ النساء سے نکاح کا  
 شرف حاصل ہونا۔ دو گل ریحان یعنی حسن و  
 حسین رضی اللہ عنہما کا باپ ہونے کا شرف،

الحديث۔ صوفیاء کے اکثر طریقوں کا آپ کی طرف

(ماخوذ از تبراس ص ۴۹۱)

منسوب ہوتا۔ کثیر احادیث کا آپ کی شان میں وارد ہونا۔ آپ کی کرامت و شجاعت و سخاوت جیسے آپ کے مناقب کا اہل سنت کو کوئی انکار نہیں۔ دل و جان سے آپ سے محبت ہر سنی کی جان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لقب 'کرم اللہ وجہہ' کا سبب:

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضور مولیٰ الکل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش اقدس میں پرورش پائی۔ حضور کی گود میں ہوش سنبھالا۔ آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال منور دیکھا۔ حضور ہی کی باتیں سنیں۔ آپ کی ہی عادتیں سیکھیں۔ تو جب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا۔ قطعاً یقیناً رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا۔ ہرگز بتوں کی نجاست سے دامن پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔ اسی لئے لقب کریم "کرم اللہ وجہہ" ملا۔ [ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل المبين] (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطاء فرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے)

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 436)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی ایمان قبول

کیا:

امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت (اعلان نبوت) کے وقت ہی حضور کی برکت سے فوراً ایمان قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ دس سال تھی۔ بالیقین جو بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے۔ پھر والدین کی جمعیت سے اس پر کوئی اور حکم لگانا حلال نہیں۔

فی المواہب مکان سن علی رضی اللہ عنہ مواہب لدنیہ میں ہے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی۔ جیسا کہ طبری عنہ اذ ذاک عشر سنین فیما حکاہ



نے ذکر کیا ہے۔ اھ

الطبری،

(المواہب اللدنیہ المقصد الاول ج ۱ ص ۲۱۶)

قال الزرقانی وهو قول ابن اسحاق و  
اقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انه  
ارجح الاقوال

زرقانی نے فرمایا یہی ابن اسحاق کا بھی قول  
ہے مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے  
ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ

(شرح الزرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲۷۲) سب سے راجح قول یہی ہے (ت)

شامی نے سات اور آٹھ سال کے اقوال بھی نقل کئے ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 435)

حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کبھی بت کو سجدہ نہ کیا:

حضرت امیر المومنین امام الواصلین سیدنا علی المرتضیٰ مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ  
وجہہ الاسنی اور اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء الحمد بین سیدنا  
ومولانا صدیق اکبر عقیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالم ذریت سے  
روز ولادت اور روز ولادت سے سن تمیز اور سن تمیز سے وقت ظہور پر نور آفتاب بعثت  
صلی اللہ علیہ وسلم ظہور بعثت (اعلان نبوت) سے وقت وفات، وقت وفات سے ابد الابد تک بحمد  
اللہ تعالیٰ موحد و موئن و مسلم و مومن و طیب و ریح و طاہر و نقی تھے اور ہیں۔ اور رہیں گے۔  
کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کو لوٹ کفر شرک و انکار ان کے پاک،  
مبارک، ستمرے دامنوں تک اصلاً نہ پہنچا نہ پہنچے۔ والحمد للہ رب العالمین (سب  
تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا)

عالم ذریت سے روز ولادت تک اسلام بیٹا تھا کہ "السمت بربکم قالوا  
ہلی" القرآن الکریم ۱۷۲/۱۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں  
(ہاں تو ہمارا رب ہے) روز ولادت سے سن تمیز تک اسلام فطری کہ "کل مولود یولد

علی الفطرۃ“ (ہر بچہ فطرتاً اسلام پر پیدا ہوتا ہے)

(بخاری کتاب الجنائز، ابو داؤد کتاب السنۃ، ترمذی ابواب القدر)

سن تمیز سے روزِ بعثت تک اسلام تو حیدی کہ ان حضرات والا صفات نے زمانہ فترت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیر خدا کو خدا قرار نہ دیا۔ ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا۔ ایک ہی سے کام رہا۔ ”ذک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم“ القرآن الکریم (۴/۶۲) (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔ (ت)

پھر ظہور بعثت سے ابد الابد تک حال تو ظاہر و قطعی و متواتر ہے۔ ”والحمد للہ رب العالمین“ ”نم اقول وباللہ التوفیق“ (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے) ظاہر ہے کہ فترت کے وقت (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت تک) اور اس زمانہ جاہلیت اور لوگوں کے اُمی ہونے کے دور میں جبکہ غفلت کا دور دورہ تھا اسی وقت قرآن و حدیث پر مطلع ہونے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ یعنی وہ لوگ نبوت و کتاب کے واقف ہی نہ تھے۔ اسی لئے وہ تعجب سے کہتے ”ابعث اللہ بشراً رسولاً“ کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا۔

اور کہتے: ما لهذا الرسول باکل الطعام و یمشی فی الاسواق“ یہ رسول کیسا ہے کہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ جب تک نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت نہیں فرمایا اس وقت میں شرک، بت پرستی سے باز رہنے والے اور اللہ کو ماننے والے موجد کہلاتے تھے۔ موجد کو مشرک نہ کہنا اجماعی مسئلہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد آپ کی تصدیق ہو۔ پہلے موجد تھا اور آپ کی بعثت کے بعد آپ کی تصدیق نہ کی وہ کافر ہے۔ اصل دین وہ ہے جو رب تعالیٰ کو پسند ہے ”ان الدین عند اللہ الاسلام“

(بے شک اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے)۔

اسی طرح تمام ایمانیات پر ایمان لانے کا جو ذکر فرمایا گیا ”کل آمن بالله وملائکته وکتابه ورسوله“ (القرآن الکریم ۲/۲۸۵) (سب نے ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور اس کے رسولوں پر)۔

یہ اسلام لانا بغیر رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری اور آپ کی دعوتِ اسلام کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اسلام کا فردِ اکمل وہی ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسماعیل ذبیح اللہ علیہما السلام نے دعاء کی ”ومن خیرتنا امة مسلمة لك“ (القرآن الکریم ۲/۱۲۸) اور (بنا) ہماری اولاد میں سے ایک امت جو تیری فرمانبردار ہو۔

اور جس کے متعلق ارشاد ہوا ”هو سماکم المسلمین من قبل“ (القرآن الکریم ۲/۱۳۱) اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا اگلی کتابوں میں۔ یعنی نبی کریم افضل المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں داخل ہونا، یہ اسلام کا اطلاق اخص واکمل اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نبی کریم ﷺ کا ارشادِ اقدس سنتے ہی فوراً بغیر تامل (سوچے) کے اسلام لے آئے۔

ضروری یاد رکھنے کے قابل بات:

نبی کریم ﷺ کی بعثت اور دعوتِ اسلام سے پہلے اللہ کو ایک ماننا، بت پرستی سے دور رہنا ایمان کیلئے کافی تھا۔ اس ایمان کو ایمانِ ضروری کہا جاتا لیکن نبی کریم ﷺ کی بعثت (اعلانِ نبوت) اور دعوتِ اسلام کے بعد صرف اس اسلام پر ضروری قناعت کافی اور نجات کا ذریعہ نہیں۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص فترت کے زمانہ میں کئی سال موحد رہا لیکن نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے بعد اس نے آپ کی تصدیق نہ کی تو اس کو موحد ہونے کی وجہ سے ”اسلامِ ضروری“ جو اسے حاصل تھا وہ یقیناً زائل ہو گیا۔ وہ کافر ہو گیا۔ اسی حال پر اگر مر گیا تو وہ ہمیشہ آگ میں رہے گا لیکن جس نے فوراً حضور کی

دعوت اسلام کو قبول کر لیا وہ اپنے سابق اسلام ضروری پر قائم رہا اس کے اسلام میں ایک لمحہ بھر بھی تعطل نہیں آیا۔

اعتراض:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فلاں وقت اسلام قبول کیا۔ یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ وہ ہمیشہ ہی اسلام پر ہے۔

جواب:

رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ”اذ قال ربہ اسلم قال اسلمت رب العالمین“ (جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا! بولا: میں اسلام لایا رب العالمین کیلئے)۔

جب اللہ تعالیٰ کے خلیل اللہ علیہ السلام کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور ان کا عرض کرنا میں اسلام لایا۔ معاذ اللہ ان کے ایمان قدیم اور ہمیشہ سے قائم اسلام کے منافی نہ ہوا کہ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی بعد از نبوت و پیش از نبوت کبھی کسی وقت ایک آن (ایک گھڑی) کیلئے بھی غیر اسلام کو اصلاً راہ نہیں۔

تو صدیق و مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے۔ اس روز اسلام لائے ان کے اسلام سابق کے معاذ اللہ کیا مخالفت ہو سکتے ہیں۔ ”ہذا کلمہ واضح مبین والحمد لله رب العالمین“ یہ سب واضح نمایاں ہیں۔ اور تمام تعریضیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جب سب جہانوں کا مالک ہے۔

رافضیوں اور تفضیلیوں کے اعتراض مندرج ہو گئے:

بھہ اللہ تعالیٰ فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نفی خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ کیلئے براہِ عناد و مکابره آیت کریمہ ”لا ینال عہدی الظالمین“ (القرآن الکریم ۱۲۳/۱۲) (میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا) سے سفاہانہ استدلال جس کا نہ صغریٰ صحیح نہ کبر

کی ٹھیک ”ہبء منشوراً“ ہو گیا۔ (چھوٹے چھوٹے ذرات کی طرح بکھر گیا) یونہی تفضیلیہ کا وہ باطل خیال کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پہلے اسلام لانا ان کا خاصہ ہے، لہذا وہ خلفائے ثلاثہ (تین یاروں رضی اللہ عنہم) سے افضل ہیں، مدفوع و مقہور ہو گیا۔  
دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں مگر صدیق اکبر کا پایہ ارفع و بلند ہے:

”فأقول وباللہ التوفیق“ (تو میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے)۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط ہے کیونکہ وہ بھی اس فعلِ جلیل (پہلے اسلام لانے) میں شریک ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے، بلکہ انصاف کیجئے تو شریک غالب ہیں۔ اگرچہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن، ایک لمحہ بھی ہرگز ہرگز کفر سے متصف نہ ہوئے مگر اسلام میثاقی و اسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی و اسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع و اعلیٰ ہے۔  
 توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر زمانہ جہالت و ظلمت میں گزری۔

ابتداء میں مدتوں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہِ اسلام پناہ سے دوری رہی۔ اس پر بچنے کی کئی سمجھ میں ان کے والد (ماجد رضی اللہ عنہ) کا اس وقت تک شرک میں مبتلا ہونا اور اپنے بیٹے کو دینِ باطل کی تعلیم دینا، بت خانے لے جا کر بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دینا، آپ کا بتوں کو سجدہ نہ کرنا، بلکہ بتوں کو توڑ دینا۔ آپ کے باپ کا ان کی ماں کو بتوں کو توڑنے اور ان کو سجدہ نہ کرنے کے واقعہ کو بتانے پر ان کی ماں کو کہنا کہ اس بچے کو کچھ نہ کہو۔ اس کی پیدائش کی رات میں نے غیبی آواز سنی:

ابشری بالولد العتق

یا امة اللہ علی العتق

لمحمد صاحب و رفیق

اسمہ فی السماء العتق

اے اللہ کی سچی بندی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمان میں صدیق ہے  
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پارورفتی ہے۔

(رواہ القاضی ابوالحسن احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی معالی القرش الی عوالی العرش، ارشاد الساری ج ۱۸۷/۱، فتاویٰ رضویہ ج ۲۸، ص ۲۵۶)

یعنی اس وقت جبکہ راہنما کوئی نہیں، راہزن تو موجود ہیں۔ آپ کا توحید خالص پر قائم رہنا اللہ اکبر کیسا ہی اجل و اعظم ہے لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ ﷺ کے جمال کو ہی دیکھا کیونکہ حضور کی گود میں ہی پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں۔ شرک و بت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالیٰ نے کبھی نہ دکھائی۔ آٹھ یا دس سال کے ہوئے تو آفتاب جہاں تاب رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا، والحمد للہ رب العالمین۔

اسلام اخص میں یوں کہ حضرت صدیق اکبر نے فوراً اسلام سب پر ظاہر و آشکارا کر دیا اور دوسروں کو ہدایتیں فرمائیں۔ کفار کے ہاتھوں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق روایات میں یہ آیا ہے کہ کچھ دن انہوں نے اپنے باپ ابوطالب کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ بچپن میں اس قسم کا ڈر لانا یقینی بات ہے۔

○ امام حافظ الحدیث خیشمہ بن سلیمان قرشی و امام دارقطنی و محبت الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

ان ابابکر سبقتی الی اربع لم اوتھن،  
سبقتی الی افشاء السلام، و قدیم الهجرة  
ومصاحبتہ فی الفار و اقام الصلوة و انا  
یومئذ بالشعب یتظہر اسلامہ و اعلمہ  
الحديث

پیشک ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں۔ انہوں نے مجھ سے اسلام آشکارا کیا۔ اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، نبی کریم ﷺ کے یار غار ہوئے اور نماز قائم اس حالت میں کی کہ میں ان دنوں گھروں

(المواہب اللدنیہ ذکراول من آمن ج ۱، ص ۲۱۸) میں تھا۔ اور وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے تھے اور میں چھپاتا تھا۔

○ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔ (اس میں بہتر محاکمہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی برتری بھی واضح ہے)

اول من اسلم علی ابن ابی طالب وهو صبی لم يبلغ الحلم وكان مستخفياً باسلامه واول رجل عربی بالغ اسلم و اظهر اسلامه ابوبکر من ابی قحافه رضی اللہ عنہما۔

سب سے پہلے ایمان لانے والے (مذکر) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور بلوغ کی عمر کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنہوں نے اسلام کو ظاہر کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

(المواہب اللدنیہ ج ۱، ص ۲۱۸)

○ امام ابو عمر ابن عبدالبر روایت فرماتے ہیں:

سئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم اعلیٰ او ابوبکر رضی اللہ عنہما قال: سبحان اللہ! علیٰ اولہما اسلاماً وانما شبه علی الناس لأن علیا اخصی اسلامه من ابی طالب واسلم ابوبکر فاظهر اسلامه (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ علی بن ابی طالب (۱۸۷۵-۱۹۹/۳)

محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابوبکر و علی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ان دونوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے مگر انہوں نے اسلام کو اپنے والد، ابوطالب سے پوشیدہ رکھا۔ جس کی وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا۔ جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام لا کر اسے فوراً ظاہر کر دیا۔

ولہذا (اسی لئے) احادیث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم آثار صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل اور ان کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید و اکمل ہے۔

(نتیجہ واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اسلام و ایمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام و ایمان سے اسبق و اقدم ہے بلکہ فرمایا: افضل و ازید و اکمل ہے، جو دلیل افضلیت ہے۔ تقدیم اسلام سبب فضیلت تو ہے لیکن کامل افضلیت کا سبب نہیں۔

بات واضح ہے کہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام اپنے گھر والوں کو دی تو سب سے پہلے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ پھر گھر سے باہر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر اسلام پیش کیا تو آپ نے اسی وقت اسلام قبول کیا۔ پھر یہ تقدیم و تاخیر کئی دنوں کی بات نہیں بلکہ اسی دن کی بات ہے۔ پھر غلاموں میں سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ تقدیم اسلام دلیل

فضیلت نہیں:

رہے امیر المومنین حضرت عمر فاروق اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہما مذہب جمہور اہل سنت میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اور امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اگرچہ سب سے افضل ہیں مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیم الاسلام (پہلے اسلام لانے والے) ہیں اور وہ جدید الاسلام ہیں کہ یہ اسلام کا پہلے لانا افضل جزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے۔ فضل جزئی اور چیز ہے اور فضل کلی اور چیز ہے۔

کیا آج کا مسلمان جس کے آباؤ اجداد کئی پشتوں سے مسلمان چلے آ رہے ہیں، کہہ سکتا ہے کہ میں ان صحابہ سے افضل ہوں جن کے باپ دادا مسلمان نہیں تھے۔ کیا میں اپنے آباؤ اجداد کی وجہ سے قدیم الاسلام ہوں۔ یہ دعویٰ تو صرف جہالت ہے



بلکہ یہ دعویٰ کرنے والا جاہل مرکب ہے۔ اصل میں وہ فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق سے غافل ہے۔ بلکہ جاننے کے باوجود منکر ہے۔

جاہل و منکر کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ ”والله الهادی و ولی الأیادی والہ سبحانہ و تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔“ اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا اور نعمتوں کا مالک ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اسی کا علم کھل اور مستحکم ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ ج 28 ص 459 تا 469)

تعمیہ:

”تکمیل الایمان“ تصنیف شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ بحث نقل کی۔ اس کے اوپر مزید بحث ذکر دی گئی۔ ”تکمیل الایمان“ سے جہاں تک بحث ذکر کی اس کے بعد ”صواعق محرقة“ کی عربی عبارت کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ وہ ”صواعق محرقة“ سے راقم نے پہلے ہی ذکر کر دی تکرار سے بچتے ہوئے اسے پھر ذکر کرنا بے مقصد سمجھا۔

احادیث مبارکہ سے کلام کا اختتام کیا جا رہا ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج علی اصحابہ من المهاجرین والانصار وهم جلوس وفيہ ابوبکر وعمر فلا یرفع الیہ احد منهم بصیرۃ الا ابوبکر وعمر فأتھما کانا ینظران الیہ وینظر الیھما ویعسمان الیہ ویعسم الیھما (سنن الترمذی باب فی مناقب ابی بکر وعمر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مهاجرین و انصار صحابہ بیٹھے ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر جلوہ گر ہوتے تو مهاجرین و انصار و اصحاب سید امیر صلی اللہ علیہ وسلم سے مجلس ملائکہ و انس میں کوئی حضور والا کی طرف ٹکانہ اٹھا سکتا سوائے ابوبکر و عمر کے یہ حضور کو دیکھتے اور حضور ان کو دیکھتے اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر تبسم فرماتے اور یہ حضور والا کو دیکھ کر مسکراتے۔

یہ حدیث پاک شیخین سے نہایت ملاحظت اور ان کی بہت زیادہ وجاہت پر

ولالت کر رہی ہے۔ (مطلع القمرین 267)

اخرج ابن عساکر عن مجمع الانصاری  
عن أبيه قال ان كانت رسول الله ﷺ  
لتشتبك حتى تصير كالأسوار وان  
مجلس ابی بکر منها لفارغ ما يطعم  
فيه احد من الناس فاذا جاء ابوبکر  
جلس ذلك المجلس وأقبل عليه النبي  
صلى الله عليه وسلم بوجهه والقى اليه  
حديثه ويسمع الناس۔

مجمع انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے  
ہیں اصحاب کرام خدمت رسالت میں حلقہ  
باندھ کے بیٹھے کہ مجلس اقدس مثل کنگن کے  
ہو جاتی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما اگر حاضر نہ  
ہوتے (تو) جگہ ان کی خالی رہتی اور کوئی اس  
میں طمع نہ کرتا جب آتے۔ اپنی جگہ بیٹھ  
جاتے۔ حضور والا ان کی طرف توجہ فرماتے  
اور اپنی باتوں کا مخاطب انہیں ٹھہراتے اور  
لوگ سنتے۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم

دارالفکر بیروت ۳/۲۹۳)

فقیر میگوید:

گر ز مرغان خوش الحان ہمہ پُر گشت چمن  
جائی بلبل بکنار گل خنداں سبز است  
فقیر کہتا ہے: اگرچہ ہر قسم کے خوش الحان پرندوں سے چمنستان بھرا ہے لیکن  
پھول کے کنارے بلبل کی جگہ سرسبز و شاداب (خالی) ہے۔

الطبرانی بسند حسن عن ام سلمة ان  
النبي صلى الله عليه وسلم قال ان في  
السماء ملكين احدهما يأمر بشدة و  
الآخر باللين وكل مصيب وذكر  
جبريل وميكائيل ونبيان احدهما  
يأمر باللين والآخر يأمر بالشدة وكل  
مصيب وذكر ابراهيم ونوحا ولي

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ  
ارشاد فرماتے ہیں: آسمان میں دو فرشتے ہیں  
ایک شدت کا حکم کرتا دوسرا نرمی کا اور دونوں  
صواب پر (درست راہ پر) ہیں اور جبریل  
ومیکائیل کا ذکر فرمایا اور ونبی ہیں: ایک نرمی  
کا حکم دیتا ہے اور دوسرا سختی کا اور وہ دونوں حق  
پر ہیں اور ابراہیم اور نوح علیہم السلام کا ذکر فرمایا۔



اعلیٰ حضرت غنیم البرکت امام احمد رضا خان کے ترجمہ کنز الایمان کے دوسرے تراجم قابلِ جائزہ

# تسکین الجنان في محاسن كنز الایمان



محقق ابن سناط شیخ برٹھ مرقا شمس

عبد الرزاق بختراوی حطاروی نیکالغالی

مترجم و مبدع تراجم کنز الایمان مولانا سید

مکتبہ املا احمد رضا



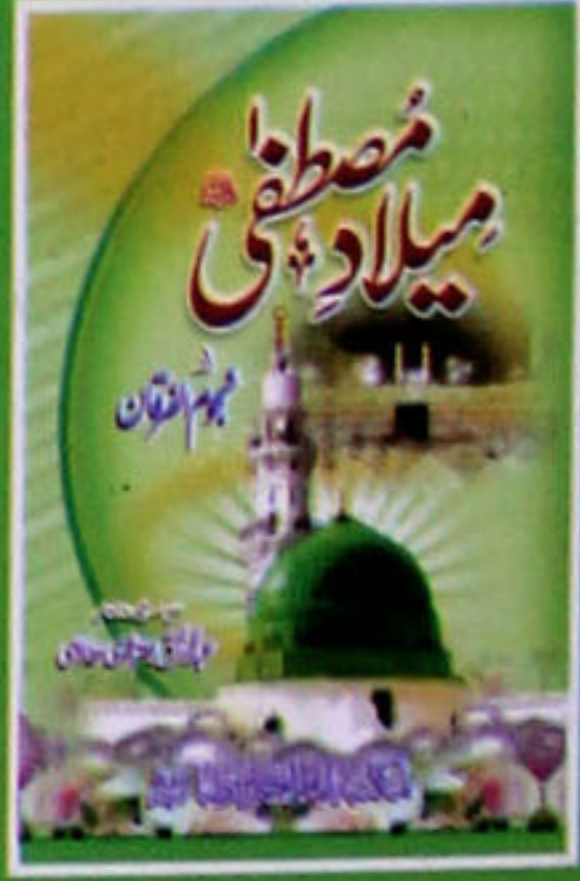
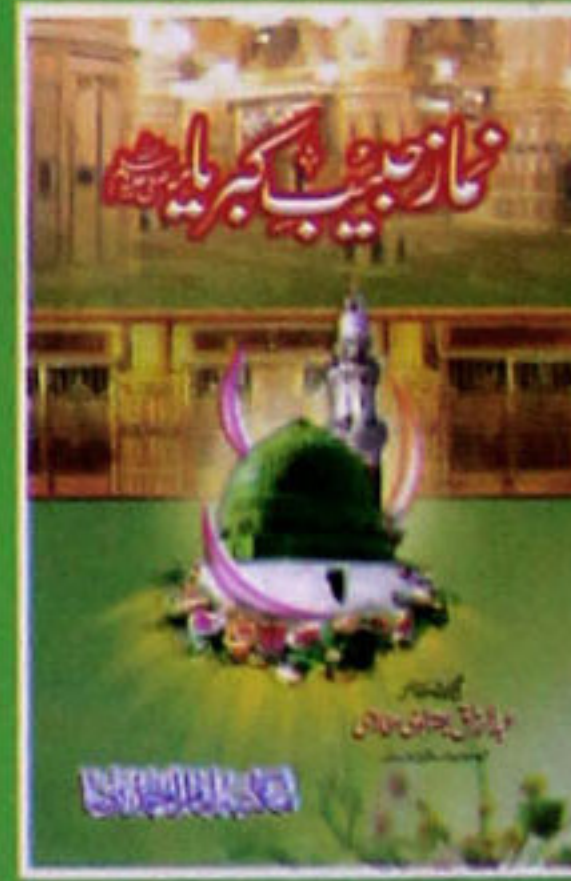
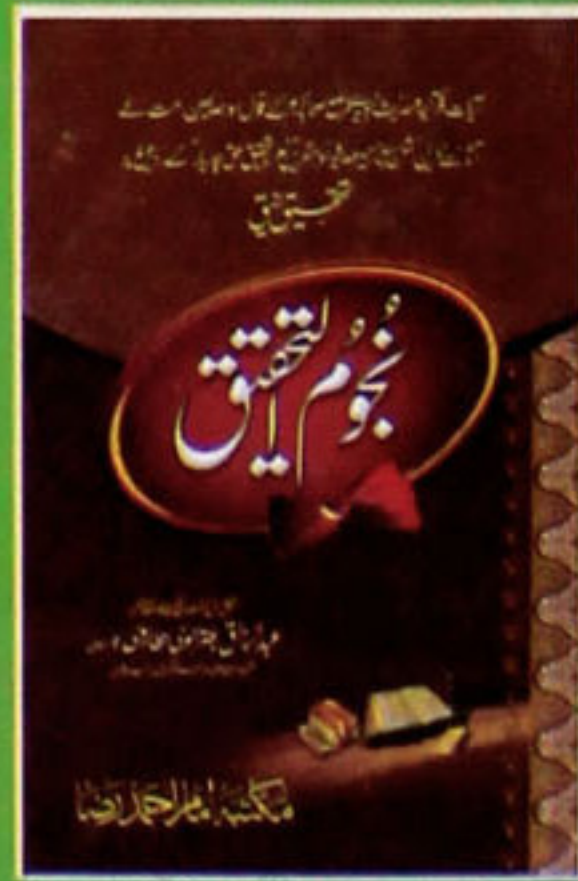
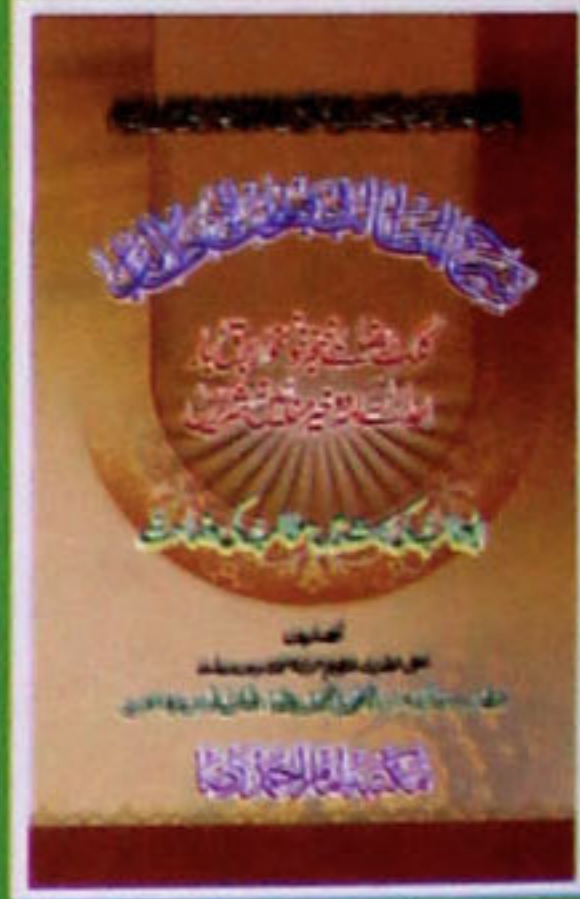
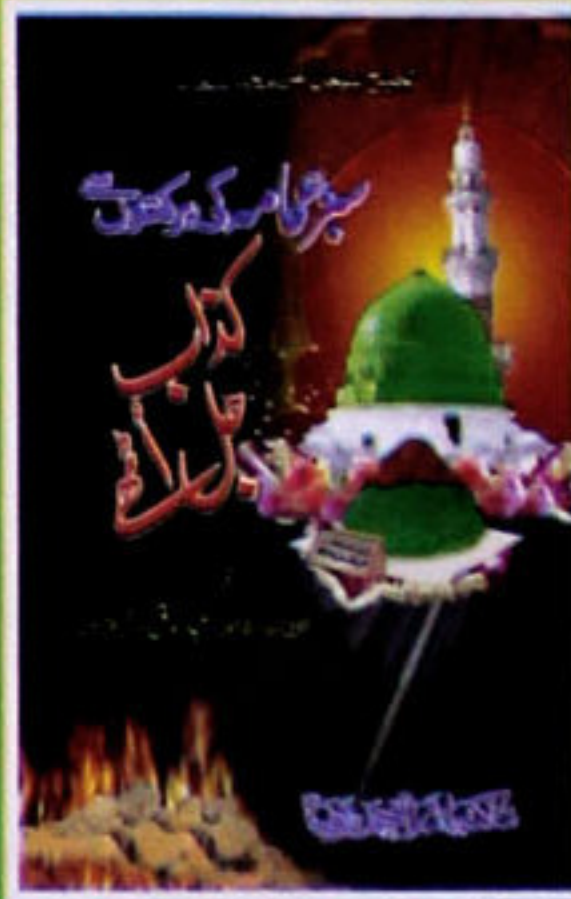
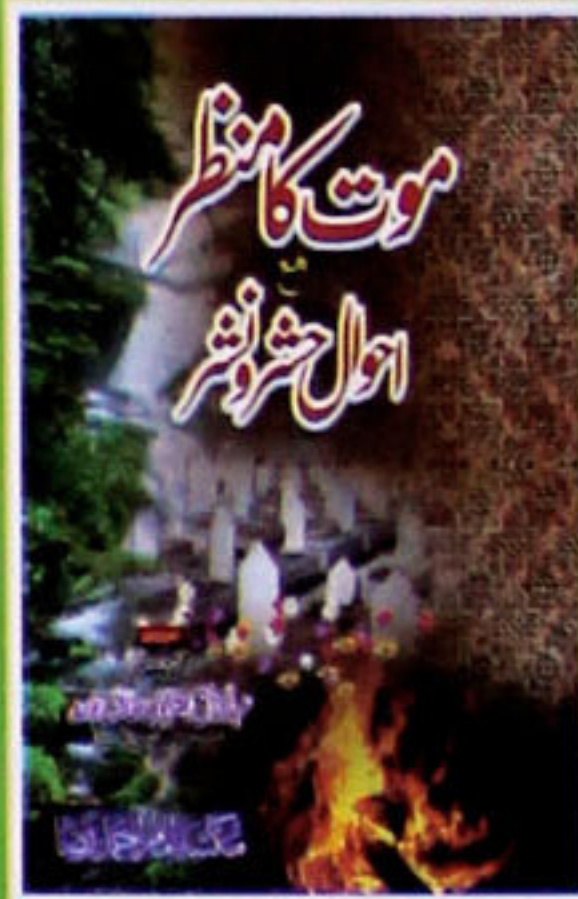
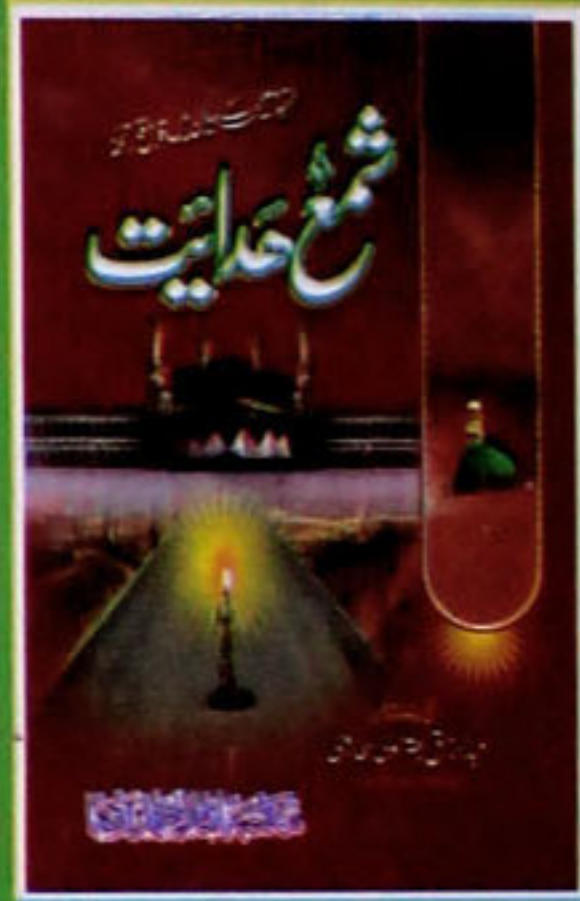
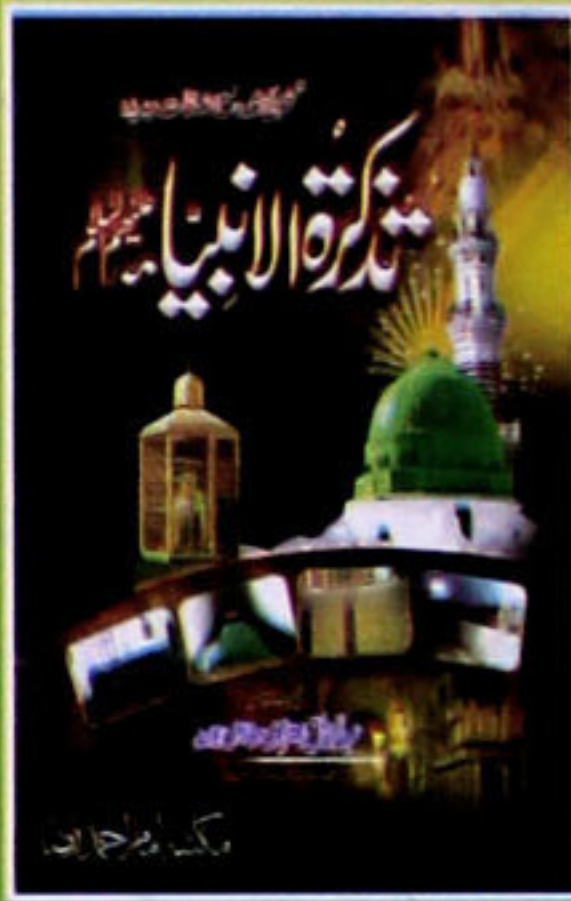
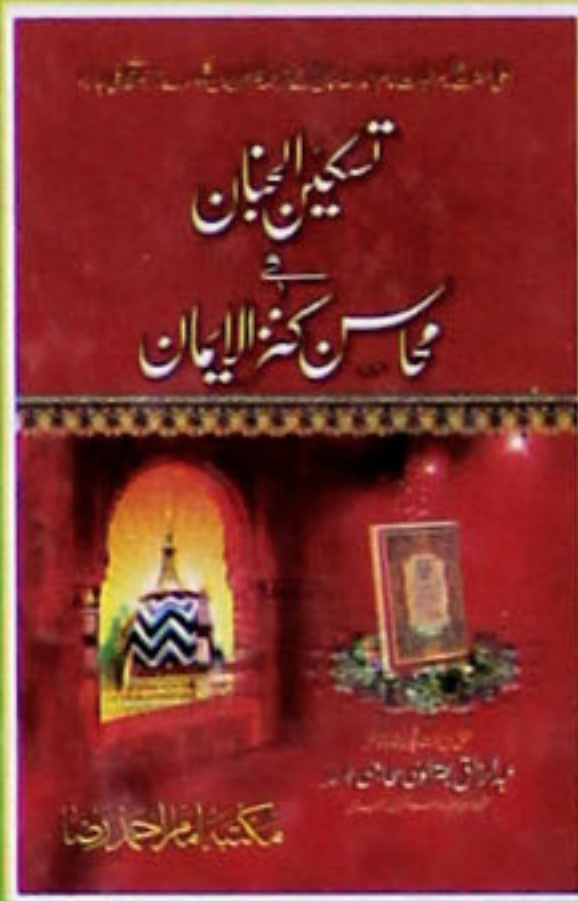
موت کا عطر

مع  
احل حشر

محمد عظیمی  
عبدالرزاق عسکری حوالی بریلوی  
ترجمہ و تفسیر

مکتبہ امجدیہ رضویہ

# قابل مطالعہ کتابیں



## مکتبہ امیر احمد رضا

Ph:051-4907446

Cell:0321-5098812

کری روڈ راولپنڈی